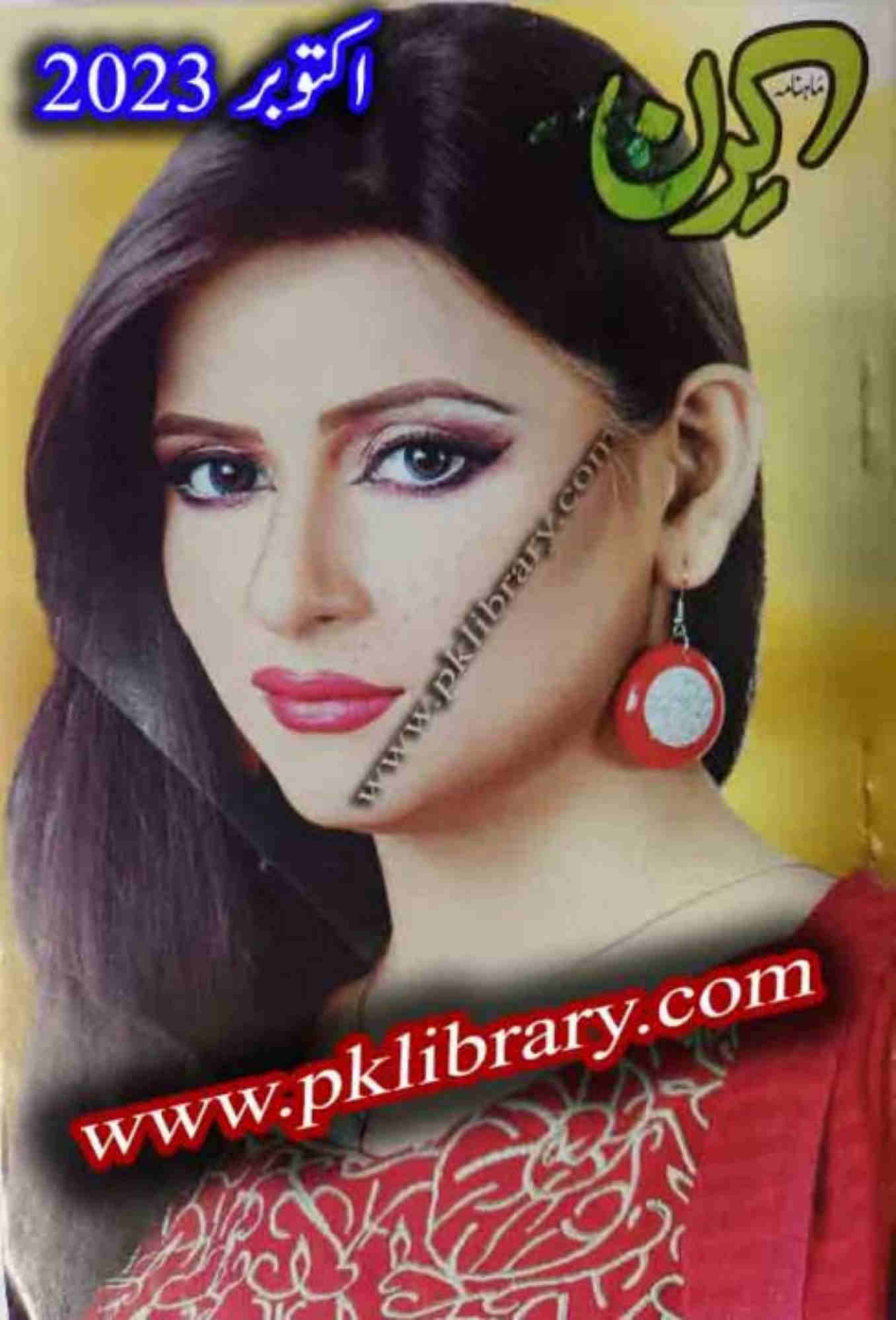

اکتوبر 2023
ماہنامہ
کرن
www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER
APNS
CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی ——— محمود بابر فیصل
نگران ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ——— عامر محمود
نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

حمد — میاں جمیل احمد 7
نعت — ملک مبشر صائم 7

بیاد محمود بابر فیصل

بیاد محمود بابر فیصل، ذوالقرنین 8

انٹرویو

نمرہ عمران آرائیں سے ملاقات، شاہین رشید 9
میری بھی سنیے، شنا فیصل 13

ناول

تاش گھر، ایمل رضا 16
دامنِ سحاب، مہوش افتخار 96

مکمل ناول

گنوا کر دل و جاں ہم، ام طیفور 162
شبِ غم کی سحر، ام اقصیٰ 36
زوال مسکن مکن تغافل، ام زویا 124

ناولٹ

سپاس گزار، میمونہ صدف 74
حقیقی رشتوں کی ڈور، آسیہ بری وٹو 185

افسانے

نقشِ قدم، عنبرین اعجاز 32
ایک تھی سنڈریلا، صبا زرین 113

www.pklibrary.com

واٹس ایپ
03172266944

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

چھوٹی سی بات، ہاجرہ عمران 92
آخر سمجھ آجاتی ہے، سونیا تابانی 71

کرن کتاب

بیوٹی باکس، ادارہ 203
کرن کا دسترخوان، ادارہ 204
ٹوٹکے، ادارہ 205

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، شعاع عمیر 199
یادوں کے دریچے سے، بشریٰ محمود 201
موتی چنتے ہیں، ادارہ 202
نامے میرے نام، مدیرہ کرن 206

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

اکتوبر 2023
جلد 45 شمارہ 07
قیمت 150 روپے

pklibrary.com

www.pklibrary.com

مدیرہ

اداریہ

شب وروز کے اس تسلسل میں وقت کا کارواں آگے بڑھ رہا ہے۔ مسافر اس میں شامل ہوتے ہیں اور کچھ وقفہ کے بعد خاموشی سے نکل جاتے ہیں۔ وقت کے اس کھیل میں، اس آنے جانے میں نہ جانے کون سا راز پنہاں ہے۔ لوگ کہاں سے آتے ہیں، کہاں چلے جاتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کون ناظر ہے یہاں اور تماشا کیا ہے۔

یہی موسم خزاں کے دن تھے، جب محمود بابر فیصل دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ وہ اتنی اچانک، اتنی خاموشی سے ہمارے درمیان سے نکل گئے کہ آج بھی دل نہیں مانتا کہ زندگی سے بھرپور وہ شخص ہمارے درمیان نہیں ہے۔

جہاں محمود بابر فیصل ہوتے تھے۔ وہاں مسکراہٹیں ہوتی تھیں۔ قہقہے ہوتے تھے اور جب وہ جہاں سے اٹھے تو ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ ہر دل افسردہ تھا۔ قدرت نے ان کو بہت سی صلاحیتوں سے نواز اتھا۔ انہوں نے افسانے لکھے، ایک ناول بھی لکھا۔ ''کہتا کہ مسافر تو گیا'' ان کا ناول کرن میں شائع ہوا تو قارئین نے بہت پسند کیا۔ ذوالقرنین کے روپ میں محفل سجانے والے، اپنے برجستہ جوابوں سے مسکراہٹیں بکھیرنے والے محمود بابر فیصل اس ناول میں ایک بالکل مختلف روپ میں سامنے آئے۔ بہت سنجیدہ اور اداس، انسان کا پتا کہاں چلتا ہے ہے جانے کون کون سے دکھ، دل میں چھپائے جیتا رہتا ہے۔ ویسے بھی حساس لوگ کم ہی خوش رہ پاتے ہیں۔

محمود بابر فیصل کے لیے آپ سے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ آمین

اس شمارے میں

- ☆ یاد محمود بابر فیصل
- ☆ اینکر پرسن ''نمرہ عمران آرائیں'' سے ملاقات
- ☆ اینکر پرسن ''ثنا فیصل'' کہتی ہیں ''میرے بھی سنیے''
- ☆ ''تاش گھر'' ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول
- ☆ مہوش افتخار کا سلسلہ وار ناول ''دامن سحاب''
- ''شب غم کی سحر'' ام اقصیٰ کا مکمل ناول
- ☆ ام طیفور کا مکمل ناول ''گنوا کر دل و جاں ہم''
- ☆ ''زحال مسکین مکن تغافل'' ام زویا کا مکمل ناول
- ☆ میمونہ صدف کا ناولٹ ''سپاس گزار''
- ☆ ''حقیقی رشتوں کی ڈور'' آسیہ پری وش کا ناولٹ

صبا زین، سونیا ربانی، عنبرین اعجاز اور ہاجرہ عمران کے افسانے اور مستقل سلسلے۔
کرن کتاب: بیوٹی ٹپس، زندگی کو آسان بنانے والے ٹوٹکے اور مزیدار کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ

www.pklibrary.com

تُو ہی مالک تُو ہی خالق گدا تیرے ہی سارے ہیں
تیری حمد و ثنا کرتے یہ سورج چاند تارے ہیں

تُو ہی فریاد سنتا ہے ہر اک مظلوم و بے کس کی
تیرا در چھوڑتے ہیں وہ جہالت کے جو مارے ہیں

زمین و آسماں کے ہیں خزانے تیرے قبضے میں
یہ ایسا بحر ہے جس کے نہیں کوئی کنارے ہیں

تیرے زیرِ تسلط ہے یہ دُنیا اور مافیہا
تیرے اک حرف کُن نے کئی بگڑے سنوارے ہیں

خدا و ندا ہمیں ہے آسرا تیری کریمی کا
گناہوں سے بہت لتھڑے ہوئے دامن ہمارے ہیں

جمیلؔ اپنی صفات و ذات میں وہ ذات یکتا ہے
اسی تو ہے کہ قرآن و سنّت میں اشارے ہیں

میاں جمیل احمد

بن دیکھے محمدؐ پر قربان زمانہ ہے
جس جس کو بھی دیکھا ہے وہ ان کا دیوانہ ہے

روزہ ہے جو آقا کا جنّت کا وہ ٹکڑا ہے
حجرے میں اماں کے رحمت کا خزانہ ہے

اس دن سے بلندی پر پہنچی ہے میری قسمت
جس دن سے محمدؐ کا ہونٹوں پہ ترانہ ہے

معراج کی شب مولا جبرئیلؑ سے یوں بولے
محبوب کے تلووں پر لب رکھ کے جگانا ہے

مہتاب ہوا ٹکڑے اُنگلی کے اشارے سے
ہر معجزہ اعلیٰ ہے انداز سہانا ہے

کچھ بھی تو نہیں پلّے اعمال اے صائمؔ
سرکار کی مدحت ہی بخشش کا بہانہ ہے

ملک مبشر صائم

pklibrary.com

www.pklibrary.com

بیادِ محمود بابر فیصل

گلی گلی میرے زخموں کی گواہ
میرا درد عام ہے میرے خدا

کون بھرتا ہے غیر کے زخم
اب یہاں کون میرا تیرے سوا

وہ اس شہر میں تھا ایک شناسا سا
وہ بھی گیا ماتھے پہ سہرا سجا

جب اس کا تھا تصور میرے قریب

pklibrary.com

www.pklibrary.com

بیادِ محمود بابر فیصل

گلی گلی میرے زخموں کی گواہ
میرا درد عام ہے میرے خدا

کون بھرتا ہے غیر کے زخم
اب یہاں کون میرا تیرے سوا

وہ اس شہر میں تھا ایک شناسا سا
وہ بھی گیا ماتھے پہ سہرا سجا

جب اس کا تھا تصور میرے قریب
سوچوں پہ گیا وہ پہرے لگا

سناؤں تو کس کو سناؤں کہانی
تو ہی سن لے فیصل کی میرے خدا

ذوالقرنین

pklibrary.com

www.pklibrary.com

نمرہ عمران آرائیں سے ملاقات

شاہین رشید

آج کل کی دنیا گیمر کی دنیا ہے۔ کوئی راہ چلتے لڑکی بھی اگر ابائے یا حجاب میں یا نقاب میں نظر آئی ہے تو لوگ ایک نظر اٹھا کر ضرور دیکھتے ہیں..... اور اگر اسی گیٹ اپ میں کوئی ٹی وی پہ نظر آئے تب بھی لوگ حیران ہوتے ہیں..... اور لوگ کیا حیران ہوں گے میں تو خود بہت حیران ہوئی جب میں نے ''نمرہ'' کو نقاب میں میزبانی کے فرائض دیتے ہوئے دیکھا..... ہمارے میڈیا کی یہ بہت اچھی بات ہے کہ وہ ٹیلنٹ کو پروموٹ کرتے ہیں صرف شکل وصورت والی گوری لڑکی کو نہیں۔

حجاب میں میزبانی کرتی ہوئی نمرہ عمران نہ صرف اچھی لگیں بلکہ ان کے حوصلے کی بھی داد دی.....

تو نمرہ اس فیلڈ میں کیسے آئیں، کیا مشکلات پیش آئیں یہ جاننے کے لیے ایک چھوٹی سی ملاقات لیجیے، نمرہ عمران آرائیں صاحبہ سے۔

''کیسے مزاج ہیں۔''

''الحمدللہ''

''پہلے اپنے بارے میں بتائیں۔''

''میرا پورا نام نمرہ عمران آرائیں ہے..... لیکن میرا ایک دوسرا نام بھی ہے نشیط (Nashitah) اور نشیط کے معنی ''زندگی سے بھرپور'' کے ہیں اور مجھے سب اسی نام سے بلاتے ہیں۔ ہم لوگ پنجاب کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرے ابو ٹنڈوالہ یار سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری امی ہاؤس وائف ہیں اور میرے بزنس مین ہیں۔ ان کا پراپرٹی ڈیلنگ کا کام ہے۔ میں 16 جنوری 2002ء میں پیدا ہوئی..... ہم پانچ بہن بھائی ہیں دو بہنیں اور تین بھائی اور میرا نمبر پہلا ہے۔ ہمارے گھر کا ماحول ویسا جیسے ایک نارمل ماحول ہوتا ہے۔ اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں سے اچھی خاصی ماڈرن ہوا کرتی تھی۔ مگر پھر میرا حجاب اور نقاب کی طرف رجحان ہو گیا۔ اور میں آپ کو بتاؤں کہ میں بہت شرمیلی لڑکی تھی اور مجھ میں اتنی خود اعتمادی بھی نہیں تھی کہ میں اپنی ٹیچرز اور کلاس فیلوز سے بات کر سکوں۔ ایک دن میری ٹیچر

www.pklibrary.com

نے مجھے کہا کہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ جن جن چیزوں سے ڈرتی ہو، جھجکتی ہو اسے فیس کرو۔ میں زیادہ باتیں نہیں کرتی تھی اور نہ ہی کراؤڈ کو فیس کر سکتی تھی۔ تو یہ ڈر اور خوف میری ٹیچر نے مجھے دن رات لیکچر دے کر نکالا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں کلاس سکس میں تھی تو میں نے اسکول کے ہی ایک تقریری مقابلے میں حصہ لیا اور پرائز جیتا۔ پھر میری جھجک تھوڑی کم ہوئی۔ اور 2018ء سے میں نے مختلف تقریری مقابلوں میں حصہ لینا شروع کیا اور انعامات جیتتی گئی۔ جن میں سرسید کالج عبداللہ کالج اور فاسٹ یونیورسٹی شامل ہیں۔"

"شوبز فیلڈ میں آنے کا خیال کیسے آیا؟"

"مجھے ہمیشہ سے "آئی ٹی" میں اسپیشلائز کرنے کا شوق تھا..... مجھے میڈیکل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی..... اور تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کا رجحان بہت بڑھتا چلا جا رہا تھا..... تو میرے والدین نے میرے سامنے ایک شرط رکھی کہ اگر تم اپنے ان شوق کو جاری رکھنا چاہتی ہو تو تمہیں میڈیکل ہی میں ایڈمیشن لینا ہے۔ تو اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے میں نے میڈیکل کی فیلڈ کا انتخاب کیا۔ اور پھر اس کے بعد فاسٹ یونیورسٹی میں "آغا حسن عابدی" تقریری مقابلے میں، میں نے حصہ لیا۔ یہ آل پاکستان مقابلہ ہوتا ہے اور اس تقریری مقابلے میں، میں نے پرائز جیتا۔ پھر میں نے "اے آر وائی"، "بول"، "کیو ٹی وی" اور "پی ٹی وی" کے مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات حاصل کیے۔ ہمیشہ فرسٹ رنر اپ رہی ہوں..... اور اس سے پہلے جب میں کالج میں تھی..... تب میں نے دو بڑے ایونٹ آرگنائز کروائے ان میں ایک "یا حسین لا الہ اللہ..... "ہم نوجوان فخر پاکستان" شامل ہیں اور اس میں سب کی حوصلہ افزائی وصول کی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے پہلا ایونٹ آرگنائز کروایا تو مجھے بے تحاشا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا..... لیکن جب پہلا ہی ایونٹ کامیاب رہا تو مجھے مختلف آرگنائزیشن سے کالز آئیں کہ آپ ہمارا ایونٹ بھی آرگنائز کروائیں اور جوائن بھی کریں۔ سوشل ایکٹیویٹیز میں نے بہت کی ہیں۔ خاص طور پر کووڈ کے زمانے میں بہت زیادہ سوشل ورک کیا ہے۔ اس طرح رمضان المبارک میں سوشل ورک کیا اور مجھے میرے کام کے صلے میں ایوارڈز وغیرہ بھی مل چکے ہیں۔ کووڈ کے وقت میں نے آن لائن ہوسٹنگ بھی کی ہے۔ یعنی میں ٹی وی پر آنے سے پہلے ہی ہوسٹنگ کر رہی ہوں۔ جامعہ کراچی میں ابن انشاء اور "یانگ ورا" کے تحت ان مقابلوں کو ہوسٹ کیا ہے۔ اور آپ نے تعلیم کے بارے میں پوچھا ہے تو اس وقت میں جامعہ کراچی میں فزیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں تیسرے سال میں ہوں۔ اور آج کل جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میٹرو ون چینل پر میں راؤ کرامت صاحب کے ساتھ بحیثیت "کوہوسٹ" ہوں۔ پروگرام کا نام "روشن پاکستان" ہے یہ پروگرام ہر اتوار دو تین بجے لائیو ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے بحیثیت ڈائریکٹر کے بھی کام کر رہی ہوں..... میڈیا میں کام کرتے ہوئے میرا یہ تیسرا سال ہے۔"

"اس فیلڈ میں پیسہ ہے؟"

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں اس فیلڈ میں آ کر پیسہ کماؤں گی..... ہاں مجھے بولنے کا شوق تھا اور میرا شوق مجھے یہاں تک لے آئے گا۔ اس بات کا مجھے یقین نہیں تھا..... میں بغیر کسی لالچ کے محنت کرتی چلی گئی..... کہ میں نے اپنی آواز کے ذریعے اپنے خیالات لوگوں تک پہنچائے ہیں اور مجھے ہمیشہ سے اینکر پرسن نے بہت متاثر کیا تو میری یہ بھی خواہش تھی کہ میں اینکر بنوں لیکن حجاب اور نقاب کی وجہ سے مجھے بے تحاشا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا....."

"اچھا؟..... کیسے؟"

کسی ایک نے تنقید نہیں کی بلکہ پورے پورے اداروں نے تنقید کی ہے۔ جو لوگ ظاہری طور پر شو کرتے ہیں کہ وہ بہت مذہبی ہیں انہی لوگوں کی وجہ سے مجھے بہت زیادہ مشکلات پیش آئی ہیں..... جیسا

www.pklibrary.com

کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں تقاریر سے اپنا سفر شروع کیا تھا تو مجھے سب سے زیادہ رمضان ٹرانسمیشن میں مشکل پیش آئی کہ جب مجھے رمضان ٹرانسمیشن کے کوآرڈینیٹرز سے سننے کو ملتا تھا کہ اچھا آپ نقاب کریں گی، اپنی آنکھیں تھوڑی واضح کردیں۔ اپنا نقاب تھوڑا نیچا کرلیں مطلب بہت تنقید ہوتی تھی..... اس سے بھی زیادہ مشکل مجھے ''کیو'' ٹی وی میں ہوئی (یہ اسلامی چینل ہے اے آر وائی کا) کہ اپنا نقاب ہٹادیں..... اور اب بحیثیت اینکر مجھے بہت مشکلات ہوتی ہیں..... آپ کو پتا ہے کہ یہاں لوگ حسن کو پروموٹ کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایسی ہوسٹ ہو جس کی شکل بہت اچھی ہو، جس کے بال کھلے ہوں، یعنی بجی سنوری اینکر ہو..... حجاب والی برداشت نہیں..... کہنے کو ہمارا ملک اسلامی ہے مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہے..... یہ تک کہا گیا کہ ان کی وجہ سے اسکرین خراب ہورہی ہے اور میری چھوٹی باتوں پر تنقید کی گئی۔ نہ صرف چینل پر بلکہ عام لوگ بھی بہت تنقید کرتے ہیں کہ جب نقاب کیا ہے تو آنکھوں کا میک اپ کیوں کرتی ہیں۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں کیوں پہنتی ہیں؟..... تو ایک وقت ایسا آیا کہ میرا دل چاہا کہ میں یہ سب کچھ چھوڑ دوں..... لیکن راؤ کرامت صاحب نے مجھے بہت سپورٹ کیا اور انہی کی وجہ سے میں نے اپنا سفر جاری رکھا ہوا ہے اور الحمدللہ ہمارے کافی پروگرامز ہوچکے ہیں اور ان شاء اللہ آگے بھی ہمارا یہ سلسلہ جاری رہے گا..... اور ایسا نہیں ہے کہ میں شروع سے ہی ایسی ہوں۔ میں نے بھی عام لڑکیوں کی طرف زندگی گزاری ہے۔ گلے میں دوپٹا ڈال کر کھلے بالوں کے ساتھ میں بھی گھومتی پھرتی تھی..... مگر پھر مجھے خیال آیا کہ یہ طریقہ کار ٹھیک نہیں کہ لوگوں کی نظریں مجھے دیکھیں، میرا جائزہ لیں۔ کمنٹ پاس کریں..... چنانچہ مجھے اپنے آپ کو ڈھانپ کے رکھنا اچھا لگا..... میں ایڑی فیل کرتی ہوں..... اور..... اور..... مزے کی بات بتاؤں کہ

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ میں حجاب اس لیے کرتی ہوں کہ میرا چہرہ اچھا نہیں ہے یا اچھا نہیں ہوگا..... تو جن جن لڑکیوں نے میرا چہرہ دیکھا ہے وہ مجھے حسین کہتی ہیں اور میں خود بھی یہ بات کہتی ہوں کہ ماشاء اللہ میرا چہرہ اتنا ''حسین'' ہے کہ میں اگر بغیر حجاب کے ہوسٹنگ سیٹ پر بیٹھ جاؤں تو میرا مقابلہ کوئی ہوسٹ کرنہیں سکتی..... یہ میرا دعویٰ ہے۔''

''آپ کے میڈیا جوائن کرنے پر آپ کے گھر والوں کا کیا ردعمل ہے؟''

''میرے گھر میں میڈیا کے حوالے سے بہت سخت ماحول ہے جب میں نے ٹی وی کے مقابلوں میں (تقاریر) میں شرکت کرنا شروع کی تو سب سے زیادہ تر تنقید کا سامنا مجھے اپنے خاندان اور گھر والوں کا ہی کرنا پڑا..... خاص طور پر ددوھیال سائڈ سے مجھے بہت ٹف ٹائم ملا..... اپنے خاندان والوں کی وجہ سے میں نے اپنی بہت سی خواہشات کو مارا ہے..... میں میڈیا میں بہت آگے جانا چاہتی تھی بہت سے کورسز کرنا چاہتی تھی مگر خاندان والوں نے بہت شور مچایا ہوا تھا، ایک محاذ کھڑا کیا ہوا تھا۔ میرے لیے..... بس میری امی میری سب سے بڑی سپورٹر

www.pklibrary.com

رہی ہیں..... اور ہر جگہ میرے ساتھ جاتی تھیں..... والد صاحب بھی بہت ڈرتے تھے لیکن امی کو نہ صرف اعتماد تھا مجھ پر بلکہ وہ ہر جگہ میرے ساتھ ہوتی تھیں۔

خاندان کی مخالفت کو ابو نے خود سہا..... اور میں جب بھی کوئی تقریر کرتی تھی تو اپنے ابو کو ضرور دکھاتی تھی۔ ان کو تقریر کر کے سناتی تھی وہ میرے انداز بیان کو صحیح کراتے تھے میری تقاریر کی بھی تصحیح کرتے تھے..... تو اس لحاظ سے بھی والد صاحب نے بہت سپورٹ کیا اور بہت حوصلہ افزائی کی۔"

"آپ کی مشکلات کو دیکھ کر گھر میں کسی کی ہمت نہیں ہوئی ہوگی اس فیلڈ میں آنے کی؟"

"ہمت؟..... ارے کسی کو شوق بھی نہیں ہے..... میں اپنی بہن کو اکثر کہتی ہوں کہ میں تقریر لکھ دوں گی تم آگے جا کر صرف اسے اپنے انداز میں پڑھ دینا..... مگر نہیں..... تو میں اپنے گھر اور خاندان کی پہلی لڑکی ہوں جو میڈیا تک آئی جو ہوسٹ بنی اور جس نے تقریری مقابلوں میں بے شمار انعامات جیتے۔"

"مزاج کیسا ہے آپ کا..... اور کیا کیا شوق ہیں؟"

"مزاج کچھ یوں ہے کہ اگر کوئی میرے مزاج کا ہے تو اس سے میری بہت اچھی نبھ جاتی ہے..... میرے ساتھ کوئی دوستانہ رویہ رکھتا ہے تو میں بھی رکھتی ہوں..... اور جو دل سے اتر جاتا ہے وہ بس اتر جاتا ہے..... مجھے لوگوں کے درمیان زیادہ اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں ہے..... گھومنا پھرنا مجھے بہت پسند ہے..... کھانے کی بہت زیادہ شوقین ہوں..... اپنی تصاویر لینے (سیلفی) کا مجھے بہت شوق ہے..... بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر والا بھائی "فیضان" اس سے میری بہت دوستی ہے..... اور چھوٹے بھائی "حسن" سے کبھی میرے اچھے تعلقات نہیں رہے..... گھریلو کام سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے..... جب بھی کیے مجبوری میں کیے کہ گھر کی بڑی بیٹی ہوں تو سب کچھ آنا چاہیے..... ورنہ مجھے سلائی کڑھائی اور دیگر کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں اپنے پسندیدہ اٹالین کھانے، پاستا، نوڈلز میکرونی بنا لیتی ہوں..... اور جب سر پر پڑے گی تو ہر کام سیکھ لوں گی۔ اپنے فری ٹائم میں کچھ لکھ لیتی ہوں..... پاکستانی ڈرامے دیکھنا مجھے پسند نہیں، ناولز پڑھنا بھی پسند نہیں..... انگریزی ڈرامے یا کورین ڈرامے دیکھنا پسند ہیں..... فارغ اوقات میں گیمز وغیرہ کھیل لیتی ہوں۔ یا کھیلوں سے مجھے بہت لگاؤ ہے اور میں نے کھیلوں میں خود بھی حصہ لیا ہے اور اسکول لائف میں بہت سارے گیمز جیتی بھی ہوں..... جن کے سرٹیفکیٹ میرے پاس موجود ہیں۔"

"اور چلتے چلتے کچھ کہنا چاہیں گی؟"

"بس یہی کہ میرے حجاب پر پتا نہیں لوگ اتنا حیران پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ پردہ تو ہمارے مذہب کا حصہ ہے مگر میڈیا والے بھی امی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو لڑکیاں ماڈرن ہوتی ہیں..... خیر..... میں آپ کو یہ بھی بتاتا چاروں کہ میں نے آل پاکستان تقریری مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات جیتے ہیں۔ اور میری ان کامیابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جامعہ کراچی نے گزشتہ سال مجھے گولڈ میڈل دیا اور اس سال بھی مجھے گولڈ میڈل ملا ہے..... اور الحمدللہ میں ان طالب علموں میں شمار ہوتی ہوں جسے دو بار جامعہ کراچی نے گولڈ میڈل دیا....."

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے نمرہ عمران آرائیں سے اجازت چاہی۔

☆☆

www.pklibrary.com

میری بھی سنیئے

ثنا فیصل

شاہین رشید

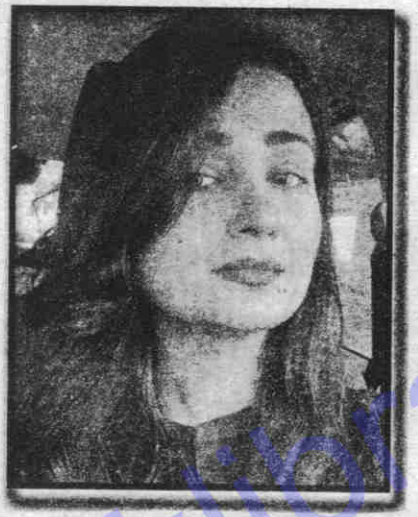

1 ''نام.....؟''

''ثناء فیصل اور مجھے سب بلکہ زیادہ تر اصفاء جس کے معنی پاکیزہ کے ہیں، پکارتے ہیں۔/ میں پچیس اگست کو پیدا ہوئی اور میرا ستارا ور گو (سنبلہ) ہے اور ہمارے گھر میں بولی جانے والی زبان اردو ہے یعنی ہماری مادری زبان اردو ہے۔''

2 ''بہن بھائی؟''

''ہم تین بہن بھائی ہیں یعنی بڑا بھائی پھر میں اور پھر بھائی ہے۔''

3 ''تعلیم/ شادی.....؟''

''ماسٹرز کیا ہوا ہے اور منی میڈیا کورسز بھی کیے ہیں۔ اس فیلڈ میں آنے کے لیے۔ اور جی ہاں میں شادی شدہ ہوں اور صاحب اولاد بھی الحمدللہ۔''

4 ''فیلڈ میں آمد؟''

''جیسا کہ میں نے بتایا مجھے اس فیلڈ میں آنے کا شوق تھا تو جب میں اس فیلڈ میں آئی تو امی بہت پریشان ہوئیں کہ صحافیوں کے لیے یہ فیلڈ محفوظ نہیں ہے۔ لیکن میرے سسرال میں میری ساس نے اور میرے میاں نے بہت سپورٹ کیا مجھے۔''

5 ''گھر کی کوئی ایسی شخصیت جس سے خوف زدہ رہتی تھی؟''

''میرے تایا کی شخصیت بہت بارعب تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ''تایا'' کو بچوں کو مارتے اور ڈانٹتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود ہمیں ان سے ڈر لگتا تھا۔ مجھے تو خاص طور پر۔''

6 ''شوبز یا ٹی وی کی پہلی آمدنی؟''

''شوبز یا نیوز کی کمائی تو پہلی نہیں تھی۔ البتہ میری اپنی پہلی کمائی ایک ٹیوشن پڑھانے کی تھی جو کہ دو سو روپے تھی۔ رقم اتنی چھوٹی تھی کہ کسی کو کیا دیتی، خود ہی خرچ کر لی۔''

7 ''ہاتھ میں ذائقہ کس کے ہے؟''

''میری امی کے اور میرے..... میں نے جو کچھ سیکھا ہے اپنی ماں سے سیکھا ہے۔ اس لیے ان کی وجہ میرے ہاتھ میں بھی ذائقہ ہے۔''

8 ''کیا بات سزا لگتی ہے؟''

''صبح اٹھنا سزا لگتی ہے۔ مگر اٹھ جاتی ہوں کہ ذمہ داریاں بہت ہیں۔''

9 ''وقت کے ساتھ مجھ میں کیا تبدیلی آئی؟''

''مجھے پہلے بہت غصہ آتا تھا..... مگر اب نہیں

www.pklibrary.com

آتا اب برداشت کر لیتی ہوں۔"

10 "شدید بھوک میں ردعمل؟"

"برداشت نہیں ہوتی بھوک ..... تو پھر غصہ آجاتا ہے۔ مگر اظہار نہیں کرتی کہ اب غصے اور بھوک دونوں پہ قابو پانا آ گیا ہے۔"

11 "پاکستان میں کیا نہ ہو تو ترقی ہو سکتی ہے؟"

"کرپشن ..... کرپشن کی وجہ سے سارا پیسہ ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔ کرپشن ختم ہو جائے تو ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔"

12 "کس ملک میں ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتی ہوں؟"

"کہیں نہیں ..... صرف اور صرف پاکستان میں۔"

13 "کن چیزوں پر بہت خرچ کرتی ہوں؟"

"کپڑوں پہ ..... کپڑے لینے کا بہت شوق ہے۔"

14 "میڈیا میں کس چیز کی کمی ہے؟"

"پروفیشنل ازم کی بہت کمی ہے۔"

15 "کب بہت اونچا بولنا پڑتا ہے؟"

"جب کوئی غلط بات کرتا ہے یا جب کوئی اپنی غلطی نہیں مانتا اور دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتا ہے۔"

16 "کالج لائف میں کون سے گیمز کھیلے ..... اور کون سے دیکھنے کی حد تک پسند ہیں؟"

"دیکھنے کی حد تک تو کرکٹ بہت پسند ہے اور کالج لائف میں بیٹ منٹن بہت کھیلا ہے۔"

17 "فیلڈ چھوڑ دوں گی؟"

"اگر گھر والے فورس کریں گے تو ..... مگر سوچنے کی بات ہے کہ وہ فورس کیوں کریں گے۔"

18 "ایک دیرینہ خواہش؟"

"اللہ کے گھر حاضری دینے کی ..... دیکھیں کب پوری ہوتی ہے۔"

19 "کس کام کے لیے دوسروں کی محتاج ہوں؟"

"جب گھر میں کوئی چیز خراب ہو جائے۔ اگرچہ چھوٹے موٹے مکینک والے کام میں خود بھی کر لیتی ہوں۔ مگر کوئی بڑی چیز خراب ہو تو مسئلہ ہوتا ہے۔"

20 "کون سا وقت بہت یاد آتا ہے؟"

"بچپن کا گزرا وقت ....."

21 "جب کوئی فیصلہ کرنا ہو تو؟"

"کبھی اکیلے کوئی فیصلہ نہیں کرتی ..... باہمی رضامندی سے ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے ہمارے گھر میں۔"

22 "میرا مقبول ترین پروگرام؟"

"خفیہ ..... اس پروگرام کو کرنے میں بہت مشکل پیش آتی تھی۔ لیکن اچھا لگتا ہے اس طرح کے پروگرام کرنا۔"

23 "اردو ادب سے لگاؤ؟"

"جی ..... جی بہت ہے ..... اور میں نے بہت سے مصروف لوگوں یعنی شاعروں اور نثر نگاروں کو پڑھا ہے ..... مثلاً واصف علی واصف سر سید احمد خان، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، امجد اسلام امجد اور دیگر۔"

24 "کون سا کیا جانے والا فیصلہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا؟"

"جو فیصلہ آپ اپنی ضمیر کی آواز پر کرتے ہیں وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔"

25 "میری ایکسٹرا خوبیاں؟"

"میں بہت اچھی شیف بھی ہوں کیونکہ میں نے میسن فاؤنڈیشن سے کافی کورسز کیے ہوئے ہیں ..... اور مجھ میں یہ خوبی بھی ہے کہ میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اچانک دعوت پر آجانے والوں کی دعوت کا اہتمام بھی کر لیتی ہوں۔"

26 "اگر اینکر اور پروڈیوسر نہ ہوتی تو؟"

"تو بہت اچھی شیف ہوتی کیونکہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں نے کافی کورسز کیے ہوئے ہیں۔"

27 "کون سا گزرا وقت یاد کر کے شکر ادا کرتی ہوں؟"

"غربت کا ..... بہت کسمپرسی میں زندگی گزاری ہے اور ہر حال میں شکر کرنے کی عادت نے صلہ دیا اور آج سب نعمتیں موجود ہیں میرے پاس۔ الحمدللہ۔"

28 "گھر میں کون کس کے رعب میں ہے؟"

"گھر میں سب میرے ہی رعب میں ہیں۔ ہنستے ہوئے۔"

29 "کس کھانے سے انکار نہیں کر سکتی؟"

"بریانی ..... جب سامنے آئے دل مچلنے لگتا ہے اس کو کھانے سے انکار تو ناممکن ہے۔"

www.pklibrary.com

30 ''اپنے پروگراموں میں کیا خامی نظر آتی ہے عموماً؟''

''کہ شاید میں زیادہ بولتی ہوں اور دوسروں کو موقع کم دیتی ہوں..... مگر ابھی تک اپنی اس خامی پر قابو نہیں پا سکی۔''

31 ''معافی نہیں مانگتی؟''

''ایسا نہیں ہے۔ میں تو اس غلطی کی بھی معافی مانگ لیتی ہوں جو میں نے کی ہی نہیں ہوتی۔ بہت خدا ترس اور رب سے ڈرنے والی لڑکی ہوں۔''

32 ''میاں صاحب کے لیے کون سا گانا گنگناتی ہوں؟''

''ہمیں تم سے پیار ہے کتنا
یہ تم نہیں جانتے۔''

33 ''کن لوگوں پر حیرانی ہوتی ہے؟''

''ان پر جو اتنی صفائی سے جھوٹ بولتے ہیں کہ سچ کا گمان ہوتا ہے اور یہ کام مجھ سے ہوتا نہیں..... یہی بہت بڑی خامی ہے مجھ میں۔''

34 ''کیا بہت سوچتی ہوں؟''

''جب بھی کوئی نیا کام شروع کرنا ہو تو بہت سوچتی ہوں اور ہر اینگل سے سوچتی ہوں۔ پہلے اس کو تصور میں لاتی ہوں پھر کام شروع کرتی ہوں۔''

35 ''ڈرامہ کرنے کی آفر آئی تو؟''

''تو انکار کر دوں گی کہ بناوٹ والے کام مجھے نہیں آتے۔''

36 ''ادھار لے لیتی ہوں؟''

''صرف اور صرف اپنی والدہ سے..... امی سے ادھار لینے میں کوئی جھجک نہیں۔''

37 ''صبح اٹھ کر موبائل چیک کرنے پر پہلے کیا نظر آتا ہے؟''

''میسجز کے انبار..... ہر گروپ بھرا ہوا ہوتا ہے بہت فرصت ہے لوگوں کو۔''

38 ''گھر میں غصے کا کون تیز ہے؟''

''میرے میاں صاحب۔''

39 ''والدین ناراض ہو جاتے ہیں؟''

''جب کسی چیز کی رٹ لگا لوں تو..... ناراضی کا اظہار کرتے ہیں۔''

40 ''ایک خواب جو پورا نہیں ہوا (جاگتی آنکھوں کا)؟''

''میں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔''

41 ''کبھی حالات و واقعات دیکھنے کے بعد ولن بننے کو دل چاہا؟''

''نہیں کبھی نہیں..... کیونکہ ہماری تربیت ایسی نہیں ہے۔''

42 ''بچت کرتی ہوں؟''

''جی..... جی..... ضرور کرتی ہوں۔ اور کیش کی شکل میں کرتی ہوں کہ یہی وقت پر کام آتا ہے۔''

43 ''کون سی تقریبات انجوائے کرتی ہوں؟''

''شادی کی..... مگر اب جو رسومات ایجاد ہو گئی ہیں ان کے سخت خلاف ہوں۔ ہمارے بچپن کی شادیاں بہت اچھی ہوتی تھیں۔''

44 ''گھر کا کھانا پسند ہے یا باہر کا؟''

''دونوں کا..... مگر باہر کھانے سے تھوڑا ماحول بدل جاتا ہے اچھا لگتا ہے گھر سے باہر کھانا..... تو چھ سات بار تو بندہ گھر سے باہر کھانا کھا ہی لیتا ہے۔''

45 ''کھانا پورے پروٹوکول کے ساتھ کھاتی ہوں؟''

''ہاں..... مجھے اچھا لگتا ہے ڈائننگ ٹیبل پہ اہتمام کے ساتھ کھانا۔''

46 ''گھر آ کر سارا دن کی روداد کس کو سناتی ہوں؟''

''اپنی امی اور اپنے میاں صاحب کو۔''

47 ''موڈ خراب ہو جاتا ہے؟''

''اگر کوئی ایک بات کو بار بار کرے تو یا پھر مجھے کسی کو کوئی بات بار بار سمجھانی پڑے تو..... پھر موڈ خراب ہونا لازمی بات ہے۔''

48 ''پسندیدہ تہوار/پسندیدہ کھیل/پسندیدہ جانور؟''

''عید بہت پسند ہے/کرکٹ پسند ہے مگر دیوانی نہیں ہوں/اور مجھے ''توتا'' اچھا لگتا ہے۔''

49 ''چینل جو پسند ہیں؟''

''وائس آف امریکہ اور بی بی سی۔''

50 ''شاپنگ کے وقت کس کا خیال آتا ہے؟''

''میاں صاحب کا..... کہ ان کے لیے کیا خریدوں۔''

☆☆

www.pklibrary.com

ایمن رضا

تماشا گر

سترہویں قسط

ٹھنڈیانی کا موسم حویلیاں کی نسبت زیادہ ٹھنڈا تھا۔ یہ علاقہ پہاڑوں کی شروعات کہلاتا تھا۔ اور یہاں درختوں کی بھرمار تھی۔ یہ ویسے درخت نہیں تھے جیسے حویلیاں میں ہوتے تھے۔ بلکہ یہاں کے درخت کچھ زیادہ سبز اور کچھ زیادہ محسور کر دینے والے تھے۔ یہاں کے پرندوں کی رنگت بھی گہری تھی۔ کوے سیاہ کالے تھے اور کوئل مزید خوش نما..... ایسے جیسے یہاں کی ہر چیز خالص شکل میں ہو اور وہ جو چیزیں دیکھتی آ رہی ہو وہ ملاوٹ زدہ ہوں۔

ٹھنڈیانی کے سحر زدہ ماحول میں وہ اس طرح کھوئی تھی کہ جیپ کے رک جانے کے باوجود اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بادلوں میں اُڑ رہی ہو۔ میر زاد نیچے اتر گیا تھا اور اب اس کے نیچے اترنے کا منتظر تھا۔

"صندل....." میر زاد نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تھی۔ صندل چونکی تھی۔

"اُترو..... ہم اپنی منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ گھر آ چکا ہے۔"

"اوہ..... اچھا..... مجھے خیال ہی نہیں رہا....."

میر زاد کے ہاتھ کا سہارا لے کر وہ جیپ سے نیچے اُتر آئی تھی۔ اور کچھ فاصلے پر موجود اس گھر کو پھر سے دیکھنے لگی تھی جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ گھر بدستور نامکمل تھا۔ جیسا اس نے پچھلی بار دیکھا تھا بالکل ویسا ہی تھا۔ کرش کے

www.pklibrary.com

بلاکوں سے گھر کی عمارت تو مکمل تیار ہو چکی تھی لیکن مزید والے تمام کام ابھی ادھورے تھے۔ کھڑکیاں تھیں، لیکن ان پر شیشے نہیں لگوائے گئے تھے۔ دروازے تھے اور ان پر کسی طرح کا رنگ وروغن نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ رنگ تو پورے گھر کی عمارت پر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ مزدور ابھی ابھی اس گھر کا کام مکمل کر کے گئے ہوں۔ ریت اور سیمنٹ کے آمیزے کے بہت سے چھوٹے بڑے ڈھیر اندر باہر موجود تھے۔ جنہیں بروقت صاف کیا جانا ضروری تھا۔ لیکن جو لاپروائی کی وجہ سے صاف نہیں کیے گئے تھے۔ اور اب اپنی اپنی جگہوں پر جم گئے تھے۔

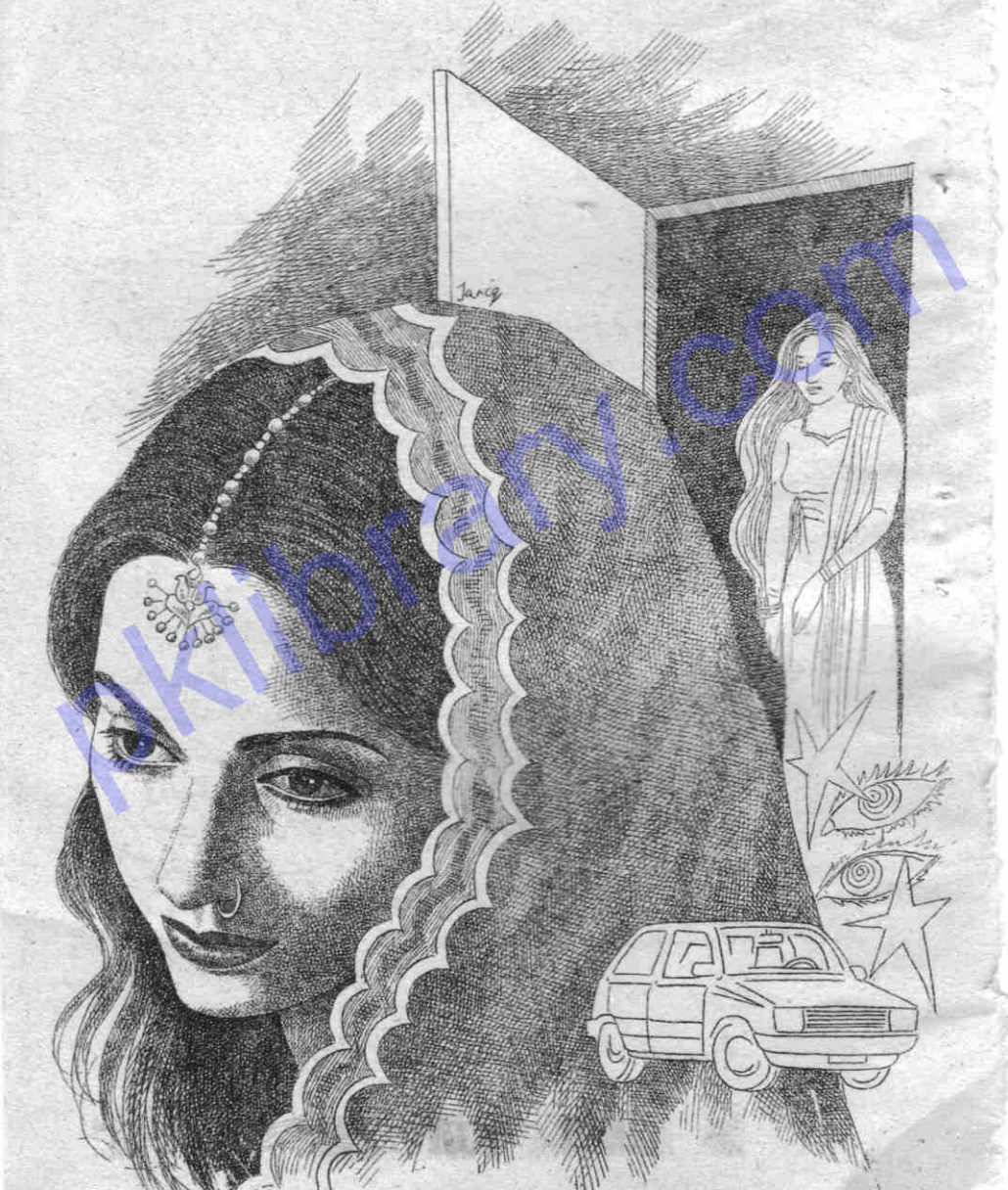

www.pklibrary.com

''آجاؤ..... اندر آجاؤ.....''

میرزاد نے چابی سے دروازہ کھول کر اسے ایک بار پھر سے متوجہ کیا تھا جو گھر کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے کسی پرانے کھنڈر کو دیکھ رہی ہو۔ اپنے چہرے پر سے مایوسی کے تاثرات ختم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ گھر کے اندر چلی آئی تھی۔ اندر کی حالت باہر سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ صد شکر کے اندر کمروں کے فرش بن چکے تھے جس سے صندل کو ایک گونا تسلی ہوئی تھی۔ ورنہ وہ روز کچے پکے فرش پر جھاڑو دینے کے خیال سے ہی پریشان ہونے لگی تھی۔

''تم بیٹھو..... میں باہر سے سامان نکال کر لاتا ہوں۔'' میرزاد کہہ کر ایک بار پھر سے باہر چلا گیا تھا۔

صندل چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی تھی۔ وہ کہاں بیٹھتی.....؟ وہاں ایسا کچھ نہیں تھا جس پر بیٹھا جاتا..... کونے میں ایک اسٹول پڑا ہوا تھا۔ جو شاید گھر کی تعمیر کا کام کرنے والے مزدوروں کے استعمال میں رہ چکا تھا۔ کیونکہ وہ سیمنٹ اور ریت کے آمیزے سے ڈھکا ہوا تھا۔ جو اس پر سوکھ کر لکڑی کا ہی حصہ لگتا تھا۔

میرزاد دو بیگ لیے اندر آیا تھا۔ جس میں ایک میں اس کے خود کے کپڑے تھے اور دوسرے میں صندل کے..... جو چاندامی نے جلدی میں بیگ میں بھر دیے تھے۔ دوسری چکر میں میرزاد کے ہاتھ میں وہ والا سامان جو ارشادی بابا نے انہیں الوداع کرتے وقت دیا تھا۔

''یہ لو..... اسے کچن میں جا کر رکھو.....'' صندل نے میرزاد کے ہاتھ سے وہ سامان پکڑ لیا تھا۔ اور کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ کچن میں آ کر اسے مزید مایوسی ہوئی تھی۔ کچن بھی ویسا ہی تھا جیسا کے پورا گھر..... پلستر تو تھا لیکن نہ تو پینٹ ہوا تھا اور نہ ہی کوئی لکڑی کا کام کروایا گیا تھا۔ صندل نے سارا سامان شلف پر رکھ دیا تھا جس پر ابھی پتھر لگنا باقی تھا۔ اور باہر گئی تھی۔ میرزاد گندے اسٹول پر بیٹھ کر اپنے شوز اُتارنے لگا تھا۔

''میر..... کچن میں تو بالکل بھی کام نہیں ہوا۔ مجھے لگتا ہے کہ گیس بھی نہیں ہے۔''

''گیس اس پورے علاقے میں نہیں ہے۔''

''کیا.....؟'' اسے حیرت ہوئی تھی۔ ''یہاں کے لوگ کھانا کیسے بناتے ہیں۔؟''

''لکڑیوں پر.....'' میرزاد کی بات پر اس کے چہرے کا تو جیسے رنگ ہی اڑ گیا تھا۔

''لکڑیوں پر.....؟'' وہ بھلا اپنی حیرت پر کیسے قابو رکھتی۔

''ہاں..... لیکن سلنڈر بھی مل جاتا ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں کرتا ہوں کچھ.....'' میرزاد نے کچھ پریشان لہجے میں کہا تھا۔ صندل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی شکوے شروع کر دیے تھے۔ میرزاد خود پریشان تھا۔ اور اس نے اپنی باتوں سے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں..... میں لکڑیوں پر بھی بنا لوں گی۔''

''دو ہی دن میں رنگت کالی ہو جائے گی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تم فکر مت کرو..... میں خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھو لیا کروں گی۔'' کہہ کر وہ خود ہی ہنسی تھی۔

''تمہیں کھانا بنانا تو آتا ہے نا.....؟''

''کچھ زیادہ تو نہیں..... لیکن تھوڑا بہت بنا لیتی ہوں۔''

''دیکھ لینا..... ارشادی بابا کا سایان ضائع مت کر دینا۔'' میرزاد نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ اور صندل نے نوٹ کیا تھا کہ میرزاد کی ہنسی بہت ہو کھلی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے میر.....؟''

''کیا ہوا ہے۔؟'' وہ شوز اُتار کر ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں ہی چلتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

''پریشان دکھ رہے ہو۔''

www.pklibrary.com

''نہیں تو......'' اس نے بات کو ٹالنے والے انداز میں کہا تھا اور جیسے بلا مقصد کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ باہر دیکھ رہا تھا یا نہیں اس متعلق صندل کو شک تھا۔

''بتاؤ میر...... کیا بات ہے۔'' صندل اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کھڑکی کے سامنے بڑا سا درخت تھا۔ وہاں کوئی ایسا منظر نہیں تھا جیسے دیکھا جاتا۔

''میں زویا آپی اور تانیہ کا سوچ رہا ہوں۔'' میرزاد نے صاف گوئی سے کہا تھا۔ صندل کے چہرے کے رنگ بدلے تھے۔ زویا آپی کی تو خیر تھی لیکن تانیہ کے نام پر صندل کو ناگواری محسوس ہوئی تھی۔

''تانیہ کا کیوں......؟''

''پتا نہیں کیوں...... لیکن تانیہ بھی میرے ذہن آ رہی ہے۔''

''کیا تم تانیہ کو چاہنے لگے تھے میر......؟'' صندل نے بے جھجک ہو کر پوچھ لیا تھا۔ میرزاد نے رخ بدل کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم صندل......''

''نہیں...... مجھے لگا شاید......''

''اسے چاہتا تو تمہارے پاس ہی کیوں آتا......''

''تو پھر اس کے بارے میں سوچ کیوں رہے ہو۔؟''

''جو بھی ہے اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔''

''شاید......'' اور وہ اس سے زیادہ بھلا اور کیا کہتی...... اسے تانیہ سے ذرا برابر ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ دونوں میں چند لمحوں کے لیے خاموشی در آئی تھی۔ میر ایک بار پھر سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔ جہاں موٹے تنے والا درخت کسی دیو کی طرح استادہ تھا۔ پھر صندل نے ہی بات شروع کی تھی۔

''خیر جو ہونا تھا اب ہو چکا ہے میر...... ہمیں ماضی کا سوچنے کے بجائے حال کا سوچنا چاہیے۔ یہ نامکمل گھر، روزگار...... ہمیں بہت کچھ سوچنا ہے۔''

''ہاں...... یہ تو ہے۔''

''تم ایسا کرو کہ مجھے کہیں سے ایک جھاڑو لا دو۔ میں یہاں کی صفائی تو شروع کروں۔ روز ایک کمرا کروں گی تو پھر بھی نجانے کتنے دنوں میں یہ گھر صاف ہوگا۔''

''میں کہاں سے لا کر دوں۔ یہاں کی کو نہیں جانتا ہوں۔ اور تم نے دیکھا تو ہے کہ یہاں گھر کتنی دور دور ہیں۔''

''پھر تم ایسا کرو کہ باہر سے خشک جھاڑ جھنکار اکٹھا کر کے لا دو۔ میں اس کا جھاڑو بنالوں گی۔''

''کیا سچ میں؟'' میرزاد نے کچھ حیرت اور کچھ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں...... چاندامی نے بچپن میں ایک کہانی سنائی تھی۔ جس میں لڑکی ایسا ہی کرتی ہے۔''

''اور بعد میں جادوگرنی بن جاتی ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔

''نہیں...... شہزادی......'' وہ بھی ہنسنے لگی تھی۔ ''چلو اب جلدی کرو...... ہمیں بالکل بھی دیر نہیں کرنی ہے۔ بہت کام ہونے والا ہے اس گھر کا...... سستی کی تو مہینوں میں ختم نہیں ہوگا۔''

میرزاد گھر سے باہر چلا گیا تھا۔ اس نے بہت سی خشک ٹہنیاں، خشک پتے...... جو جو اسے سمجھ میں آیا تھا سب اکٹھا کر لیا تھا۔ اور وہ لا کر گھر کے صحن میں لا پھینکا تھا۔

''یہ ٹھیک کیا کہ تم اتنا سب کچھ لے آئے ہو۔ یہ سوکھی لکڑیاں آگ جلانے کے کام بھی آئیں گی۔ لیکن فی الحال جھاڑو بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔ تب تک تم ایسا ہی سامان باہر سے مزید اکٹھا کر لاؤ۔''

www.pklibrary.com

میرزاد ایک بار پھر سے گھر سے باہر چلا گیا تھا۔ صندل جھاڑو بنانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اس نے پتلی پتلی ٹہنیوں کو اکٹھا کیا تھا۔ اور جھاڑو بنانے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے ابتدائی استعمال سے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے بہت سخت ٹہنیوں کا استعمال کر لیا ہے۔ اس نے جھاڑو کو کھولا تھا اور پھر مزید باریک اور لچک دار ٹہنیوں کو قرینے سے اوپر تلے رکھ کر اس کو باندھ دیا تھا۔ اس بار کی کوشش کچھ بہتر تھی۔ جھاڑو صفائی بھی کر رہا تھا اور اسے تھکا بھی نہیں رہا تھا۔ ٹھنڈیانی کی آب و ہوا ویسے بھی نمی والی ہوتی ہے۔ گرد صاف تو ہو رہی تھی لیکن ہوا میں اُڑ نہیں رہی تھی۔ جس سے اسے کام کرتے ہوئے الجھن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

میرزاد نے کچن میں آگ جلائی تھی۔ لیکن آگ جلانے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ آگ کو مصرف میں لانے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ارشادی بابا نے انہیں کھانے پینے کا سامان تو دیا تھا لیکن کھانا پکانے کے لیے برتن نہیں دیے تھے۔

''صندل...... ہمارے پاس کوئی ایسا برتن نہیں ہے جس پر کھانا بنایا جا سکے۔'' کچن سے باہر نکل کر اس نے کمرے کی صفائی کرتی ہوئی صندل سے کہا تھا۔

''وہی تو میں سوچ رہی تھی۔ خیر اس کے لیے ہمیں پاس پڑوس سے ہی مدد لینی ہوگی میر...... کیونکہ یہاں تو دُور دُور تک بازار بھی نہیں ہیں۔'' میرزاد صندل کی بات سے متفق نظر آیا تھا۔

ٹھنڈیانی کے لوگ بہت اچھے تھے۔ وہ شہروالوں کی طرح بے دید نہیں ہوئے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا تھا کہ ان کے قریب میں ایک بے یار و مددگار جوڑا قیام کرنے آیا ہے تو انہوں نے دل کھول کر مدد کی تھی۔ بہت سے برتن اکٹھے ہوئے گئے تھے۔ دریاں، تکیے، لحاف، جس کی جتنی استطاعت تھی اس نے دینے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

کمرے کی صفائی کرنے کے بعد صندل نے ایک دری کو فرش پر بچھا کر دونوں کے بیٹھنے کا مناسب انتظام کر لیا تھا۔ پھر دونوں نے مل کر کھانا کھا لیا تھا۔ جو کھانے کے نام پر کچھ ملغوبہ سا تھا۔ لیکن نجانے کیوں انہیں بہت لذیذ لگ رہا تھا۔

اگلے دن اس نے کچن اور دوسرا کمرا صاف کیا تھا۔ اور پھر اس سے اگلے دن باقی کے حصے...... آنے والا ہر دن ایک جیسا تھا۔ گرد سے اٹا ہوا۔ کچھ الجھن زدہ اور کچھ پر جوش...... کچھ لطف دیتا ہوا اور کچھ اداس کر دینے والا...... میرزاد کے پاس کچھ نقد رقم تھی۔ وہ بازار سے گھر کا سامان لا سکتا تھا۔ لیکن ابھی اس کا بازار جانا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے وہ دونوں گھر میں قید تھے۔ فی الحال پاس پڑوس سے مانگے گئے برتن اور باقی چیزوں پر ان کا اچھا گزارہ ہو رہا تھا۔ ان دنوں عجیب سی زندگی گزر رہی تھی۔ دونوں ایک اہم بات بھولے ہوئے تھے کہ یہ ان کی شادی کی شروع کے دن ہیں۔ جو بہت سہانے ہونے چاہئیں۔

☆☆☆

بڑے حال کی چھت پر نصب ہزاروں چھوٹے شیشوں کے عدسوں میں ایک وجود کا عکس متحرک تھا۔ یہ وجود روشن بیگم کا تھا۔ جو بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے جسم پر چڑھے ہوئے زیور کمرے میں ایک ترنم پیدا کر رہے تھے۔ روشن بیگم کی بہت سی خاصیتوں میں ایک یہ بھی خاصیت تھی کہ وہ کسی بھی طرح کے حالات کو اپنی ظاہری چمک دمک پر حاوی نہیں ہونے دیتی تھیں۔ وہ اپنے بناؤ سنگھار میں ناغہ نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے تو اپنی اقبولی بہن کے مرنے پر سفید لباس کے ساتھ زیورات کی ایسی میچنگ کی تھی کہ سب جنازے کو چھوڑ کر انہیں دیکھتے رہے تھے۔

صندل اور کمال کے تواڑنے سے جو جو ہوا تھا اس پر انہیں غصہ تو تھا، لیکن اتنا ہی جوان کا ذہن سہولت سے ہضم کر سکے۔ اس بے چین انداز میں کمرے میں ٹہلنے میں بھی ایک ادا تھی۔ سالوں بعد ایک لڑکی نے انہیں ٹکر دی تھی۔ وہ اس صورتِ حال سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھیں۔

کافی دیر ہو چکی تھی انہیں بستامی کو پیغام بھجواتے ہوئے کہ وہ ان سے آ کر ملے۔ اور بستامی ابھی تک

www.pklibrary.com

وہاں نہیں پہنچا تھا۔ انہیں بستا می پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ لڑکے کو بھیج کر پھر سے دین حویلی پیغام بھجوانے ہی لگی تھیں جب انہیں سیڑھیوں پر کسی کے چڑھنے کی آواز سنائی دی تھی۔ یہ یقیناً بستا می ہی تھا۔

شیشے کے کام والے بڑے کمرے میں بستا می کچھ جھجکتے ہوئے داخل ہوا تھا۔ اسے روشن بیگم کے متوقع غصے کا ڈر تھا۔

''بستا می تم اتنی دیر سے آئے ہو۔ میں کب سے تمہاری منتظر ہوں.....'' روشن بیگم اسے دیکھتے ہی بھڑکی تھیں۔ ''تمہیں میرا کچھ خیال ہے یا نہیں..... کہاں مصروف تھے تم؟''

''کہیں نہیں..... بس آپ سے ملتے ہوئے ڈر رہا تھا۔''

بستا می نے صاف گوئی سے کہہ دیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ روشن بیگم کا غصہ کچھ کم ہوا تھا۔ بستا می اس سے ڈرتا تھا۔ اس بات نے ان کی حاکمیت پسندی تقویت دی تھی۔ اندر ہی نہیں ان کا دل مسکرایا تھا۔ اور وہ غصے کو رفع کرتے ہوئے ایک جگہ پر بیٹھ گئی تھیں۔

''ڈرنے سے کیا ہوگا بستا می..... صندل تمہاری موجودگی میں اس گھر سے بھاگ گئی۔ میری تو اس بات پر حیرت نہیں جا رہی۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ایسا کرے گی۔ یہ رشتہ اس کی مرضی سے طے ہوا تھا۔'' بستا می بھی کچھ جھجکتے ہوئے روشن بیگم کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

''پھر وہ بھاگ کیوں گئی۔؟''

''اس کی جس کے ساتھ مرضی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ مسئلے مسائل تھے۔''

''اور وہ مسئلے عین نکاح والے دن ہی حل ہونے تھے۔'' روشن بیگم کا غصہ کم تو ہو چکا تھا لیکن لہجے کی تیزی بدستور موجود تھی۔

''کیا کمال بول رہا تھا۔؟''

''نہیں..... وہ خاندانی آدمی ہے۔ وہ بولتا نہیں ہوتا..... خاموش ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے مزاج کو اچھے سے جانتی ہوں میں..... مجھے اس کی خاموشی سے ہی ڈر لگا رہتا ہے۔ وہ تو میرے اس کے ساتھ پرانے تعلقات ہیں۔ اس لیے لحاظ کر لیا اس نے میرا..... ورنہ اس کے آدمی آ کر میری بوٹیاں بنا دیتے۔''

''کس کو معلوم تھا کہ صندل ایسا کرے گی۔''

''وہ یہ کام اکیلے نہیں کر سکتی، یقیناً چاند نے اس کی مدد کی ہوگی۔''

''نہیں..... چاند نے ایسا نہیں کیا..... وہ خود صندل کے گھر سے بھاگ جانے پر بہت دکھی ہے۔''

''ڈرامہ کرتی ہے۔ تم آج تک اپنی بہن کی چالاکیوں کو سمجھ ہی نہیں سکے ہو۔''

''شاید اس کی مدد سے ہی بھاگی ہو۔ لیکن اب صندل کا واپس آ جانا بھی تو ہمارے لیے بیکار ہے۔ کمال اسے قبول نہیں کرے گا۔''

''اس کا وہ سونا بھی ہمارے لیے بیکار ہو چکا ہے جو اس نے صندل کے بدلے میں دیا تھا۔'' روشن بیگم نے کہا تھا اور بستا می کو جیسے اس لمحے میں اپنے اصلی نقصان کا اندازہ ہوا تھا۔

''کچھ سوچیے روشن بیگم..... گھر آئی چیز کو کون واپس کرتا ہے۔''

''کمال کا سونا اسے واپس ہی کرنا ہوگا۔ اور کیا کیا جا سکتا ہے بھلا.....''

دونوں میں چند لمحوں کی خاموشی رہی تھی۔ بستا می ہارے ہوئے جواری کی طرح نظر آنے لگا تھا۔ اس کی تجوری ایک بار پھر سے خالی ہونے والی تھی۔ صندل نے اس کے ساتھ بہت برا کیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ صندل کو ڈھونڈ کر جان سے مار دے۔

www.pklibrary.com

''میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔''

''وہ کیا.....؟'' مایوسی میں بستامی نے اُمید بھری نظروں سے روشن بیگم کو دیکھا تھا۔

''ہم صندل کی جگہ حویلی کی کسی اور لڑکی کو کمال کے حوالے کر دیتے ہیں۔'' روشن بیگم نے کہا تھا۔ بستامی کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں۔

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا کمال مان جائے گا۔''

''وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ کمال کو میں راضی کر لوں گی۔ تم حویلی کی لڑکی کو رخصت کرنے کی تیاری کرو۔''

''کس کو.....؟''

''ہم..... میرے خیال سے تمہاری زہرہ پھوپھو کی چھوٹی بیٹی تعبیر بہتر رہے گی۔ وہ خوب صورتی میں صندل جیسی تو نہیں..... لیکن کم بھی نہیں ہے۔''

اور روشن بیگم کی ایک بات تھی کہ ان کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ وہ بس ایک بار بستامی کے سارے گھرانے سے ملی تھیں۔ اور انہیں وہاں کا ایک ایک فرد ایسے یاد تھا جیسے وہ ان کے اپنے کوٹھے کی لڑکیاں ہوں۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج ہی گھر جا کر بات کرتا ہوں۔''

''سب ویسا ہی ہوگا جیسے پہلے ہو رہا تھا۔ جھوٹا نکاح، جھوٹی رخصتی..... بعد میں بے شک بتا دینا کہ تعبیر کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ تعبیر ایک بار وہاں چلی گئی تو کمال اسے واپس یہاں نہیں آنے دے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا آپ کہیں.....'' بستامی کو بھلا کسی بات پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

راز کو راز ہی رہنے دو راز
ہر راز سے پردہ اُٹھایا نہیں کرتے

چاند خانساماں کو رات کے کھانے کی ہدایت دے کر باہر نکلی تھی اور دلان سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی جب یہ آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ رک گئی تھی۔ رحبانی ستون کی اوڑ سے باہر نکل کر اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کچھ زہر خندہ سے انداز میں۔ چاند نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

راز کو راز ہی رہنے دو راز
ہر راز سے پردہ اُٹھایا نہیں کرتے

رحبانی نے پھر سے لہکتے ہوئے رفیق راز کے شعر کو گنگنایا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ چاند کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''کیا..... کیا کہنا چاہ رہے ہو رحبانی.....''

''انجان تو مت بنو..... جیسے میری بات کو سمجھ ہی نہیں سکی ہو۔'' رحبانی نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں..... میں تمہاری بات کو نہیں سمجھ سکی ہوں۔''

''کس کو بے وقوف بنا رہی ہو چاند..... مجھے..... رحبانی کو..... میں تمہاری ایک ایک رمز سے آگاہ ہوں۔'' رحبانی ترنگ میں بولا تھا۔ چاند اس کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

دل منافق تھا، افسردہ تھا، افسردہ ہی رہے گا
ضمیر فروشوں کا دل مردہ تھا، مردہ ہی رہے گا

رحبانی تو جیسے آج الگ ہی فضاؤں میں تھا۔

www.pklibrary.com

''کوئی کام کی بات کرنا ہے تمہیں رحیانی.....''

''کام کی بات ہی تو کر رہا ہوں۔ تم سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔ تمہاری پرسکون آنکھیں..... مطمئن چہرہ..... تم بستامی کو تو بے وقوف بنا سکتی ہوں۔ لیکن مجھے نہیں..... میں جانتا ہوں کہ صندل کو تم نے گھر سے بھاگ جانے میں مدد کی ہے۔''

رحیانی نے کہا تھا اور چاند کو اپنا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' چاند نے تھوک نگلتے ہوئے کہا تھا اور پھر جلدی سے اپنے کمرے میں جانے کو ہوئی تھی۔ رحیانی نے جلدی سے آگے ہو کر اس کا راستہ روکا تھا۔

''بتاؤ..... کہاں ہے صندل اب.....؟''

''کیا کہہ رہے ہو رحیانی..... صندل کے بارے میں مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔''

''چلانے سے حقیقت چھپ نہیں جائے گی۔''

''تمہیں جو سوچنا ہے سوچ لو.....'' وہ پھر سے اپنے کمرے میں جانے کو ہوئی تھی اور رحیانی تھا کہ اسے جانے ہی نہیں دے رہا تھا۔

''تم بہت چالاک ہو چاند..... بہت زیادہ..... بلکہ مکار..... تم نے کتنی ہوشیاری دکھائی نا..... صندل کو بھگا دیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔''

''فضول کی باتیں مت کرو مجھ سے رحیانی۔''

''میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' رحیانی نے انکشاف کیا تھا۔ چاند کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

''میں اس وقت باغ میں تھا۔ جب تم دونوں کو کھڑکی کے راستے بھاگ رہی تھیں۔'' رحیانی نے پورا منظر بتا دیا تھا۔ اب اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ چاند کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول چکی تھیں۔ رحیانی کو سب دیکھتے ہوئے جیسے مزا آ رہا تھا

''فکر مت کرو..... میں بستامی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''کیا نہیں بتاؤ گے۔''

بستامی حویلی کے دروازے پر ظاہر ہوا تھا۔ اس نے رحیانی کی آخری بات سن لی تھی۔ رحیانی اور چاند دونوں نے ہی اسے دیکھا تھا۔ پھر چاند نے منت بھرے انداز میں رحیانی کو دیکھا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ وہ اس بارے میں بستامی کو کچھ نہ بتائے۔ رحیانی مسکرایا تھا۔

''نہیں..... کچھ نہیں..... بس آپس کی بات چیت کر رہے تھے۔''

''رحیانی..... تم زہرہ پھوپھو کو میرے کمرے میں لے کر آؤ..... بلکہ ایسا کرو باقی سب کو بھی لے آؤ..... اور چاند تم بھی میری بات سنو.....''

''ٹھیک ہے۔ میں آتی ہوں۔''

بستامی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔ رحیانی نے پھر سے چہرے پر مسکراہٹ سجالی تھی۔ چاند نے نظریں چرائی تھیں اور بستامی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

بستامی نے آتش میں چھوٹی بڑی لکڑیوں کو ڈال کو آگ کو مزید بھڑکا لیا تھا۔ کمرا کافی سے بند تھا اور کافی ٹھنڈ اہو چکا تھا۔ عثمان چھٹی پر تھا۔ وہ اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ ورنہ بستامی کے ایسے کام اسی کے ذمے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ بستامی کے کمرے میں کوئی نہیں آتا تھا۔ آگ جلانے کے بعد وہ اٹھا تھا اور آتش کی دان کی شلف پر موجود

www.pklibrary.com

عقاب کے ماڈل کو غور سے دیکھنے لگا تھا۔ چاند اس دوران خاموش رہی تھی۔ حویلی کے باقی مکین ایک ایک کر کے وہاں اکٹھے ہونے لگے تھے۔

''کیا بات ہے بستا می..... کیوں بلایا ہے ہم سب کو یہاں پر.....؟'' شکیلہ پھوپھو نے آتے ہی پوچھا تھا۔ بستا می پلٹا تھا۔

''آپ سب جانتے ہیں کہ پچھلے دنوں ہمارے گھر میں کیا ہوا ہے۔ ہماری کس قدر بدنامی ہوئی ہے۔''

''ہاں..... جانتے ہیں۔'' شکیلہ پھوپھو نے چور آواز میں کہا تھا۔

''اس لیے آج کے بعد اس حویلی میں وہی ہوگا جو میں کہوں گا۔ گھر کی کوئی عورت میری مرضی کے بنا یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔ خاص طور پر گھر کی لڑکیاں..... اور گھر میں کوئی غیر مرد نہیں آئے گا۔''

سب چند لمحوں کے لیے چپ ہو گئے تھے۔ پھر چاند بولی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہو۔'' چاند نے کہا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو چاند بستا می کو سنا دیتی کہ بے عزتی کی بات وہ کیسے کر سکتا ہے۔ جس کی ٹوٹل سے میل ملاقات کی وجہ سے حویلی کی پہلے ہی بہت بے عزتی ہو چکی ہے۔

''کمال بہت ناراض ہوا ہے۔ وہ خاندانی لوگ تھے۔ انہیں بہت بے عزتی محسوس ہوئی ہے۔ صندل کے بھاگ جانے سے۔''

کوئی کیا بولتا..... سب چپ رہے۔

''میں نے اس کا ایک حل سوچا ہے۔''

''کیا.....؟'' چاند نے پوچھا تھا۔ بستا می کے حل عجیب ہوتے ہیں۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نعیر کی شادی کمال کے ساتھ کر دیتے ہیں۔'' بستا می نے سب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔

سب لمحے بھر کے لیے چپ ہو کر رہ گئے تھے۔ نعیر کو اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

''لگتا ہے کہ شرما گئی ہے۔'' بستا می نے خود ہی قیاس کر لیا تھا۔

زہرہ پھوپھو کے چہرے پر واضح تھا کہ انہیں بستا می کی بات زیادہ پسند نہیں آئی ہے۔

''آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں زہرہ پھوپھو؟'' بستا می نے زہرہ پھوپھو سے پوچھا تھا۔

''لڑکیوں..... تم سب جاؤ یہاں سے۔'' زہرہ پھوپھو نے کھڑی سب لڑکیوں سے کہا تھا۔ سب جیسے وہاں سے چلے جانے کے اشارے کی ہی منتظر تھیں۔ فوراً سے وہ وہاں سے کھسک گئی تھیں۔ پھر زہرہ پھوپھو بستا می سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''میں اپنی بیٹی کی شادی اتنی دُور نہیں کرنا چاہتی بستا می۔''

''کون سا دُور..... یہ ساتھ ہی تو کشمیر ہے۔''

''میری زندگی میں میرا شوہر نہیں ہے۔ صرف دو بیٹیاں ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میں ان میں سے کسی ایک کی شکل دیکھنے کو ترس جاؤں۔ میں نعیر کی شادی نہیں پاس ہی کرنا چاہتی ہوں۔''

زہرہ پھوپھو کی بات پر بستا می کے چہرے پر غصہ جھلکا تھا۔ جس سے زہرہ سے زیادہ تہمینہ ڈر گئی تھی۔ کیونکہ وہ بستا می کا ایک اور روپ دیکھ چکی تھی۔

''چاند..... تم کچھ سمجھاؤ پھوپھو کو.....''

''میں کیا سمجھا سکتی ہوں بستا می..... پھوپھو کی اپنی مرضی ہے۔''

''آپ سوچ لیں پھوپھو..... رشتہ بہت اچھا ہے۔''

www.pklibrary.com

''جانتی ہوں۔ چاند کی تسلی ہے تو رشتہ واقعی ہی میں اچھا ہوگا۔ لیکن وجہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ میں اپنی بیٹی کی شادی اتنی دور نہیں کرنا چاہتی۔''

''یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔''

''ہاں......''

''ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی...... تعبیر آپ کی بیٹی ہے۔ میں اس کی زندگی کا فیصلہ خود سے کیسے لے سکتا ہوں۔'' بستامی چلتا ہوا زہرہ پھوپھو کے پاس آیا تھا۔

''کل صبح گاڑی آجائے گی۔ تب تک تیاری کر لیجیے گا۔'' بستامی نے ان کے کان کے پاس آکر جیسے سرگوشی کی تھی۔

''کس چیز کی تیاری......؟'' زہرہ پھوپھو نے پوچھا تھا۔ باقی سب بھی کچھ کچھ حیران تھے۔

''آپ کو اپنی بیٹیوں کو لے کر یہاں سے جانا ہوگا۔ کیونکہ یہ گھر میرے باپ کا ہے۔ اور میں بتا چکا ہوں کہ اس پر بس میرا حکم چلے گا۔'' بستامی نے کہا تھا۔

زہرہ پھوپھو حیرت زدہ بستامی کو دیکھنے لگی تھیں۔ تہمینہ، شکیلہ اور چاند بھی...... بستامی کمرے سے باہر جانے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ پھر دروازہ کے عین درمیان میں رک کر اس نے رخ پلٹے بنا ہی چاند سے کہا تھا۔

''چاند...... زہرہ پھوپھو سے سارا حساب کتاب لے لینا...... جو جو ہمارا اُن پر اور ان کی بیٹیوں پر خرچ ہوا ہے۔ تم حساب کتاب اچھا کر لیتی ہوں۔ اس لیے تم سے کہہ رہا ہوں۔ میں رات میں دیر سے گھر آؤں گا۔''

بستامی کہہ کر باہر چلا گیا تھا۔ اور سب ایک دوسرے کو ایسے دیکھنے لگے تھے جیسے شیش ناگ دیکھ رہے ہوں۔

☆☆☆

ریت کی طرح کی دکھتی دیوار پر سفید پینٹ اپنی پرت چھوڑنے لگا تھا۔ اور وہ یک ٹک دیوار کو دیکھنے لگی تھی۔ یہ ایک نامکمل گھر کو مکمل کرنے کی طرف اس کا پہلا قدم تھا۔ میرزاد نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ آکر سب خود سے کر لے گا۔ لیکن صندل سے صبر نہیں ہوا تھا۔ وہ پینٹ کے ڈبے خود ہی کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ اور پینٹ کرنے لگی تھی۔ جہاں جہاں تک اس کا ہاتھ جاتا رہا تھا وہ کرتی رہی تھی۔ پھر اس نے ایک اسٹول رکھ لیا تھا۔ اور دیوار کو اوپر تک پینٹ کرنے لگی تھی۔ یہ کام اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اور پہلی بار کرتا اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

''ارے...... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' میرزاد نجانے کب وہاں آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رنگ وروغن کا ہی کچھ مزید سامان تھا۔

''دیکھ نہیں رہے۔ میں پینٹ کر رہی ہوں۔''

''میں نے کہا تھا کہ میں کر لوں گا۔''

''ہاں...... لیکن مجھ سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ دیکھو...... تمہارا کتنا کام میں نے کر دیا ہے۔''

''تم نے میرا کام بڑھا دیا ہے۔'' وہ سامان سائیڈ پر رکھ کر اپنے کف فولڈ کرنے لگا تھا۔

''وہ کیسے......؟''

''پہلے ہمیشہ چھت پر پینٹ کرتے ہیں۔ پھر دیواروں پر...... کیونکہ چھت پر پینٹ کرتے وقت پینٹ کی چھینٹیں دیواروں پر پڑتی ہیں۔ اور تم پہلے دیواریں پینٹ کرنے لگی ہو۔''

''اوہ...... مجھے تو اس بات کا خیال ہی نہیں رہا......''

''چلو...... اُترو نیچے...... میں کرتا ہوں۔ تم کھانے کی تیاری کرو۔''

''تم آج کھانے کے لیے کیا لائے ہو۔؟'' وہ اسٹول سے نیچے اتر آئی تھی۔

''مرغا لایا ہوں۔ باہر بندھا ہوا ہے۔ تم اسے ذبح کر کے اس کی کھال اُتارنے کی کوشش کرو۔''

''کیا......'' صندل نے چیخ مارنے کے سے انداز میں کہا تھا۔ میرزاد اونچی آواز میں ہنسنے لگا تھا۔

www.pklibrary.com

''مذاق کر رہا ہوں۔ گوشت کٹوا کر ہی لایا ہوں۔ شاپر میں موجود ہے۔ تم بنانے کی تیاری کرو۔''

''اللہ..... تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' شاپر پکڑ کر وہ کچن میں جانے لگی تھی۔

''آج اچھا بنا لو گی نا.....؟''

''کوشش کروں گی۔'' اس نے کچھ منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

کھانا بنانے کے خیال سے ہی اسے اُلجھن ہونے لگتی تھی۔ اسے کھانا بنانا نہیں آتا تھا۔ وہ اپنے طور پر اچھا بنانے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن بات نہیں بن رہی تھی۔ چاند نے اسے کبھی کھانا بنانا سکھانے کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ ان کے گھر میں شروع سے کھانا خانساماں بنایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ چاند نے اس کی شادی بھی ایسے ہی گھرانے میں کرنی تھی جہاں خانساماں موجود ہو۔ انہیں نہیں اندازہ تھا کہ حالات بدل جائیں گے۔ اور صندل کو بھی کہاں احساس تھا کہ شادی کے بعد کے خوش گوار دن وہ اس طرح کے حالات میں بسر کرے گی۔

اس نے بہت دل سے گوشت کا سالن بنایا تھا۔ اسے مزید بہتر کرنے بنانے کے لیے اس نے اس میں کچھ اضافی مسالے ڈال دیے تھے۔ ساتھ میں اس نے چپاتیاں بنائی تھیں۔ جو چپاتی کم اور خمیرہ نان زیادہ لگ رہی تھیں۔ فرش پر اخبار بچھا کر اس نے دسترخوان سجا دیا تھا۔ میرزاد ہاتھ دھو کر دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ اس نے پلیٹ میں سالن ڈالا تھا اور پھر اسے چپاتی سے کھانا شروع کیا تھا۔

''کیسا بنا ہے.....؟''

''اچھا بنا ہے۔'' اس نے کھانے کو منہ میں گھماتے ہوئے کہا تھا۔ صندل نے بھی کھانا شروع کیا تھا۔ اور تب اسے معلوم ہوا تھا کہ میرزاد جھوٹ بول رہا ہے۔ کھانا مناسب کی حدود کو تو چھو رہا تھا لیکن اچھا نہیں بنا تھا۔

''تم میرا دل رکھنے کو جھوٹ بول رہے ہو میر..... کھانا تو بس مناسب بنا ہے۔''

''پھر کیا ہوا ہے۔ شروع میں سب کام مناسب ہی ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ سب بہتر ہو جاتا ہے۔'' میر زاد نے پیار سے کہا تھا۔ صندل جیسے اداسی میں مسکرائی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے صندل.....؟''

''میں پریشان ہو رہی ہوں میر..... تین چار باتیں اکٹھی ہو چکی ہیں۔ یہ گھر، میرا پھوڑپن، سب سے چھپتے پھرنا..... اور چاند امی..... جو کہ مجھے بہت یاد آ رہی ہیں۔'' بات کرتے ہوئے وہ مزید اداس ہو چکی تھی۔ ''ہماری شادی عام حالات میں ہوئی ہوتی تو یقیناً ہمیں ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا.....''

''آزمائش انسانوں پر ہی آتی ہیں صندل..... جو جو باتیں تم نے کی ہیں وہ سب ٹھیک ہو جائیں گی۔ لیکن چاند امی والے مسئلے کا میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ ہم ان سے ملنے نہیں جا سکتے۔ انہیں ملنے کے لیے نہیں بلا سکتے۔ تمہیں کچھ عرصے کے لیے چاند امی کو بھولنا ہوگا صندل۔ ہمارا وہاں جانا مناسب نہیں اور نہ ہی ان کا یہاں آنا۔ ہم پکڑے جا سکتے ہیں۔ پھر تم ہی بتاؤ، ہم ادھر سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔''

''ہاں..... کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ لیکن ہم باقی معاملات کے لیے کیا کریں گے میر..... میرا مطلب ہے کہ روزگار کے لیے۔ اگر اسی طرح سونا بیچتے رہے، بچت سے خریداری کرتے رہے تو بہت جلد ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ ہمیں روزگار کا کوئی مستقل حل سوچنا ہوگا۔''

''وہ میں نے سوچ لیا ہے۔'' وہ بناوٹی رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا.....؟''

''ہم یہاں پر ایک ریسٹورنٹ کھولیں گے۔'' میرزاد نے اپنا خیال پیش کیا تھا۔

صندل کے چہرے پر مسکراہٹ آ ڈھکی۔ اسے میرزاد کا خیال اچھا لگا تھا۔

www.pklibrary.com

''ٹھنڈیانی میں کافی سیاحت ہونے لگی ہے۔ یہاں پر ریسٹورنٹ کھولنے سے یقیناً ہمیں فائدہ ہوگا۔ بلکہ ہم تو اپنے گھر کے دو تین کمرے ہوٹل کے لیے بھی مختص کر سکتے ہیں۔ کیسا.....؟''

''بہت اچھا..... یہ کام بہت معروف بھی کر دے گا ہمیں۔''

''بالکل۔''

''لیکن ریسٹورنٹ پر تو روز نئے نئے لوگ آتے ہیں میر..... کسی نے ہمیں پہچان لیا تو.....'' صندل ایک دم سے ہی فکر مند ہوئی تھی۔

''ہم کسی کے سامنے نہیں جائیں گے۔ سارے کاموں کے لیے ورکر رکھ لیں گے۔''

''ورکر کو تو پیسے بھی دینا ہوں گے۔''

''یار! جب کمائی کریں گے تو تنخواہ بھی نکل آیا کرے گی۔''

''ہاں..... یہ تو ہے۔''

''اور ویسے بھی میرے گھر والے کراچی سے اتنی دُور سیاحت کرنے نہیں آئیں گے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ تمہارے گھر والوں کو بھی یہاں آنا مشکل ہے۔''

''ہمارے ہاں سیر و تفریح کو شادی کے بعد کا کام تصور کیا جاتا ہے۔''

''پھر تو کسی کا بھی اس طرف آنا مشکل ہے۔ کیونکہ شادی کے بعد زیادہ لوگوں کا رجحان مری جانے کی طرف ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ جو تمہیں بہتر لگے۔''

''اب پریشانی کو دُور کر کے کھانا کھا لو.....'' میرزاد نے پیار سے کہا تھا۔ لیکن صندل نے کھانا کھانے کے بجائے میرزاد کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

سردی پوری شدت سے آنے کو بے تاب تھی۔ پہاڑوں پر ایک برف باری ہونے کی دیر تھی اور حویلیاں شہر نے دھند سے ڈھک جاتا تھا۔ حویلیاں میں تو ویسے بھی دھند بہت زیادہ پڑا کرتی تھی۔ شام میں بھی جلدی شروع ہو جاتی تھی اور دن میں بہت دیر سے چھٹا کرتی تھی۔ لیکن اب کی بار والی سردیاں اپنے ساتھ کچھ اداسی لائی تھی۔ درختوں کے پتے کیا جھڑے تھے ایسے جیسے انسانوں سے سارے اثاثے ہی چھین لیے گئے تھے۔

چاند کچھ زیادہ ہی بہی داماں تھی۔ نجانے کیوں اسے اس بار والا موسم مارے دے رہا تھا۔ حویلی کی منڈیروں پر اسے گدھ بیٹھے نظر آنے لگے تھے۔ اور وہ گدھ ایسے تھے کہ جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ نہ تو پرواز بھرتے تھے اور نہ ہی سوتے تھے۔ ایسے جیسے کسی کے مرنے کے انتظار میں ہوں۔ حویلی میں کون مرنے والا تھا؟ یا کوئی مر چکا تھا لیکن بس چلتا پھرتا نظر آ رہا تھا۔ شاید تعبیر..... جو روتی ہوئی گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔

بڑے دروازے کے ساتھ کھڑی چاند نے اوپر آسمان کو دیکھا تھا۔ گدھ پرواز کرنے لگے تھے۔ لیکن چکر ہی چکر میں گھومتے وہ حویلی کے صحن میں ہی منڈلا رہے تھے۔ ایسا کیا نظر آ رہا تھا انہیں حویلی کے صحن میں.....

تعبیر کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جو صندل کی شادی پر اسے نہ رونے کا مشورہ دے رہی تھی کہ میک اپ خراب ہو جائے گا اب خود بری طرح سے رو رہی تھی۔

''مت رو میری بچی..... رخصت ہوتے وقت اتنا نہیں رویا کرتے.....''

زہرہ پھوپھو نے اسے دلاسا دیا تھا۔ لیکن اس دلاسے کے باوجود تعبیر کا رونا کم نہیں ہوا تھا۔ وہ ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔ اور جو ہوا تھا وہ محض ایک ہفتے کے اندر اندر ہو گیا تھا۔ شادی کا ارمان کس لڑکی کو نہیں

www.pklibrary.com

ہوتا..... اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اتنا دُور نہیں جانا چاہتی تھی۔ سنا تھا کہ وہاں کے راستے خراب ہو جائیں تو پھر مہینوں ٹھیک ہی نہیں ہوتے ہیں۔ سردیوں میں چھ چھ ماہ گھروں میں قید رہنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ جو بھی کہتی اس کا انکار کیا اہمیت رکھتا تھا۔ جب بستامی بابا اپنا حکم نامہ جاری کر چکے تھے تو..... اس نے اپنی ماں کو کہا تھا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی..... لیکن زہرہ پھوپھو بھی ایسی ہی ہو گئی تھیں جیسی افشیں کی شادی پر تہمینہ پھوپھو ہو چکی تھی۔ بظاہر چلتی پھرتی لیکن اندر سے مری ہوئیں۔

اس ساری صورتِ حال میں چاند خاموش تھی۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ تعبیر کی بھی اور زہرہ پھوپھو کی بھی..... اگر صندل گھر سے نہ جاتی تو تعبیر کو یہ قربانی نہ دینی پڑتی اور نہ ہی بستامی زہرہ پھوپھو سے بدتمیزی کرتا..... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا تھا۔ ستون کے ساتھ ٹیک لگائے چاند تعبیر کو رخصت ہوتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ سب کزنیں بھی اداس تھیں۔ حویلی کا ایک ایک فرد، ماسوائے بستامی اور رحمانی کے..... ان دونوں کو احساس نہیں تھا کہ وہ تعبیر کے ساتھ کیا ظلم کرنے جا رہے ہیں۔ اور تعبیر کے ساتھ اصل میں کیا ظلم ہونے جا رہا تھا اس کا اندازہ حویلی کی کسی خاتون کو نہیں تھا۔ وہ سب نہیں جانتی تھیں کہ تعبیر رخصت ہو کر نہیں جا رہی..... بلکہ بک کر جا رہی ہے اور اس کا خریدار کمال ہے۔

آسمان میں چکر کھاتے گدھ غائب ہو گئے تھے۔ شاید وہ اس کار کے پیچھے پرواز کرنے لگے تھے جس میں تعبیر بیٹھ کر اس حویلی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ چاند بڑے دروازے سے باہر نہیں گئی تھی۔ وہ وہاں ہی ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی رہی تھی۔ ایسے جیسے کسی سزا کی سنوائی کی منتظر ہو۔

پھر ایک ایک کر کے سب واپس اندر آنے لگے اور اپنے اپنے کمروں میں جانے لگے۔ کسی نے چاند کو مخاطب نہ کیا۔ بلکہ وہ سب تو شاید ایک دوسرے سے بھی نظریں چراتے ہوئے گزر رہے تھے۔ زہرہ پھوپھو سب سے اختتام پر آئی تھیں۔ وہ دُکھی ہونے سے زیادہ ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''میں آپ کے لیے دودھ گرم کر دوں پھوپھو.....'' چاند نے پوچھا تھا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتی زہرہ پھوپھو نے کچھ نا گوار نظروں سے چاند کی طرف دیکھا تھا۔

''آگے میرے کام تم کرنی ہو چاند.....'' انہوں نے رکھائی سے کہا تھا۔ جس سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ چاند سے ناراض ہیں۔

چاند تو ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے جو چاہیے ہو گا میں خود ہی لے لوں گی۔ تم میری فکر مت کرو۔'' انہوں نے کہا تھا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ چاند نے بے دلی سے اپنے کمرے کی سیڑھیاں طے کی تھیں۔

تعبیر کے رخصت ہونے کے اگلے دن ہی پہاڑوں پر پہلی برف باری ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے موسم کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پانی استعمال کرتے وقت ہاتھ پاؤں سن ہونے لگے تھے۔ کان کی لوئیں سرخ دکھنے لگی تھیں۔ ایک سوئیٹر جسم پر کم پڑنے لگا تھا۔ اس سال حویلی میں سردیوں کی کوئی تیاری نہ کی گئی تھی۔ نہ پنیاں بنائی گئی تھیں اور نہ بنجیری..... عجیب بے کیف سے دن تھے جو دل کو بے کل کر رہے تھے۔

آہستہ آہستہ سب بھولنے لگے تھے کہ چند دن پہلے اس گھر میں کیا واقعات ہوئے ہیں۔ صندل کے بعد تعبیر کی شادی نے سب کو جیسے صندل کو بھلا دینے میں مدد کی تھی۔ گھر والے تو جیسے بھولنے ہی لگے تھے کہ اس گھر میں کوئی صندل نام کی لڑکی بھی رہتی تھی۔ جیسے انہوں نے افشیں کو بھلا دیا تھا۔ اور جیسے بہت جلد تعبیر کو بھی بھلانے والے تھے۔ شاید دنیا کا یہ ہی دستور ہے۔ اوجھل ہو جانے والوں کو جلد بھلا دیا جاتا ہے۔

حویلی میں کوئی صندل کا نام نہیں لیتا تھا۔ صندل سے محبت الگ بات..... لیکن جو تعبیر کے ساتھ ہوا اس کے بعد حویلی کے مکین اندر ہی اندر صندل کے خلاف ہو چکے تھے۔ سوائے چاند کے..... جو اپنی ایک ایک سانس کے ساتھ

www.pklibrary.com

صندل کو یاد کیا کرتی تھی۔ اسے ہر دم صندل کی فکر رہا کرتی تھی۔ وہ کیا کر رہی ہوگی، کہاں ہوگی، کن حالات میں ہوگی۔ وہ ان دنوں بس یہ ہی سوچے جاتی تھی۔ اسے اس بات کی تو خوشی تھی کہ صندل میر زاد کے ساتھ تھی۔ ساتھ ہی اس بات کی فکر بھی تھی کہ کہیں وہ کسی مشکل حالات کا سامنا نہ کر رہی ہو۔ بہت پیار سے پرورش کی تھی اس نے صندل کی..... بہت لاڈ سے..... اس تک کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دی تھی۔ اسے سرد ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ اور اب وہ نجانے کیسی ہواؤں کا سامنا کر رہی تھی۔ کیسے گزر اوقات کر رہی تھی۔ اسے بس ایک بات کی تسلی تھی کہ میر زاد اس کے ساتھ تھا۔ جو اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ وہ یقیناً صندل تک کوئی مشکل پہنچنے سے پہلے خود اس کا سامنا کرنے والا تھا۔

حویلی میں اڈے کا کام بدستور جاری تھا۔ کاریگر آ رہے تھے۔ جا رہے تھے۔ کام ہو رہا تھا۔ چاند نے پھر سے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن اب کی بار انداز کچھ سست تھا۔ جیسے کوئی اور یہ کام کر رہا ہو۔ اور اصل چاند اپنے کمرے میں ہی کہیں دبک کر بیٹھی ہو اور صندل کو سوچ رہی ہو۔ اور یہ شاید اس کی فکر مندی ہی تھی جو خدا کو پسند آ گئی اور صندل کی خبر اس تک پہنچ گئی۔

اس دن بھی وہ کام والے کمرے میں موجود تھی۔ کاریگروں کو کام کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ جب حاجی بوا کمرے کے دروازے تک آئی تھیں اور اندر آنے کے بجائے انہوں نے وہاں کھڑے کھڑے ہی اوٹ میں ہو کر ہولے سے چاند کو پکارا تھا۔

"چاند..... بات سنو....." ان کی آواز تو شاید چاند تک پہنچی ہی نہیں تھی۔ اشارے کو سمجھتے ہوئے چاند اٹھی تھی اور ان تک آئی تھی۔

"کیا بات ہے حاجی بوا.....؟"

"کمرے میں چلو..... یہاں نہیں بتا سکتی۔" حاجی بوا تجسس پھیلا رہی تھیں۔

چاند نے ان کو دیکھا تھا اور پھر ان کی بات مانتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف گئی تھی۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد حاجی بوا نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ اور پھر اس پر بھی جیسے ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کھڑکیاں بند کرنا شروع کر دی تھیں۔

"ایسی کیا بات ہے حاجی بوا....."

"سنو گی تو خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی۔"

"پھر تو جلدی سے بتا دیجیے۔ ان دنوں میں بہت اُداس ہوں۔ کوئی خوشی کی خبر سننے کے لیے بہت بے چین ہوں۔"

"جانتی ہوں۔ اور تمہاری اُداسی کے سارے حل میرے پاس ہیں آج....." حاجی بوا نے کہا تھا اور پھر اپنے گریبان میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ باہر نکالا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"صندل کا خط.....؟" حاجی بوا نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا اور چاند کے چہرے پر شدید حیرت پھیل گئی تھی۔ لیکن یہ حیرت خوشگوار تھی۔

"کیا.....؟ صندل کا خط..... میری بیٹی کا خط....." چاند نے فوراً سے خط کو حاجی بوا کے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ اور پھر اونچی آواز میں پڑھنے لگی تھی۔

"پیاری چاند امی!

اُمید کرتی ہوں کہ خیریت سے ہوں گی۔ میں بھی خیریت سے ہوں اور آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ ہر وقت کرتی ہوں۔ دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ کا خیال نہ آتا ہو۔ میں زندگی میں پہلی بار آپ سے جدا ہوئی ہوں اور یہ جدائی بھی ایسی ہے کہ جس کے ختم ہونے کا کسی کو علم نہیں..... خدا سے دعا ہی کرتی رہتی

www.pklibrary.com

ہوں کہ یہ جدائی جلد ختم ہو جائے اور آپ مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیں۔

میری طرف سے فکر مند مت ہوئیے گا۔ میں بہت خوش ہوں۔ میرزاد میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ مجھے بالکل آپ کی طرح چاہتا ہے۔ میں اس کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ ہم لوگ حویلیاں سے بہت دُور رہ رہے ہیں۔ دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل..... اپنی ایک الگ تھلگ دنیا میں..... اور بہت خوش رہتے ہیں۔ ہم نے اپنے لیے ایک گھر کو سجایا ہے۔ سنوارا ہے۔ اور میں گھر داری سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ کی طرح کھانا بنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ سلیقہ اپنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جس میں یقیناً کافی وقت لگ جائے گا۔ میرزاد میرے خراب کاموں پر بھی میری حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے۔ بالکل آپ پر گیا ہے۔

میں آپ کو وقتاً فوقتاً خط لکھتی رہا کروں گی۔ نہیں اندازہ کہ یہ خط آپ تک پہنچتا ہے یا نہیں..... جو پہنچ گیا تو پھر اس بارے میں ارشادی بابا کو مطلع کر دیجیے گا۔ ایک اور بات..... ارشادی بابا نے میرا اور میرزاد کا نکاح کروا دیا تھا۔ جس میں میں نے آپ کی کمی کو بہت محسوس کیا۔ جلد دوبارہ خط لکھوں گی۔ اور آپ کو بتاؤں گی کہ آپ نے مجھے اپنی خیریت کے بارے میں کیسے آگاہ کرنا ہے۔

صندل

چاند نے خط کو سینے سے ایسے لگا لیا تھا جیسے صندل کو اپنی آغوش میں بھر لیا ہو۔

''یہ خط کون لایا تھا۔؟'' اس نے جیسے بڑے لمحے بیت جانے کے بعد پوچھا تھا۔

''مجھے ارشادی نے دیا ہے۔ میں وہاں سے گزر رہی تھی تو اس نے مجھے اپنی دکان میں بلا لیا اور یہ خط تھما دیا۔''

''بہت اچھے ہیں ارشادی.....''

''سچ میں..... یاد آیا..... اس نے تمہیں ملنے کے لیے بلایا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ کچھ ضروری بات کرنا ہے۔''

''ضروری بات.....؟ کیا.....؟''

''مجھے کچھ نہیں بتایا اس نے..... اشارہ بھی نہیں دیا۔ کہہ رہا تھا کہ بہت اہم بات ہے۔ صرف چاند کو ہی بتاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جاتی ہوں ان سے ملنے..... ان کا شکریہ بھی تو ادا کرنا ہے۔ انہوں نے میرے حصے کا اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ صندل اور میرزاد کا نکاح کروایا ہے۔''

☆☆☆

سن ۲۰۰۰ء

پہاڑوں پر برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے اسلام آباد کا موسم بھی کافی سرد ہو چکا تھا۔ دن میں دھوپ بے نور نظر آتی تھی اور راتیں روز بروز سرد ہو رہی تھی۔ باریشہ نے اپنی گرد لپٹی چادر کو کھول کر خود پر مزید اچھے سے لیا تھا۔ اسے ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔ پہلے وہ ننگے پاؤں نرم گھاس پر چہل قدمی کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیکن پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے جوتے پہن لیے تھے۔ ٹھنڈی گھاس پر چہل قدمی کرنے سے وہ بیمار ہو سکتی تھی۔ اور وہ اس اجنبی گھر میں بیمار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ یہ لوگ پہلے ہی اس کی بہت اچھے سے مہمان نوازی کر رہے تھے۔ بیمار ہو کر تو ان کا بوجھ بڑھانے والا حساب تھا۔

گیٹ سے باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو باریشہ کی نظریں بے اختیار ہی گیٹ کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا اور دو بڑی سی گاڑیاں اندر داخل ہوئی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ شاید بستا می بابا گھر واپس آ چکے ہیں۔ لیکن جب ڈرائیور نے فرنٹ سیٹ سے اتر کر پیچھے کا دروازہ کھولا تو اندر سے نکلنے والے چہرے یکسر اجنبی تھے۔ دو گاڑیوں میں سے چھ لڑکیاں باہر نکلی تھیں۔ باریشہ نے ان کو دیکھا تھا اور وہ جیسے ان کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ وہ لڑکیاں تھیں یا پریاں..... ایسے لگتا تھا کہ جنت کی حوریں یہاں آ گئی ہوں۔ سب نے مغربی لباس پہنے ہوئے

www.pklibrary.com

تھے۔اور ہاتھوں میں اس طرح کے بیگ تھے جیسے وہ کسی دوسرے شہر قیام کر کے آرہی ہوں۔

ان سب کے بالوں کی کٹنگ جدید تھی اور ان پر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ تنگ لباس جسموں کے ساتھ ایسے جڑے ہوئے تھے جیسے وہ انہی لباسوں کے لیے بنائی گئی ہوں۔ میک اپ نفاست سے کیا گیا تھا۔اور وہ سب اتنی خوب صورت لگ رہی تھیں کہ باریشہ کی ان پر سے نظریں ہی نہیں ہٹ رہی تھیں۔ کچھ لڑکیاں تو بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اندر چلی گئی تھیں۔ جبکہ کچھ نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پہلے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارے کیے تھے۔ پھر دو لڑکیاں چلتے ہوئے اس کے پاس آئی تھیں۔

''کون ہو تم..... نئی آئی ہو کیا.....؟'' ایک نے پوچھا تھا۔ جو باریشہ کو انڈین ہیروئن ایشوریہ کی طرح لگی تھی۔اس نے پچھلے ہی دنوں کوئل اور ایمن مامی کے ساتھ اس ہیروئن کی فلم ''تال'' دیکھی تھی۔ جس میں اسے وہ ہیروئن بہت زیادہ اچھی لگی تھی۔ خاص کر تب جب وہ رقص کرتی تھی۔

''میں باریشہ ہوں۔ بستامی بابا کی رشتے دار.....؟''

''کہاں سے ہو۔''

''حویلیاں سے.....''

''یہ کہاں ہے۔؟''

''ایبٹ آباد سے پہلے آتا ہے۔''

''اوہ..... اچھا..... تب ہی تم میں تمہارے علاقے کا اثر بہت زیادہ جھلک رہا ہے۔'' دوسری والی نے پہلی بار کچھ کہا تھا۔ جسے باریشہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔

''مطلب.....؟''

''میں نے تمہیں دُور سے دیکھ کر ہی کہہ دیا تھا کہ تم کسی چھوٹے شہر کی لگتی ہو۔ دیکھو..... ایسا ہی نکلا..... خیر یہاں رہنا ہے تو بہت محنت کرنا ہوگی۔ میں خود گجرات سے ہوں۔ بڑے شہر میں گھلنے ملنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑی ہے مجھے.....''

''کیسی محنت..... میں سمجھی نہیں.....'' باریشہ نے ناسمجھی سے کہا تھا۔

''پروڈکشن والے لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں لہجے میں علاقائی تاثر آرہا ہے۔ دیکھو تم بھی اردو بول رہی ہو تو وہ کچھ انوکھی لگ رہی ہے۔ حویلیاں سے ہو نا..... اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ بہت محنت کرنا ہوگی تمہیں آگے بڑھنے کے لیے.....''

''میں تمہاری بات سمجھ ہی نہیں پا رہی ہوں۔ کیسی پروڈکشن.....؟'' وہ کچھ بھی تو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیزی سے دیکھا تھا۔

''تمہیں میڈم کومل سب سمجھا بتا دیں گی۔ خیر..... میرا نام شیزا ہے۔ اور یہ سائرہ ہے۔ پھر ملاقات ہوتی ہے۔''

لڑکیاں کہہ کر اندر چلی گئی تھیں۔ باریشہ انہیں جاتا ہوا دیکھنے لگی تھی۔ ان کی باتیں اس قدر عجیب تھیں کہ نجانے کیوں باریشہ کو بے چینی محسوس ہونے لگی تھی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا سانول باریشہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ماں نے اس کو یہ ذمہ داری دی تھی کہ وہ باریشہ پر نظر رکھے۔ وہ گھر سے بھاگ نہ جائے۔ سانول یہ ذمہ داری بخوبی نبھا رہا تھا۔

''اس کے چہرے پر پریشانی بھی بھلی لگتی ہے۔'' باریشہ کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

عنبرین اعجاز

نقشِ قدم

''عبدالکریم ڈیری شاپ'' اور ''کاشانہ فرحان'' میں کل پانچ سے سات منٹ کا فاصلہ تھا لیکن فرحان صاحب اور ننھے زین کو گئے کافی وقت بیت گیا تھا اور جمند بیگم نے پہلو بدل کر وال کلاک کی سمت نظر اٹھائے دیکھا تو پورے پینتالیس منٹ گزر چکے تھے، خاصا وقت ہو گیا تھا لیکن دونوں باپ بیٹا تا حال نہ لوٹے تھے۔ منٹن پلاؤ، قورمہ تیار تھے جبکہ زردے کو دم پر لگا رکھا تھا۔

بہو، فریحہ بانو کچن میں سنک کے سامنے کھڑی گنے چنے برتن دھو رہی تھیں اور دل ہی دل میں اپنی بڑی بیٹی ہانیہ کو خوب سنا رہی تھیں کہ ''مجال ہے جو گھر کے کسی کام میں ذرا سا ہی ہاتھ بٹا دے، بالکل اپنی پھپھی پر گئی ہے۔ ضدی، ہٹ دھرم، کام چور! شاباش بیٹا! خوب چل اپنی پھپھو جانی کے نقشِ قدم پر، سسرال جائے گی ناں تو لگ پتا جائے گا جب ساس کا ڈنڈا بجے گا سر پر۔'' فریحہ بانو پھولی ہوئی سانس لیے زور زور سے ساس پین مانجھ رہی تھیں۔

''فریحہ بانو! پتا تو کرو یہ دونوں باپ بیٹا کہاں رہ گئے۔ دہی لینے بھیجا تھا، دہی جمانے تو نہیں بیٹھ گئے؟''

ارجمند بیگم نے با آواز بلند فکر مندی سے پکارا تو فریحہ بھی چونکیں۔ برابر میں چولہے پر دھری دیگچی کا ڈھکن اٹھایا تو چاولوں کی دبی دبی سسکیاں سنائی دیں جھٹ سے آگ بند کی اور دیگچی چولہے سے اتاری، شکر ہے کہ بچت ہو گئی تھی ورنہ آج بار بی کیوں زردہ کھانے کو ملتا۔

''جی خالہ اماں! ابھی فون لگاتی ہوں۔'' فریحہ بانو نے کچن کی کھڑکی میں دھری نوکری میں سے اپنا موبائل نکالا اور فرحان صاحب کا نمبر ملانے لگیں۔

''ارے کہاں میری زبان سے پھسل گیا کہ بچپن میں بغیر دہی کے زردہ میرے حلق سے نیچے نہ اترتا تھا۔ پھر شادی کے بعد تو اپنا آپ ہی بھلا بیٹھے۔ جو بھی کھایا پہنا میاں اور بچوں کی پسند سے۔ اب ایسی بھی کیا فرماں برداری کہ یہاں منہ سے بات نکلی اور وہاں پیر میں جوتی پھنسائے۔ دہلیز پھلانگتا چل دوزا، ماں بھلے پیچھے بیٹھی فکروں میں گھل جائے۔'' ارجمند بیگم کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ''بالکل اپنے تایا ابا کے نقشِ قدم پر چلتا ہے میرا فرحان! وہ بھی تمہاری دوھیا ساس (دادی ساس) کے ایسے ہی سعادت مند تھے۔ یہاں بی اماں نے زبان سے چٹخارے کی آواز نکالی، وہاں تمہارے تایا سرکس کی بلی کی سی سرعت سے اٹھ کھڑے ہوتے، ایک پیر میں جوتی اڑستے ہوئے، دوسرے پاؤں میں چپل گھسیٹتے چوکھٹ تک جا پہنچتے اور پھر چھلاوے کی مانند یہ جا وہ جا، بی اماں پیچھے سے منتیں تڑلے کرتیں، واسطے دہائیاں دیتی رہ جاتیں لیکن کیا آندھی، طوفان، بارش، بس ماں کا حکم سر آنکھوں پر لیے نکل کھڑے ہوتے۔ دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے۔'' ارجمند بیگم نے ''پس منظر'' پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

☆☆☆

فرحان میاں کا حال بھی کچھ کم نہ تھا۔ ابھی

www.pklibrary.com

گزشتہ ہفتے ٹیلر کی دکان پر اماں کا سوٹ لینے بھیجا۔ ٹیلر نے مقررہ تاریخ اور طے شدہ وقت کے مطابق کپڑے نہ تیار کیے تھے۔ فرحان میاں اڑ گئے اور وہیں دھرنا مار کے بیٹھ گئے۔ اپنے سامنے فی الفور ڈھاکا پائجامہ کٹوایا، سلوایا اور پورا سوٹ استری کروا کے بیس منٹ کے بجائے پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد گھر واپس آئے۔

فرحان میاں کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ ان کا موبائل عموماً سائلنٹ موڈ پر ہی رہ جاتا تھا۔ وہ ٹھہرے بفضل خدا پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کے عادی، مسجد میں داخل ہونے سے پہلے موبائل کو سائلنٹ کرنا ہر گز نہ بھولتے لیکن مسجد سے نکلتے وقت موبائل کو دوبارہ نارمل موڈ پر ڈالنا بھول جاتے۔ پریشانی تو افراد خانہ کو ہی ہوتی تھی جب ان سے رابطہ ممکن نہ ہو پاتا تھا۔

ارجمند بیگم بتاتی تھیں کہ فرحان میاں نے یہ عادت اپنے چھوٹے چچا سے لی تھی۔ وہ خاندان بھر میں پرلے درجے کے بھلکڑ مشہور تھے۔ البتہ جب ان کی شادی ہوئی تو از حد محتاط ہو گئے کسی بھی تقریب یا تفریحی مقام کی سیر کو جاتے تو بیگم کا ہاتھ ہمہ وقت تھامے رہتے۔ ان کی بیگم نے بھی انہیں بازو سے تھاما ہوتا جیسے انگریز اپنی بیگمات کے ساتھ کسی پارٹی میں شرکت کے دوران ہوتے ہیں کہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ لیکن چچا میاں کو یہ ڈر تھا کہ کہیں کھو نہ جائے۔ سارے خاندان والے چچی کو "پرس" کہا کرتے تھے۔ چچا میاں کا پرس! جو انہوں نے اپنی کہنی میں لٹکایا ہوتا۔ جیسے آج کل رواج ہے ناں۔

☆☆☆

ارجمند بیگم تو اب بھوک سے بے حال ہونے لگی تھیں۔ فریحہ بانو نے ابھی نمبر ملایا ہی تھا قریب سے ہی فائر بریگیڈ کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ فریحہ بانو نے گھبرا کے کان سے موبائل ہٹایا اور دل پر ہاتھ رکھے بیرونی دروازے کی جانب دوڑیں۔ باہر گلی میں جھانک کے دیکھا تو ہر طرف حالات نارمل دکھائی دیے۔

"نہ جانے کہاں آگ لگی تھی۔ خدا ہر طرف خیریت رکھے۔" (آمین)

"خالہ اماں! باہر پڑوس میں تو سب خیریت ہے لیکن فرحان کو فون نہیں لگ رہا۔ بیل جا رہی ہے مگر وہ اٹھا نہیں رہے۔" فریحہ بانو نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"افوہ! نہ جانے یہ مرد لوگ فون کیوں نہیں اٹھاتے اور اک ذرا ذرا سی بات پر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ بہر حال یہ لو میرے فون سے نمبر ملاؤ، ماں کا نمبر تو ضرور اٹھائے گا میرا راجا بیٹا۔"

ارجمند بانو نے اپنا ننھا منا سا بٹنوں والا موبائل

www.pklibrary.com

آگے بڑھاتے ہوئے فخریہ پیشکش کی تو فریحہ بانو نے بھی بھنویں اچکاتے ہوئے ناک سکوڑے خالہ امان کا موبائل تھام لیا۔ ''راجا بیٹا'' کا نمبر ابھی ملایا ہی تھا کہ قرب وجوار سے اچانک ایمبولینس کی آواز یعنی سائرن سنائی دینے لگا جو رفتہ رفتہ قوت سماعت اور دل کو چیرے جا رہا تھا۔

''خدایا رحم!'' فریحہ بانو کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا جبکہ ارجمند بیگم کا تو سانس ہی بند ہونے کو تھا۔ ٹھنڈے پسینے آ گئے۔

فریحہ بانو ایک بار پھر باہر کو لپکیں۔ پاؤں کو اڑیاں اوپر اٹھا اٹھا کے گیٹ سے باہر جھانکا۔ دائیں بائیں ہر طرف سکون تھا۔ سائرن تھا کہ بجتا ہی جا رہا تھا۔ تب ہی وہ واپس اندر آ گئیں جہاں بڑی بی ہانیہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتر رہی تھی۔ وہ اوپر چھٹی والے کمرے میں چارپائی ڈالے اپنے فائنل ایگزامز کی تیاری میں مصروف تھی۔

''مما! کیا ہو گیا ہے آپ سب کو؟ کیوں بار بار پاپا کو فون کر رہے ہیں؟'' ہانیہ نے جھنجلا کے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' فریحہ بانو اور ارجمند بیگم نے بیک وقت حیرت کا اظہار کیا۔

''پاپا آج صبح پودوں کو پانی دے رہے تھے چھت پر۔ گملوں میں پانی ڈالتے ہوئے ان کا موبائل بار بار ان کی جیب سے گرنے کو کرتا تھا تو انہوں نے میرے پاس چارپائی پر رکھ دیا کہ نیچے جاتے ہوئے لے جائیں گے لیکن وہ بھول گئے، آپ دونوں بار بار کال کر رہی ہیں اور میں بہت ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔''

ہانیہ نے تفصیل سے آگاہ کیا۔ تو گویا موبائل سائلنٹ پر نہیں بلکہ پاس ہی نہ تھا۔

''اف! سارا خاندان ہی بھلکڑوں کا ہے۔ میرے بچوں کو بھی ساری بری عادتیں اپنے ددھیال سے وراثت میں ملی ہیں۔ فرحان سچ مچ اپنے چچا کے نقش قدم پر ہی چل رہے ہیں۔'' فریحہ بانو نے سر تھام لیا اور دل ہی دل میں بھڑاس نکالی۔

ابھی گفتگو کا سیشن جاری تھا کہ فرحان میاں اور چھوٹو زین پورچ میں داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی سب نے سکھ کا سانس لیا۔ ارجمند بیگم نے تو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دو رکعت شکرانہ اور فرحان میاں کی من پسند کھوئے والی کھیر غرباء میں بانٹنے کی منت بھی مانگ لی تھی۔ ماں جو ٹھہریں۔ جیب تھی فرحان میاں کی اور ''مشقت'' فریحہ بانو کے حصے میں ہی آنی تھی۔

☆☆☆

دہی کی تھیلی فریحہ بانو کو تھمانے کے بعد فرحان میاں جو پسینے میں تربتر تھے۔ اپنی ماں کے پاس ہی موڑھے پہ بیٹھ گئے۔ ہانیہ نے جلدی سے اپنے پاپا کو ٹھنڈے پانی کا گلاس تھمایا اور میلے چیکٹ، گرد وغبار سے اٹے کپڑوں میں ملبوس زین کا ہاتھ تھامے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ فرحان میاں کے چہرے سے ہی شدید ذہنی کوفت اور اذیت کے آثار ہویدا تھے جبکہ زین باوجود اپنے میلے کچیلے حلیے کے ہشاش بشاش دکھائی دیتا تھا۔ اور جب ہانیہ اسے زبردستی گھسیٹتے ہوئے باتھ روم لے جا رہی تھی تب بھی مستی میں الٹے سیدھے ہاتھ پیر مارتا بھونڈا ڈانس کر رہا تھا۔

''اتنی دیر کیوں لگا دی راجا بیٹا، ہم تو ڈر گئے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دہی ختم ہو گیا ہو اور میرا راجا بیٹا وہیں بیٹھ گیا ہو کہ ابھی دودھ کو جاگ لگاؤ، اب دہی جمے گا تب ہی یہاں سے اٹھوں گا، کیوں؟''

ارجمند بیگم خوشی سے نہال، بیٹے سے شگفتہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

کچن میں فریحہ بانو دہی پیالے میں نکالتے ہوئے شکر گزار تھیں کہ ''فرزند ارجمند'' بہ خیر وعافیت گھر واپس آ گئے تھے۔ فریحہ بانو اکثر وبیشتر تنہائی کے لمحات میں فرحان میاں کو شوخی وشرارت سے ''فرزند ارجمند'' کہہ کے مخاطب کرتی تھیں۔

''کیا بتاؤں اماں! آج تو اس زین نے مجھے خوب ذلیل وخوار کیا۔ ابھی ہم ڈیری شاپ سے چار

www.pklibrary.com

قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ اس کی نظر اونٹ کے والے پر جا پڑی۔ اونٹ کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ زین میاں اصرار کرنے لگے کہ مجھے ''بے بی کیمل'' یعنی اونٹ کے بچے کی سواری کرنی ہے۔ میں نے بڑا ٹالنے کی کوشش کی بڑا سمجھایا بجھایا۔ لیکن اس کے رونے کی رفتار میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آج تو یہ لڑکا گلا پھاڑ پھاڑ کے اتنا بے سرا رویا ہے کہ قرب وجوار سے سارے لوگ دوڑے چلے آئے، دکاندار اور سیلز مین دکانوں سے باہر آ گئے۔ جب ضد سے باز نہ آیا تو میں اسے بظاہر نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا لیکن جناب والا زمین پر یعنی سڑک پر پیٹھ کے بل دھڑام سے گر گئے اور آسمان کی جانب منہ کیے ہاتھ پیر مارتے چیخنے چلانے لگے۔ توبہ! توبہ! آج تو اس کی فلک شگاف چیخوں سے عرش بالا پہ موجود فرشتوں نے بھی اپنے کانوں کو پروں سے ڈھانپ لیا ہوگا۔ ساری خلقت جمع اور بھرے ہجوم میں مارے شرمندگی اور ندامت کے میری اپنی حالت غیر پھر موصوف سڑک کے عین بیچوں بیچ بل کھانے لگے، کیچڑ مٹی میں لت پت حلیہ ہوگیا۔ بالآخر میں نے ہی اس کی ہٹ دھرمی کے آگے ہتھیار ڈالے اور اونٹ والے سے بات کی۔ وہ بدنیت انسان ایک گھنٹہ سواری کے ایک ہزار اور آدھا گھنٹہ سواری کے پانچ سو طلب کرنے لگا۔ میں نے کہا میں تو دس لینے نکلا تھا۔ ڈیڑھ سو روپے کا دس لوں گا باقی پیچھے دو سو روپے بچیں گے تو کہنے لگا ٹھیک ہے صاحب! پھر بچے کو اونٹ پہ بٹھا کے دس پندرہ منٹ کے اندر اندر سیلفی بنا لو۔ اب میرے پاس موبائل نہیں تھا۔ گھر ہی بھول گیا تھا لیکن اردگرد کافی لوگوں اور دکانداروں نے اس کی سیلفیاں بنائی ہیں۔ کسی نے اس کی سر پر کیپ پہنا دی، کسی نے عینک پہنا دی۔ کسی نے کپڑے کی چھوٹی سی پگڑی بنا کے زین کے سر پر ٹکا دی۔ بہت سارے پوز بدل بدل کے ماڈلنگ کی ہے آپ کے پوتے نے۔''

فرحان میاں کا گلا پھر سے خشک ہونے لگا۔ وہ خود ہی اٹھ کے فریج تک گئے اور ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالنے لگے۔ ارجمند بیگم کو اونٹ والے پر غصہ آ رہا تھا کہ کیسا موقع پرست انسان تھا ان کے تین سالہ پوتے کی خوشی کی اتنی بڑی قیمت!

''اماں! یہ تو بتائیں کہ زین کا، یوں ضد کرنا، چیخنا چلانا، گلا پھاڑ پھاڑ کے پوری قوت سے چلا چلا کے رونا، زمین پر گر کے لوٹ پوٹ ہونا، ٹانگیں بازو مارنا، سر پٹخنا۔ یہ عادت کس پر گئی ہے؟ ہمارے خاندان میں آخر کون ایسا کرتا تھا؟''

فرحان میاں نے پانی کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا تو اماں یعنی ارجمند بیگم ہونٹوں میں ہنسی دبائے سر جھکائے رہ گئیں لیکن ہنسی بمشکل ضبط کرنے کی کوشش میں ان کے کندھے ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ اب وہ کیا بتاتیں کہ زین نے یہ عادت اپنی ماں یعنی فریحہ بانو سے لی ہے۔ زین ہو بہو اپنی ماں کے ہی نقش قدم پر چل رہا ہے۔

ارجمند بیگم جو فریحہ بانو کی خالہ بھی ہیں، بخوبی جانتی تھیں کہ جب فریحہ بانو بچپن میں کسی بات پر ضد کرتیں تو ان کے بھی اپنے ضد منوانے کے یہی ناز و انداز ہوتے تھے یعنی جان جائے پر آن نہ جائے۔

اندر کچن میں موجود فریحہ بانو، جن کے کان باہر ہی لگے تھے نے جب ہواؤں کا رخ بدلتے دیکھا تو فی الفور کچن سے باہر نکلیں اور میاں جی کے سر پر جا کھڑی ہوئیں۔

''پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ نے میرے نمبر پر فائر بریگیڈ اور خالہ اماں کے نمبر پر ایمبولینس کے سائرن والی رنگ ٹون کیوں لگا رکھی ہے؟''

فریحہ بانو نے کمر پر ہاتھ دھرے، خوں خوار نظروں سے فرحان میاں کو گھورتے ہوئے سوال پوچھا۔

فرحان میاں جو اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہ تھے، ان کے منہ سے پانی کا فوارہ چھوٹ نکلا اور ساتھ ہی کھانسی کا شدید حملہ ہوگیا۔

☆☆

www.pklibrary.com

اُمِّ اقصیٰ

شبِ غم کی سحر

اس نے سنا تھا۔

''محبت اور موت پورا انسان طلب کرتی ہے۔''

اور اس پر بیت رہی تھی..... کبھی کی سنی بات دل میں ٹھہر گئی تھی اور اب مجسم اس کے سامنے تھی۔

محبت ہاتھ بڑھائے ہوئے تھی اور موت اس کے پیچھے سے مسکراتی تھی..... وہ محبت کو جھٹکنا نہیں چاہتی تھی اور موت کو اپنانا..... مگر دونوں حقیقت تھیں اور دونوں ہی برحق۔

☆☆☆

گاڑی جونہی جوہر ٹاؤن کی طرف مڑی، اس چار سالہ بچی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ماما! ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں ناں.....''

pklibrary.com

www.pklibrary.com

اس نے بے چارگی سے سر ہلایا۔

"آپ نے جھوٹ بولا؟" آپ نے کہا بابا کے پاس جارہے ہیں۔"

ہاسپٹل سے چیک اپ کروا کر بابا کے پاس جائیں گے بیٹا۔"

صرف چیک اپ نیڈل تو نہیں لگے گی۔" رسیل نے لاشعوری طور سے داہنے ہاتھ میں بائیں مٹھی دبائی۔

"آپ تو بہت بہادر ہو آپ کوئی نیڈل لگنے سے ڈرتی ہو۔" انہوں نے بچی سے زیادہ خود کو بہلایا۔

"اتنی بھی بہادر نہیں ہوں کہ آپ مجھے جلدی

pklibrary.com

www.pklibrary.com

جلدی نیڈل لگوائیں۔" رسیل کی آواز میں ناراضی تھی۔

"کچھ دنوں کی بات ہے پھر آپ بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی۔"

"ڈاکٹرز تو کہہ رہے تھے اس کا کوئی Cure (علاج) ہی نہیں ہے۔" اس کے ننھے ذہن نے ڈاکٹر کی بات یاد رکھی ہوئی تھی۔

"اللہ تعالیٰ کے پاس ہر بیماری کی شفا ہے رسیل بیٹے۔"

"لیکن تھیلیسیمیا کی نہیں۔" اس ننھی سی آواز میں مایوسی تھی۔

"وہ تو انسان ڈھونڈ نہیں سکے ناں بیٹے۔"

گاڑی "فاطمید فاؤنڈیشن" کے سامنے پارکنگ میں رکی۔

"آپ ڈاکٹر سے کہیے گا مجھے جتنی مرضی کڑوی میڈیسن دے دیں لیکن بار بار نیڈل نہ لگایا کریں پین (تکلیف) بھی ہوتی ہے بور بھی ہوتی ہوں اور تھک بھی جاتی ہوں۔" سیڑھیاں چڑھتے رسیل ہر بار کی طرح ماما کو یاد دہانی کروا رہی تھی۔"

☆☆☆

"آدھی سے زیادہ چھٹیاں گزر گئی ہیں مما۔ آخر پھپھو کب آئیں گی۔ بارہ سالہ کبیر کا انتظار تھک چکا تھا۔"

"بس بیٹے کچھ دن تک آجائیں گی۔"

"آپ یہی کہتی ہیں ہر روز۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔"

"پھپھو کا نہیں مما، پھپھو کی بیٹی کا۔"

"اچھا!!!..... آئیں پھپھو بتاتی ہوں ان کو۔"

پھپھو کا بھی ہے۔ ایک ہی تو کزن ہیں میری عنایت۔ بہت سارے پلانز کرتے ہیں اس کے ساتھ گھومتے پھرنے کے، بہت سا تنگ کرتا ہے اسے..... بہت سے میچز کھیلنے ہیں اس کے ساتھ۔" کبیر بڑے جوش سے بتا رہا تھا۔

"کل شام کو آرہی ہیں آپ کی پھپھو، رینالہ خورد سے۔"

"ارے واؤ..... آپ نے کوئی تیاری تو کی ہی نہیں نا!"

تیاری کیا کرتی بیٹا۔ وہ غیر تھوڑی ہیں، نہ ہم ان کے لیے غیر ہیں۔ اپنے گھر آرہی ہیں وہ، باقی کھانے وغیرہ کی کل صبح تیاری کریں گے۔" نگہت نے کپڑے ہینگ کر کے الماری میں رکھے۔

"کل تو خوب رونق لگنے والی ہے۔" کبیر کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

نگہت اپنے بیٹے کی بات پہ کھلکھلا دیں۔ "سیما اور عنایت دو لوگ آرہے ہیں۔ آپ کی خوشی ایسے ہے جیسے گھر بھرنے والا ہو۔"

ہمارے نوکل رشتہ دار ہیں ہی اتنے تو کیا کریں مما..... بابا اور پھپھو تو پھر بھی دو بہن بھائی ہیں۔ آپ بھی اکلوتی۔ میں بھی۔ عنایت بھی..... ہماری فیملیز میں کتنے کم لوگ ہیں ناں۔"

"بس بیٹے اللہ کی مرضی..... آپ بھی اپنا روم سیٹ کرلو..... پھپھو اور عنایت پر اچھا امپریشن پڑے گا۔"

"ہاں، اور میں لسٹ بھی بنالوں عنایت کے آنے پہ کیا کیا کرنا ہے۔ کبیر اچھلتا ہوا کمرے میں گیا۔

☆☆☆

رسیل بیٹا! کھلونے سمیٹ لیں، ٹیوٹر آنے والے ہیں۔" ماما نے چائے بناتے کچن سے آواز لگائی۔

"آج میں ٹیوٹر سے نہیں پڑھوں گی۔" رسیل نروٹھے پن سے بولی۔

"کیوں بیٹے؟" ماما کچن کے دروازے پر آکر بولیں۔

"کیوں کہ میں نے اسکول جاکر پڑھنا ہے..... اسکول نہیں بھیجیں گی تو ٹیوٹر سے بھی نہیں پڑھوں گی۔"

"ٹیوٹرز زیادہ اچھے سے پڑھاتے ہیں۔" ماما نے

www.pklibrary.com

بہلایا۔

"لیکن ایکٹیویٹیز تو نہیں کرواتے ناں..... اسکول میں کلاس فیلوز ہوتے فرینڈز ہوتے، میم ہوتی ہیں۔ انہوں نے پیارا سا ڈریس ویئر (پہنا) کیا ہوتا..... میک اپ کیا ہوتا..... سر تو فوم لگا کے آجاتے ہیں۔" رسیل بسوری۔

"اچھا..... اگلے ماں سے ٹیوٹر میم ڈھونڈ دوں گی جو میک اپ کر کے آیا کرے گی۔" ماما مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں مجھے اسکول ہی جانا ہے..... یہ سامنے گھر والی بیا مجھ سے چھوٹی ہے اور روز اسکول جاتی ہے۔"

"آپ جب مکمل ٹھیک ہو جائیں گی تو میں بھیجا کروں گا ناں اسکول۔"

"آپ ہمیشہ کہتی ہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ نارمل ہوں..... بہادر ہوں....." رسیل نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"اس بار جب چیک اپ کے لیے جائیں گے تو میں ڈاکٹر سے پوچھوں گی۔"

"ڈاکٹر کچھ بھی نہیں کہتے..... پچھلی بار ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا تھا، آپ اسکول جاتی ہیں..... میں نے کہا۔ نہیں۔ اتنی مجھے شرمندگی ہوئی۔"

ماما نے بے اختیار امد آنے والی مسکراہٹ کو روکا اور بولیں۔ "آپ نے بتانا تھا ناں کہ میں پڑھتی ہوں۔" "اوکے، میں آپ کے بابا سے بات کرتی ہوں۔"

"آپ میرے سارے کام خود کرتی ہیں اور جب بات نہ ماننی ہو تو کہتی ہیں میں آپ کے بابا سے پوچھتی ہوں۔" رسیل اتنی بھی بچی نہیں تھی۔

"اوکے بیٹا! کل جائیں گے بیا کے اسکول، آپ کے ایڈمیشن کی بات کرنے۔" رسیل پر جوش ہوئی۔

"پرامس.....!"

پکا پرامس..... لیکن آج ٹیوٹر سے پڑھ لیں۔ میں کال کر کے پوچھتی ہوں کیوں نہیں آئے۔

ماما اٹھتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

"میں کہہ تو رہا ہوں ویڈیو گیم کھیل لیتے ہیں۔ اب لڈو میں پارٹنرز کہاں سے لائیں اور بغیر پارٹنرز کے مزا نہیں آتا....." کبیر عنایت کے سامنے ریموٹ پھیلائے کہہ رہا تھا۔

"ویڈیو گیمز میں مزا نہیں آتا مجھے، میری تو جان پہ ہی بنی رہتی ہے۔"

"اتنا ڈرتی ہو ہار سے۔"

"ہار سے نہیں، ہار کے خوف سے۔"

"پاگل ہو..... ایک تو ہماری ماؤں کی باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں ورنہ ان کو پارٹنرز بنا لیتے۔"

کبیر کی بات پہ عنایت نے مڑ کر دیکھا۔ ماما اور ممانی لوبیے کی پھلیاں چھیلتے باتیں بھی کر رہی تھیں۔

"تمہارے پڑوس میں کوئی بچے نہیں ہیں کیا؟"

"ہیں..... لیکن ان کی مائیں دوپہر میں انہیں نکلنے دیں گی بولا۔"

"پھر..... ڈرائنگ کریں!" عنایت نے آپشن دیا۔

"ہم پلے گروپ کے بچے ہیں کیا؟" کبیر نے برا سا منہ بنایا۔

"پتا ہے عنایت، جب میں بڑا ہو کر شادی کروں گا ناں تو میرے ڈھیر سارے بچے ہوں گے، دس گیارہ تو ضرور ہی۔"

"تم ایسی باتیں سوچتے ہو؟" عنایت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بہت..... کیوں؟"

"الجھی سے۔ کتنی گندی بات ہے۔"

"اس میں گندی کیا بات ہے؟ تمہارا دل نہیں چاہتا زیادہ بچے ہوں، ہم بہت سارے کزنز ہوتے..... کتنا مزا آتا۔"

"ہاں واقعی....."

"کچن میں چلیں، کولڈ کافی بنا کے پیتے ہیں۔"

www.pklibrary.com

کبیر نے آفر کی۔

"ماما سے چھپ کے......" عنایت نے نوعیت جاننا چاہی۔

"نہیں۔ بتادیتے ہیں بلکہ ان کے لیے بھی بناتے ہیں۔" کبیر اٹھتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

بچو! یہ آپ کی نئی کلاس فیلو ہے ریسل حسین۔ آپ نے اسے بالکل تنگ نہیں کرنا۔"

"میم! میں اس کی چیئر سائیڈ پہ لگادوں......"

میم نے بگ میم سے پوچھا۔ ماما بگ میم اور میم درمیان کھڑی تھیں۔

میم کی بات پر بگ میم نے ماما کو دیکھا اور ماما نے ریسل کے تاثرات جانچے۔

"نہیں، آپ اسے بچوں کے ساتھ ہی بٹھادیں......" ماما کے کہنے پہ میم نے دوسری رو کے ٹیبل کے ساتھ ایک اور چیئر لگوائی۔"

ماما اسے خدا حافظ اور بیسٹ آف لک وش کرتے ہوئے چلی گئی تھیں۔

ریسل کو جنگل کے تھیم والا اپنا کلاس روم کافی پیارا لگا تھا۔ اس کے بالکل سامنے دیوار پیر فلیکس لگا تھا جس کے اوپر درختوں کے بیچوں بیچ پگڈنڈی جاتی تھی۔ اس پگڈنڈی پہ چلتے ریسل کے خیالات کافی دور نکل گئے تھے جب اسے میم کی آواز آئی جو بگ میم سے پوچھ رہی تھیں۔

"اس سے کسی دوسرے بچے کو خطرہ تو نہیں......؟ آئی مین ساتھ بٹھانے سے۔"

"نہیں، بس خیال رکھیے گا اسے کوئی چوٹ نہ لگے۔" بگ مم تاکید کرتی باہر نکلیں۔"

"تم بیمار ہو؟" ریسل کے ساتھ بیٹھی گپلو سی بچی نے اس سے پوچھا۔"

"نہیں؟"

"بٹ میم کے ایکسپریشنز تو بہت عجیب ہیں آپ کو لے کر......"

"کیونکہ مجھے تھیلیسیمیا ہے......" ریسل لاپروائی سے بولی۔"

"آر یو پیشنٹ؟ (کیا تم مریض ہو)......" بچی ابھی بھی پریشان تھی۔

"نو، آئی ایم تھیلیسیمیا پرسن......"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"دیکھو آپ کی باڈی میں آٹو میٹک بلڈ بن جاتا ہے مجھے ہر ففٹین ڈیز بعد بلڈ لگوانا پڑتا ہے۔" (دیکھو آپ کے جسم میں خود بخود خون بن جاتا ہے مجھے ہر پندرہ دن خون لگوانا پڑتا ہے)

"نہ لگواؤ تو......؟؟" چھوٹا سا ذہن مطمئن ہی نہ ہو پا رہا تھا۔"

"میں تھکنے لگتی ہوں بہت ویک ہو جاتی ہو......"

"تم ہیلدی فوڈ کھایا کرو......" بچی اپنی طرف سے سیانی بنی......"

ریسل نے ماتھے پہ ہاتھ مارا......

"ریسل حسین! آر یو او کے؟ میم اسے دیکھتے فکر مندی سے بولی۔"

"یس میم...... آئی ایم ایز او کے ایز ایوری ون ایلس ان دی کلاس۔" (میں کلاس کے باقی سب بچوں جتنی ہی ٹھیک ہوں)......

"گڈ۔" میم اس کے اعتماد سے متاثر ہوئیں۔

☆☆☆

کبیر خوشی خوشی تیار ہو رہا تھا۔ آج ایک فیملی فرینڈ کی طرف مدعو تھے وہ لوگ...... خوشی کی بات یہ تھی کہ وہاں پھپھو، پھپا اور عنایت بھی آرہے تھے۔ پچھلے دو تین سالوں سے پڑھائی کی مصروفیات ایکی رہی تھیں کہ پھپھو اکیلی ہی چھٹیوں میں آجاتی تھیں۔ ایک آدھ دن رہ جاتیں۔ عنایت آتی ہی نہیں تھی۔ کبیر بھی نہ جاپاتا۔ ہال سے سیدھا انہوں نے پھپھو گھر چلے جانا تھا اور ایک رات رک کر واپسی۔

وہ پہلی بار شیر گڑھ جا رہا تھا۔ اونچے نیچے ٹیلوں میں گھرا یہ چھوٹا سا شہر تھا۔ وہ بارات سے چند منٹ پہلے ہی پہنچے تھے۔ پھوپھا سے مل لیا تھا۔ کھانے کے

www.pklibrary.com

بعد خواتین کی طرف جا کر پھپھو اور عنایت سے ملتا۔ حلیہ درست کرتے وہ واش رومز کی طرف آیا۔ بڑے سے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سیٹ کیے۔ جیب سے چھوٹی سی شیشی نکالی اور اسپرے کیا۔ کبیر گرے کلر کے سوٹ پہ ہم رنگ ویسٹ کوٹ پہنے ہوئے تھا باہر نکلتے نگاہ سامنے اٹھی دلہن کا فوٹو سیشن چل رہا تھا۔ تب ہی دلہن کے سائیڈ سے لمبے بالوں والی ایک لڑکی نکلی اس نے بلو گاؤن پہنا ہوا تھا۔ کبیر کو وہ بہت دیکھی دیکھی لگی۔

''میں پہلی دفعہ آیا ہوں اس شہر میری کوئی جان پہچان والی یہاں نہیں.....'' خود کو ڈپٹتا وہ ہال کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا تب ہی وہ لڑکی بھی تقریباً اسے چھوتے تیزی سے خواتین والی سائیڈ پر گئی.....

ارے یہ تو عنایت تھی.....'' وہ خوش گوار حیرت سے سوچتے آگے بڑھا.....

کھانا کھاتے وہ لوگ کافی لیٹ ہو گئے تھے۔ پھوپھا اور عنایت گھر چلے گئے تھے۔ پھپھو ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ گھر جاتے ہی چائے کا دور چلا۔ عنایت چند سیکنڈ کے لیے آئی تھی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کافی دیر گپ شپ کے بعد وہ سب لوگ سونے چلے گئے۔ کبیر کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ انجان جگہ پر نیند بدکی ہوئی تھی۔ کافی دیر کروٹوں کے بعد وہ ایک چکر باہر کا لگا آیا کہ عنایت کہیں نظر آئے تو گپ شپ لگا لے..... مگر وہ کہیں نہیں تھی۔

وہ خاموشی سے آ کر لیٹ گیا۔

''صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو بابا کہیں گئے ہوئے تھے پھوپھا کے ساتھ۔ پھپھو اور ماما تیں کر رہی تھیں وہ فریش ہو کر سیدھا عنایت کے کمرے میں آیا۔ وہ نوٹس بکھرائے بیٹھی تھی۔

''آپ کے ہاں مہمانوں کو کمپنی دینے کا رواج نہیں۔ مہمان بھی وہ جو آپ کے اکلوتے کزن ہوں۔'' وہ وہیں کارپٹ پہ اس کے پاس بیٹھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں.....'' عنایت کنفیوز نظر آئی۔

''یقین رکھو تم نے کبھی مجھ سے قرض نہیں لیا اور لیا بھی ہے تو میں معاف کرتا ہوں۔'' وہ وہی پرانا کبیر نظر آیا مگر عنایت بدل چکی تھی بہت..... کچھ تھا اس میں۔''

''کبیر نے بغور دیکھا..... اس کی پلکیں جھالر کی صورت آنکھوں پہ گری لرزتی تھیں۔ لب باہم پیوست تھے۔ اور ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیے ہوئے۔

''عنایت کچھ ہوا ہے کیا؟ ہم بیسٹ فرینڈز ہیں مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو.....''

''نہیں کچھ بھی نہیں.....'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چند دن بعد سردیوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں تم نے آنا ہے اس بار کوئی بہانہ نہیں۔'' کبیر نے اٹھتے ہوئے تنبیہ کی۔

''میرے ایگزامز ہیں؟''

''کون سے۔''

''سیکنڈ لاسٹ سیمسٹر کے۔''

''فروری میں ایگزامز ہیں۔ تم ضرور آؤ گی..... ورنہ.....''

کبیر باہر نکلتے ہوئے بولا۔

''ورنہ کیا؟''

''پتا چل جائے گا۔'' وہ دھمکاتا ہوا باہر نکلا۔

''پھپھو! چند دن رہ گئے ہیں چھٹیوں میں آپ ابھی ہمارے ساتھ چلیں۔''

''چندا! اس بار تو شاید ویسے ہی نہ آیا جائے۔ آپ کے پھوپھا جی نے کراچی جانا ہے سو.....'' پھپھو نے اس کے بال سنوارے۔

''میں لے جاؤں گا اور چھوڑ بھی، بس آپ نے آنا ہے۔'' کبیر نے بچوں کی سی ضد کی۔

☆☆☆

اور چند دن بعد عنایت واقعی آ گئی پھپھو کے ساتھ..... پاپا کسی دوسرے شہر میں تھے۔ اس نے کئی

www.pklibrary.com

ایک چیز لا کر کچن بھر دیا۔

پھپھو کہتی رہ گئیں۔ ''بیٹا، ہم صرف دو دن کے لیے آئے ہیں۔''

''مہمان صرف گھر سے اپنا پلان لے کر آتا ہے۔'' کبیر مسکراتے ہوئے بولا۔

''شام سے ذرا پہلے آسمان کو بادلوں نے ڈھک لیا۔ یخ ٹھنڈی ہوا دانت جما رہی تھی۔ کبیر نے دیکھا عنایت شال لپیٹے باہر لان میں چیئر پر بیٹھی تھی۔

''سردی انجوائے ہو رہی ہے!'' کبیر بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھا۔

''بارش ہونے کو ہے.....''

''برس جانے دو۔''

''ہم اندر چل کے بیٹھیں..... سب کے درمیان۔''

''تمہیں مجھ سے شرم آ رہی ہے؟''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں..... یہاں ویسے بھی بارش ہونے کو ہے۔'' کہتے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

بارش کے پہلے قطرے نے اس کی لاج رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔

کبیر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا نجانے کب آنکھ لگ گئی۔ اٹھا تو مما کی کئی ایک مسڈ کالز تھیں..... منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا وہ باہر آیا۔

''سو گئے تھے بیٹا، کھانا بھی نہیں کھایا.....!'' مما اسے دیکھتے فکرمندی سے بولیں۔

''تمہاری بچپن کی عادت گئی نہیں کبیر! ادھر بارش کا پہلا قطرہ گرا اور ادھر کبیر میاں پر نیند کا حملہ ہو گیا۔'' پھپھو ہنستے ہوئے چھیڑ رہی تھیں۔

''نہیں اب تو نہیں۔ آج پتا نہیں کیسے نیند آ گئی۔''

''کھانا لاؤں؟''

''نہیں مما! میں خود لے لیتا ہوں..... کبیر کچن کی طرف آیا تو عنایت اپنے لیے کافی بنا رہی تھی۔

''کافی پئیں گے؟''

''ہاں لیکن کھانے کے بعد۔'' کبیر نے ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالی۔

''میں نکال دوں؟''

''شیور''..... کبیر کرسی گھسیٹ کے بیٹھا۔

عنایت نے سالن نکال کر مائیکرو ویو میں رکھا اور سلاد بنانے لگی..... اور پھر سب کچھ سلوموشن میں ہونے لگا۔

عنایت اس کے لیے کھانا گرم کر رہی تھی۔ اور یہ منظر کبیر کو اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ مصور شاہکار بنانے کے لیے تخیل میں سوچتے ہوں گے۔ عجیب سی کیفیت میں اس نے کھانا کھایا۔

عنایت اسے کافی کا مگ تھما کر لان میں چلی گئی تھی۔ وہ بھی مگ اٹھائے پیچھے چلا آیا۔ چوہدویں کا چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہر چیز دھلی دھلائی اور ہلکی دھند کی لپیٹ میں تھی۔ وہ عنایت کے ساتھ بیٹھا کافی پیتا رہا۔ کہنے کو کچھ نہیں تھا اور سننے کو ہزار باتیں۔ سندر سی خاموشی دونوں کے بیچ حائل رہی..... دونوں بات کرنے کی کوشش کرتے لیکن کسی بات کا کوئی سرا پکڑ میں ہی نہ آتا۔ خاموشی اور رات دونوں گہری ہو رہی تھیں..... اس سے پہلے کہ دونوں باہم پیوست ہو کر کوئی راز اگل دیتیں۔ دونوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ عنایت نے کبیر کے ہاتھوں کو بغور دیکھا وہ اسے بولتے محسوس ہوئے۔ کبیر نے عنایت کے چہرے پہ نگاہ کی۔ گھنی پلکیں آنکھوں کا کوئی راز چھپانے میں بے حال لرزتی تھیں۔ دونوں اپنے اپنے کمروں میں آ گئے تھے۔ دونوں کی زندگی کا حاصل یہ سرد رات کے خاموش دو گھنٹے ٹھہرے تھے۔

کوئی راز تھا جو دونوں کے وجود میں دھیرے سے ایک ساتھ سرایت کر گیا تھا۔

☆☆☆

عنایت نوٹس کتابیں سامنے پھیلائے خود کو پڑھنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں میں لگی تھی۔

www.pklibrary.com

وائس ایپ کے کلاس فیلوز کے گروپ میں شور مچا ہوا تھا۔ یہ سوال وہ حوالہ فلاں ٹاپک۔ یہ کرلیا وہ رہ گیا..... اور اس کے وجود پہ خاموشی کا پہرا تھا۔

نجانے کیوں گئی ہوں میں اس بار ماموں کے گھر نہ کبیر سے سامنا ہوتا اور نہ یہ کیفیت حاوی ہوتی۔ وہ خود سے ہی لڑنے لگی..... تب موبائل کی پھر سے پپ بجی۔

سب سیریس ہیں کل کے پیپر کو لے کر اور میں..... اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا۔

کبیر..... نام پڑھتے ہی اس کا دل دھڑکا۔ ایک ہاتھ گردن پہ رکھا خود کو سنبھالنے کو اور دوسرے ہاتھ میں موبائل سے میسج پڑھنے لگی۔

"سنو! میں تو تمہیں اچھی شریف لڑکی سمجھتا تھا۔ تم تو نقب زن نکلیں..... چرا کے لے گئی ہو سب..... میرا چین سکون....."

وہ دھڑکتے دل سے بار بار کبیر کا میسج پڑھے جارہی تھی۔ لرزتی انگلیوں میں اتنی ہمت ہی کہاں تھی کہ اقرار یا انکار لکھ پاتیں۔ کبیر کی کال آرہی تھی۔ ساعتیں یوں متوجہ اور پرجوش ہوئیں گویا زندگی بھر کوئی لفظ سنا ہی نہ ہو۔ برسوں سے ترسی ہوں۔

"میسج پڑھا ہے۔"

"جی....."

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"کیا؟"

"واپس کریں میری چیزیں؟"

"میں تو خود بھی داماں ہوں..... اس نے ہمت یکجا کر کے بول ہی دیا۔

"تو پھر آؤ ایک دوسرے کو مکمل کردیں۔"

عنایت نے کال کاٹ دی۔ ساعتیں نہال ہوئی تھیں اور دل کسی پنجرے کی قید میں تھا۔

☆☆☆

اسکول میں اسپورٹس ویک چل رہا تھا۔ رسیل ایسی کسی بھی گیم میں حصہ نہیں لے سکتی تھی۔ اس کے بلڈ ٹرانسفیوژن میں دو روز باقی تھے اور وہ بہت ویکنیس فیل کررہی تھی۔ دو ایک روز اسکول گئی مگر پھر ماما نے منع کردیا۔ وہ ان دنوں زیادہ ہی خاموش طبع ہوگئی تھی۔ لاکھ خود کو سمجھا لو مگر کبھی تو انسان ہی اور اپنے اندر موجود کمی اسے تکلیف دیتی۔ "میں ہی کیوں" کا شور بڑھ جاتا۔

آج صبح سے بابا بھی آئے ہوئے تھے۔ وقت نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کردیا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ اسے ساتھ لیے مارکیٹ میں آگئے۔ کچھ شاپنگ کروائی۔ پھر پارک میں لے آئے۔

"جھولے لیں گی؟"

"بابا! میں بڑی ہوگئی ہوں..... چھوٹے بچے جھولے لیتے ہیں۔" رسیل ہنسی۔

"ہاں واقعی آپ بڑی ہوگئی ہو۔" بابا نے اس کا سر دیکھا ان کے جو کندھوں تک آتا تھا۔

"بابا! آپ اپ سیٹ ہیں؟" رسیل کے لہجے نے انہیں کسی "اپنے" کی یاد دلائی۔ زیاں کے احساس سے انہوں نے سر جھٹکا۔

"آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے؟"

"نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آپ نہیں بتانا چاہتے اٹس اوکے۔" رسیل کی آواز میں اداسی جھلکی۔

"میں چاہتا ہوں آپ ہمارے ساتھ آکر رہیں۔"

"اور ماما کو بالکل اکیلا کردوں؟"

"آپ میری اکلوتی اولاد ہو رسیل..... آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جڑا ہے..... آپ کا اور میرا حق ہے کہ ہم اکٹھے رہیں۔"

ماما کا بھی حق ہے مجھ پر بابا..... انہوں نے راتیں جاگی ہیں میرے لیے، اسپتالوں میں میرے لیے دھکے کھائے ہیں۔ میں ان کا ٹوٹل لیسٹ (اثاثہ) ہوں۔ میں انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی۔"

رسیل نے بولتے ہوئے دھیان رکھا کہ آنکھوں کی نمی، لہجے میں نہ آنے پائے..... آہ یہ بیٹیاں.....

"صرف ماما کی وجہ سے کہہ رہی ہو؟"

www.pklibrary.com

"نہیں اپنی وجہ سے بھی......ہم دونوں ایک دوسرے کے بنا ایک پل نہیں رہ سکتے۔ جب تک میں حیات ہوں یا جب تک وہ......ہم ایک ساتھ رہیں گے۔" ریسل کا لہجہ اٹل تھا۔ اس نے بابا کا مضبوط ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "آپ پلیز یہ ٹاپک دوبارہ کبھی ڈسکس نہ کیجیے گا، یہ تکلیف دہ ہے، بہت......ہم سب کے لیے ہی......"

"او کے۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

ریسل نے ان کے کندھے پر سر رکھا اور دونوں باپ بیٹی سامنے زندگی سے بھرپور مچلتے بچوں کو دیکھنے لگے۔ کیسی آسودہ گھڑیاں تھیں۔ کتنے ہی سکون بھرے پل دونوں کے درمیان سے انہیں بغور دیکھتے گزرتے رہے۔

"بلڈ ٹرانسفیوژن (خون لگوانے) کے لیے کب جانا ہے؟"

"پرسوں......"

"او کے اس بار میں چلوں گا ساتھ، کل چھٹی اپلائی کردوں گا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کھانا کھا کر جایئے گا۔ ماما بار بار تاکید کررہی تھیں۔" گاڑی سے اترتے ریسل بولی۔

"پرسوں ان شاء اللہ ناشتا آپ لوگوں کے ساتھ ہی کروں گا۔ آج جلدی ہے۔" خدا حافظ کرتے بابا گاڑی بڑھا گئے۔

کاش! آپ آسودہ ہوتے......" آنکھوں کی نمی اندر اتارتے ریسل شاپنگ بیگ لیے اندر آئی۔

☆☆☆

"کبیر کا آفس عنایت کے کالج کے پاس ہی تھا۔ یہ جاب کبیر کو پھوپھو کے توسط سے ایک سال کے کنٹریکٹ پہ ملی تھی۔ عنایت نے بھی تعلیم مکمل ہوتے ہی پرائیویٹ کالج جوائن کرلیا تھا۔ کبیر کبھی کبھار اسے کالج سے پک کرلیتا۔ لنچ کرواکے گھر ڈراپ کردیتا۔ اس طرح پھپھو سے بھی ملاقات ہوجاتی۔

آج عنایت کی سالگرہ تھی اور کبیر اس بات کو لے کر پچھلے دو دن سے ایکسائیٹڈ تھا اور تیاریاں بھی جاری تھیں۔ مما نے بھی عنایت کے لیے گفٹ بھجوایا تھا اور کبیر نے ایک پلندہ لیا تھا مگر ان سب میں سے سب سے خاص چیز فیروزہ جڑی خوب صورت سی رنگ تھی جو اس کی جیب میں تھی۔ عنایت اس کے ساتھ ریسٹورنٹ آتے ہمیشہ کی طرح خاموش سی تھی۔ بیٹھنے اور آرڈر دینے تک وہ بس کبیر کو ایک نظر دیکھ لیتی۔

شکریہ......کبیر اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"کس لیے؟" عنایت نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے لیے اس دنیا میں آنے کے لیے......" عنایت ہنس دی، کبیر کھلکھلادیا۔

پھر کئی ایک خاموش پل دونوں کے درمیان در آئے۔

"کچھ بولو......"

"کیا بولوں؟"

"جو تمہاری باقی سب چیزیں بول رہی ہیں۔"

کبیر کی بات پر عنایت نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"تمہارے کرتے کے پھول جو باتیں کررہے ہیں۔ جوتے کا بکل، بیگ کے اسٹون......گھڑی تک مسکرائے کوئی شرارت بھری بات کردیتی ہے بس ایک تم نہیں بول رہی ہو۔"

"حد ہے کبیر......"

"ہاں ابھی تو حد ہے......میں چاہتا ہوں جلد یہ ختم ہو۔" کبیر نے اس کی بات پکڑی تب ہی ویٹران کا آرڈر لیے آیا۔

کھانے کے بعد عنایت اٹھنے لگی تو کبیر نے روکا۔

"گفٹ تو لے لو۔"

"تو یہ سب اور وہ جو گاڑی میں اتنا کچھ پڑا ہے، وہ کیا ہے؟" عنایت حیران ہونے کے بجائے بگڑی۔

"اصل گفٹ تو یہ رہا......" کبیر نے جیب سے چھوٹا سا کیس نکال کر کھولا۔

www.pklibrary.com

''کیسی ہے؟''

''اچھی ہے اور بھی اچھی لگے گی جب سب بڑوں کی موجودگی میں آپ پہناؤ گے۔''

''ضرور، وہ تو اس سے بھی اچھی لوں گا۔ ابھی تو یہ تم رکھو۔ پھر سب بڑوں کی موجودگی میں اچھی سی لاؤں گا۔''

''سب مان جائیں گے ناں.....؟'' عنایت کے لہجے میں خدشے لرزے.....

''ظاہر ہے..... کاش کوئی ظالم سماج بھی ہوتا درمیان اور میں اس سے ٹکراتا ہوا آتا تم تک.....'' عنایت اس کی بات پہ ہنستے ہوئی اٹھی۔ وہ بھی بل کے پیچھے رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

مما! چھ ماہ ہو گئے مجھے جاب کرتے.....'' کبیر نے نگہت کے پاس صوفے پر نیم دراز ہوتے اس کے دوپٹے کا پلو منہ پر گرایا۔

''عارضی۔'' مما نے ایک ہی لفظ میں یقین دہانی کروائی۔

''مستقل بھی ملے گی ان شاء اللہ۔ ذرا ضرورتیں پڑھ جائیں پھر خدا تک عرضی بھیجیں گے جی ہمیں پکا کریں۔''

''اور ضرورتیں کب بڑھیں گی.....؟'' نگہت اس کی بات کو مذاق سمجھ رہی تھیں۔

''جب آپ ہماری چاندنی دلہنیا لائیں گی.....''

''اور چاندنی دلہنیا کب آئے گی؟''

''جب آپ پھپھو سے بات کریں گی۔'' کبیر نے ظاہر کیا کہ اس نے یہ بات روانی سے بولی ہے۔

''پھپھو؟'' نگہت نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور اس کے چہرے سے پلو ہٹایا۔

''جی مما۔ مجھے عنایت پسند ہے۔'' کبیر نے مجرموں کا سا اعتراف کیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے مما.....'' ان کی چپ پر کبیر نے پوچھا۔

''خیال تو نیک ہے۔ لیکن خود ہی تو کہتے رہتے تھے کہ ہم صرف دو ہی کزن ہیں۔ اب دونوں شادی کر لو گے تو رشتہ داری کس سے اور کیسے نبھاؤ گے؟''

''ہمارے ڈھیر سارے بچے ہوں گے پھر ان کی شادیاں کریں گے تو بہت سے رشتے دار بن جائیں گے۔'' کبیر کی پلاننگ مکمل تھی۔

''آپ کے بابا سے بات کریں پھر اس اتوار کو چلیں گے۔'' نگہت کو اس کا فیصلہ پسند آیا تھا۔

رات میں بابا سے بات کرنے کے بعد کال پہ پھپھو سے بات کر لیجیے گا۔ سنڈے کو ہم رنگ لیتے جائیں گے ناں.....''

''آپ کو بہت جلدی ہے پھپھو نے انکار کر دیا تو؟'' نگہت نے چھیڑا۔

''منا لوں گا.....''

''نہ مانیں تو.....؟''

''پھر سب مل کر منا لیں گے نا.....'' کبیر جھنجلایا نگہت ہنس دی۔

سیما پھپھو کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ سنتے ہی انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ چند ایک رشتے تھے اور وہ بھی انوٹ انگ ہونے والے تھے.....

اتوار کی تنہائی شام دونوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی تھی۔

☆☆☆

رسیل اپنا رزلٹ کارڈ ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو بیٹے.....'' ماما نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''بہت اچھے گریڈز نہیں ہیں لیکن ٹھیک ہیں.....'' رسیل نے کارڈ ایک طرف رکھا۔

''بہت اچھے گریڈز ہیں۔ دیکھو تو اے گریڈ ہے سب سبجیکٹس میں۔''

''اے پلس تو نہیں ناں.....''

بیٹا! آپ کو گریڈز کے لیے کبھی کسی نے فورس نہیں کیا۔ یہ گریڈز بھی کمال ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی نے اچھے گریڈز کے ساتھ تعلیم مکمل کی ہے۔''

www.pklibrary.com

''تعلیم مکمل کہاں ہوئی ماما.....؟'' رسیل نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''بیٹا! اتنا کافی ہے۔ میں آپ کی صحت پہ مزید تعلیم کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔''

''میری صحت اسی لیے تو برقرار ہے ماما کہ میں تعلیم میں مصروف ہوں..... دھیان بٹا رہتا ہے میرا.....''

''لیکن بیٹا، ٹینشن تو ہوتی ہے ناں پڑھنے کی۔''

''آپ نے کبھی مجھے ٹینشن لیتے دیکھا؟ میں نارمل سا پڑھتی ہوں۔''

''چلیں پرائیویٹ امتحان دے لینا۔''

''آپ مجھے باور کروانا چاہ رہی ہیں کہ میں نارمل انسان نہیں ہوں؟'' رسیل رنجیدگی سے بولی۔

''یہ ہے تو حقیقت ہی۔''

''بچپن سے اب تک آپ مجھے بہادری کے درس دیتی آئی ہیں۔ زندگی جینے کا کہتی آئی ہیں۔ میں گھر میں رہ کر گھٹ گھٹ کر مرجاؤں گی ماما..... مجھے کھلی فضاؤں میں جانے دیں جتنے سانس ہیں میرے، میں آزادی سے کھلی فضا میں لینا چاہتی ہوں۔''

''مجھے ہر دم ایک خوف اپنے حصار میں لیے رکھتا ہے.....''

''سب خوف دل سے نکال دیں.....'' رسیل نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔ ''آپ کی بہادر بیٹی زندگی کو اپنے پروں میں چھپائے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے ہے۔ جیت میری نہ بھی ہوئی تو خالی دامن بھی نہیں ہوں گے۔''

''میری بہادر بچی.....'' ماما نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''صبح چلیں گی میرے ساتھ کالج میں ایڈمیشن کروانے؟''

''ہاں، لیکن تم کوئی آسان سے سبجیکٹ رکھوگی۔''

''ٹھیک ہے.....'' رسیل نے رضا مندی دکھائی۔

☆☆☆

''بیٹا! کیوں اتنا خرچا کررہے ہو..... پہلے ہاں پھر منگنی کا فنکشن۔ اب نکاح کا..... پھر رخصتی؟'' وہ شاپنگ پہ جانے کے لیے عنایت کو ساتھ لے جانے آیا تھا جب پھپھو میٹھے سے لہجے میں ڈانٹ پلا رہی تھیں۔

''اکلوتا ہی تو ہوں پھپھو۔ اسی لیے مما ڈھیر سارے فنکشن کرنا چاہ رہی ہیں۔''

''بات تو بھابھی کی بھی ٹھیک ہی ہے۔ آپ لوگ کب تک آجاؤ گے؟''

''ہم شاید تھوڑا لیٹ ہی ہوجائیں۔ ایک تو شاپنگ پھر ڈنر بھی کرکے آئیں گے آپ اہتمام مت کیجیے گا۔''

''پھر بھی کوشش کرنا جلدی آنے کی۔''

''پھپھو! آپ بھی چلیں ساتھ۔'' کبیر نے آفر کی۔

''نہیں بیٹا! مجھ سے کہاں اتنا چلا جائے گا۔ آپ لوگ کرو اپنی مرضی سے شاپنگ.....'' انہوں نے رسان سے انکار کیا۔

''میں عنایت کو دیکھوں ذرا کہاں رہ گئی۔''

کبیر اٹھ کر اس کے کمرے کی جانب آیا۔ وہ جھمکا کانوں میں ڈال رہی تھی کبیر کی محویت پہ جھجکی۔

''اوور تو نہیں لگ رہی ہوں؟''

کبیر نے بغور دیکھا۔ مہرون کلر کے سادہ شلوار قمیص میں سی گرین پھلکاری دوپٹا۔ سی گرین سینڈل دھلا دھلایا چہرہ۔

''بالکل بھی نہیں۔ بلکہ ٹھیک سے تیار ہو۔ میں بیٹھا ہوں۔''

عنایت نے لپ اسٹک اٹھائی، کبیر اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''ایسے ہی ٹھیک ہوں.....'' اس نے سائیڈ ٹیبل سے بیگ نکال کر کندھے پہ ڈالا۔

''پہلے کہاں چلیں؟'' کبیر نے گاڑی اسٹارٹ

www.pklibrary.com

کرتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں آپ کا جی چاہے....." عنایت نے پیچھے بیٹھے کندھے اچکائے۔

"میرا جی چاہتا ہے تم بولتی رہو اور میں گاڑی چلاتا تمہیں سنتا رہوں۔" کبیر نے ارادے بتائے۔

"کم آن..... میرا خیال ہے پہلے ڈریس دیکھ لیں پھر میچنگ جوتے جیولری وغیرہ....."

"جو حکم جناب۔"

"آپ لوگوں کی طرف سے کتنے گیسٹ ہوں گے؟" عنایت نے فنکشن کا حجم جاننا چاہا۔

"میں مما، بابا، ایک کولیگ بابا کے اور فوٹو گرافر....."

"مذاق کر رہے ہو؟"

"میں سنجیدہ ہوں..... زیادہ رش وغیرہ نہیں پسند مجھے۔ ولیمہ ان شاء اللہ دھوم دھام سے کریں گے۔"

"تم چاہ رہی ہو زیادہ لوگ آئیں؟"

"نہیں ٹھیک ہے۔ بلکہ اچھی بات ہے۔"

"مجھے آئیڈیا نہیں ہے، میں کلر بتاؤں گا باقی تم جیسا بھی ڈریس لینا چاہو۔" بوتیک میں داخل ہوتے کبیر نے عنایت سے کہا۔

"یہ آف وائٹ اور گولڈن کیسا ہے؟"

"بے رنگ سا ہے جیسے کسی بیوہ کا یا دوسری شادی کرنے والی کے لیے ہو۔"

"شرم کریں۔"

"کر لی..... کلر فل سا لو۔"

"نکاح پہ سمپل سا ہی اچھا لگتا ہے..... یہ کیسا ہے؟" اسکائی بلو پہ پرل وائیٹ کلر کے کام والا غرارہ سوٹ عنایت نے اسے دکھا کر پوچھا۔

"اچھا ہے بہت..... بہت اچھا ہے....."

وہ اسے لیے کاؤنٹر کی جانب آئی۔

"آپ کو نئی جاب مل گئی ہے؟" کھانے کے دوران عنایت کو یاد آیا تو اس نے پوچھا۔

"یہ میرے سر پرائز کا کس نے بیڑہ غرق کیا ہے؟"

"مما نے بتایا تھا۔ اور یہ سر پرائز کہاں سے ہوا..... یہاں آتے تھے تو روز اپنی پھپھو سے بھی مل لیا کرتے تھے۔ اب اتنی دور چلے جاؤ گے۔" عنایت شرارت سے بولی۔

پھپھو سے تو روز ویڈیو کال پہ بات ہو جایا کرے گی۔ پھپھو کی بیٹی کیا کرے گی؟" کبیر نے اسے چھیڑا۔

"پھپھو کی بیٹی بھی آپ کے شہر پوسٹنگ کروا لے گی۔"

"شہر نہیں گھر..... اور فل چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی ہوگی۔"

☆☆☆

جمعہ کے بابرکت دن میں نکاح کا اہتمام ہوا تھا۔ گھر میں ہی ایک سادہ سی تقریب رکھی گئی تھی۔ کبیر آف وائٹ سوٹ پر اسکائی بلو ویسٹ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ دونوں کی جوڑی کیا ہی خوب لگ رہی تھی کھانے کے بعد قہوے سے لطف اندوز ہوتے سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کبیر غیر محسوس طریقے سے اٹھ کر عنایت کے کمرے میں آ گیا۔

"نکاح مبارک۔" وہ عنایت کے قریب صوفے پر بیٹھا۔

"آپ کو بھی..... اور کتنی مبارک باد دیں گے؟"

"جب تک سلامت ہیں....." کبیر مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا۔

"کتنا آسان اور اچھے طریقے سے ہو گیا ناں سب..... مجھے ناکام محبت کی سب داستانیں جھوٹ لگنے لگی ہیں..... محبت میں ملن کچھ بھی تو مشکل نہیں..... محبت ایک خوب صورت جذبہ جو چپکے سے آپ پر آ وارد ہوتا ہے اور اسے پا لینا کچھ ایسا مشکل نہیں۔ ہماری محبت کی داستان لکھی جائے تو اس میں ایک لائن ہی بن جائے گی۔"

"ہاں بشرطیکہ پھپھو کی بیٹی اور ماموں کے لڑکے سے محبت ہو۔" عنایت مسکائی۔

www.pklibrary.com

"یہ بھی ہے مگر..... خیر چھوڑیں یہ بتاؤ اب رخصت ہو کر ہمارے گھر کب آئیں گی۔"

"جب آپ لینے آئیں گے۔"

"آیا تو ہوا ہوں۔ نکاح بھی ہو چکا ہے..... کیا خیال ہے؟"

"نہیں نہیں....." عنایت اس کی بات کو سچ سمجھ بیٹھی۔

"کیا نہیں۔ ایسا ممکن ہو بھی سکتا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"اوکے اوکے۔ مذاق کر رہا تھا۔" شکریہ..... میری زندگی میں آنے کے لیے۔" کبیر نے اس کے جھکے کو جھلایا۔

"آپ کا بھی شکریہ۔"

"خود سے بھی تو کوئی بات کرو ناں۔"

"مجھے تو بس ڈر لگتا رہتا ہے۔"

"کس بات کا؟"

"آپ سے بچھڑ جانے کا!"

"یعنی رخصتی بھی جلدی کرنا پڑے گی۔ کالج سے کب ریزائن کر رہی ہو؟"

"یہی لاسٹ منتھ ہے۔"

کبیر نے جیب سے تھرتھراتا ہوا موبائل نکالا۔

"نکلنے لگے ہیں سب۔" وہ اٹھ کھڑا۔

عنایت بھی اٹھی۔ کبیر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور جذب سے اس کا سہانا روپ دیکھا "خاحافظ۔" کہتے ہوئے وہ آہستگی سے اس کے ہاتھ چھوڑتا باہر نکلا۔

☆☆☆

"رسیل! میں آپ سے کہتی تھی کالج میں نہ ایڈمیشن لو۔ دیکھو ذرا، کتنی سی شکل نکل آئی ہے۔ پانچ کلو وزن کم ہو گیا ہے۔" ماما کی آواز سے ہی پریشانی جھلکتی تھی۔

"ماما! میں نے خود ڈائی کی ہے ویٹ کم کرنے کی۔"

رسیل نے جھوٹ گھڑا۔ حقیقتاً پچھلے کچھ دنوں سے اس کی طبیعت خاصی خراب رہی تھی۔ موت کا خوف جو بچپن سے اس کے ساتھ سائے کی طرح منڈلاتا تھا۔ اب شکر دوپہر کے سائے کی طرح اس کے قریب آن سمٹا تھا۔

باہر ٹیرس پر آ کر اس نے لمبا سا سانس لیا..... کیا وہ اس دنیا سے جانے والی ہے۔ صرف سترہ سال کی عمر میں..... خواب دیکھنے کی عمر میں آنکھیں ہی بند ہو جائیں گی؟ وہ ہسپتالوں میں جاتی رہی تھی اس نے پینتیس چالیس سال سے زیادہ عمر کا کوئی تھیلیسیمیا کا مریض نہیں دیکھا تھا۔ پینتیس یا چالیس..... سترہ سال عمر وہ گزار چکی تھی اور اتنی ہی باقی تھی تقریباً..... اگر وہ آخری حد تک تندرست رہتی ہے تو.....

انجام تو سب کا یہی ہے مگر ایک انسان کے سر پر ہر وقت ہی سایہ منڈلاتا رہتا ہے تو وہ خواب نہیں دیکھتا، خواہشیں نہیں پالتا۔ اس کے دل میں آرزو امنگ جنم ہی نہیں لیتی۔ اور بغیر خواب خواہش، آرزو امنگ کے جینا پتا ہے کیسا ہوتا ہے؟ سرد موت جیسا..... بے جان رسیل نے جب بھی خواب دیکھا ایک ہی دیکھا..... اپنی موت کا خواب..... اور اس کے خواب کی تعبیر کیا ہوتی؟ ماما کی موت..... وہ زندگی کے خواب ذرا کم ہی دیکھتی..... اس کے کاسہ دنیا میں زندگی کے چند ہی سکے تھے..... اور خواب دیکھ بھی لیے جائیں تو چند سکوں سے خواہشیں پالی جاتی ہیں کیا؟ اپنی اکھڑتی سانس کو بحال رکھنے میں اسے خاصی تگ و دو کرنا پڑتی تھی۔

ماما پلیٹ میں انار چھیل کے لائی تھیں۔

"یہ جتن مجھ پر کار گر نہیں ہوتے ماما!"

"میری تسلی کے لیے کھا لیا کرو بیٹا..... میری تو زندگی بھی تم ہو اور زندگی جینے کا مقصد بھی....."

"ایک تو مجھے مایوسی والی وائبز آ رہی ہیں اوپر سے آپ بھی ایسی باتیں کر رہی ہیں۔" رسیل دکھ سے بولی۔

www.pklibrary.com

''مایوسی کفر ہے۔ جس اللہ نے سترہ سال عمدگی سے گزار دیے آگے بھی کرم کرے گا۔'' ماما عزم سے بولیں جب کبھی کبھی اللہ سے ناراض ہونے کو دل کرتا ہے ماما..... ایک ہی زندگی دی اور اس میں بھی لائف ٹائم آزمائش۔''

''زندگی تو دی ہے ناں بیٹے..... میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں، ہم آپس میں بات کر سکتے ہیں۔ جو یہ دنیا ہی چھوڑ جاتے ہیں وہ دکھ اور آزمائش سب سے بری ہوتی ہے۔ زندگی میں ہم دعا کے علاوہ معجزے کا بھی انتظار کر سکتے ہیں۔ موت کے بعد تو معجزہ بھی بیکار ہوتا ہے۔ موت سب سے تلخ حقیقت ہے۔ میں خوش ہوں اللہ تعالیٰ سے۔ بس وہ آپ کو زندگی دیے رکھے اس آزمائش کے ساتھ ہی سہی.....'' نا چاہتے بھی ماما کے آنکھوں سے آنسو بہے۔

رسیل نے اپنی بانہیں ماما کے گلے میں ڈال کر کھچڑی بالوں پہ بوسہ دیا..... واقعی عمر دکھ انسان کو کتنا کھوکھلا اور بوڑھا کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

وہ پارک میں سنگی بنچ پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ گہری اور گمبھیر چپ دونوں کے بیچ حائل تھی۔ کبیر کا آج جاب سے آخری دن تھا۔ یعنی عنایت سے لائیو ملاقات کا بھی آخری دن..... آفس سے نکلتے ہی عنایت کو پک کیا اور قریبی پارک میں لے آیا۔ حال احوال کے بعد دونوں خاموش بیٹھے تھے۔

''کیا تم مجھ کو سوچ رہے ہو؟''

''کب سے بیٹھا سوچ رہا ہوں۔'' کبیر کی خوب صورت آواز نے عنایت کے کانوں میں رس گھولا تو وہ دھیما سا مسکائی۔

ہماری خاموشی اتنی سندر ہے تو باتیں کس قدر حسین ہوں گی..... ہیں ناں''؟ کبیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

''ہاں۔'' عنایت نے بنا بولے پلکیں جھپکا کر اقرار کیا۔

''چیک کریں؟'' کبیر کی آفر پر عنایت کھلکھلا دی۔

''گل از رخت آموختہ نازک بدنی را.....''

کبیر اس کے چہرے کو آنکھوں کے راستے دل میں جذب کرتا بولا.....

آپ کو پشتو کب سے آنے لگی؟''

''ہم نے ہر زبان میں اظہار کرنا ہے۔ آپ سے ہر زبان میں اقرار کروانا ہے.....'' کبیر شوخی سے بولا۔

''ابھی تو اس کا مطلب بتایئے.....''

''گلاب نے آپ کے چہرے سے نزاکت کا ورس لیا ہے۔''

خود پہ کنٹرول رکھنے کے باوجود اس کے گال دہکنے لگے۔

''میرا خیال ہے چلتے ہیں گھر۔'' عنایت اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جس گھر میں تم بستے ہو۔ اس گھر کی خیر ہمیشہ.....'' کبیر اٹھتے اٹھتے گنگنایا۔

''خیر ہے؟ آپ کو شاعری سے لگاؤ کب سے ہونے لگا۔'' عنایت کو اس کے برجستہ اشعار سے حیرت ہو رہی تھی۔

''ہائے وہ شخص کہ جس کی خوبی گفتار سے
عشق اردو سے ہوا اور شاعری اچھی لگی۔''

''پورا دیوان رٹ کے آئے ہیں.....''

''ایسا ہی سمجھو..... تیاری رکھنا اس سنڈے کو ڈیٹ فکس کرنے آئیں گے ہم لوگ..... اسے گھر کے سامنے ڈراپ کر کے کبیر نے کہا.....''

''ویلکم.....'' وہ زیر لب کہتی نیچے اتری۔

☆☆☆

''کیا اب یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے مجھے اپنا مقدمہ آپ کے حضور پیش کرنا پڑے گا ماما.....؟''

رات لیتے ہوئے رسیل نے ماما سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں.....'' ماما مسکراتے ہوئے بولیں۔ آپ کے بابا ایڈمیشن فارم لے آئے تھے۔ کل

www.pklibrary.com

وہ آئیں گے، مناسب لگے تو ساتھ چلی جانا۔ ورنہ وہ کروا آئیں گے۔"

"خیریت ماما....." رسیل سے ماما کا اتنی جلدی مان جانا ہضم نہیں ہوا تھا۔

یہ جو گھر رہ کر اتنی مایوسی والی باتیں کرتی ہوناں بہتر ہے کہیں دھیان بٹا رہے۔

"جب سچویشن مایوس کن ہوتی ہے تبھی مایوسی والی باتیں بھی کرتی ہوں۔"

"اللہ سے اچھی امید رکھا کرو۔ ابھی تک سب اچھا ہوا ہے ناں۔ آگے بھی سب اچھا ہوگا۔" ماما پر یقین تھیں۔

"بس اچھا کہہ سکتے ہیں ماما..... ورنہ تکلیف جو سہتا ہے بھولتا نہیں۔"

"تکلیف تکلیف میں بھی فرق ہوتا ہے رسیل، ایک آزمائش والی تکلیف ہوتی ہے اور ایک بے بسی والی۔ خدا کا شکر ہے ہم پر آزمائش والی تکلیف رہی ہے۔ سوچو جب ہم ہاسپٹلز میں جاتے تھے خون کے لیے لوگ ترس رہے ہوتے تھے۔ ہمیں ایسا کبھی بھی کوئی مسئلہ بنا ہی نہیں۔ اس آزمائش میں بھی بہت سے شکر کے پہلو نکلتے ہیں۔"

"مجھے کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے یونیورسٹی اسٹارٹ ہونے سے پہلے....." رسیل نے ماما کا اور اپنا دھیان بٹایا۔

"کل تمہارے بابا کے پاس وقت ہوا تو چلی جانا۔"

"آپ بھی چلیے گا ساتھ۔"

"میں بھی چلی چلوں گی، تم لسٹ بنالو ناں..... گروسری کی بھی..... میں چیک کرتی ہوں کیا کیا لینا ہے۔" ماما اٹھ کر کچن کی طرف گئیں۔ رسیل نے لیٹر پیڈ اور پنسل اٹھائی اور لکھنے لگی۔

☆☆☆

خوشیاں کبیر کے چاروں اور رقص کرتی تھیں۔ قدم قدم پر کھلکھلاہٹیں بکھری تھیں۔ روشنیاں من آنگن سے جھانکتی تھیں..... ایسی حسین زندگی ہوتی ہے..... لوگ پتا نہیں ایسے کیوں نہیں جیتے؟ جو چاہا مل گیا جس کو چاہا پالیا۔ خدا نے اس کی جنت دنیا میں ہی لکھ دی تھی۔

شیروانی والی بازو پہ ڈالے وہ دروازہ کھولتا ہوا اندر آیا۔ گلاب کی سجاوٹ نے کمرے کو معطر کیا ہوا تھا۔ بچپن کی سہیلی جیون کی ساتھی بنی بیڈ پر براجمان تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے کبیر نے اس کا ہاتھ تھاما.....

"زوجہ کبیر" ہتھیلی کے درمیان میں مہندی سے لکھا تھا۔ باریک نیٹ کا ملبوعنایت کے حسن کو دوآتشہ کرتا تھا۔ "کبیر کی دلہن" کشیدہ کار نے عنایت کا اقرار دوپٹے پہ کشید کیا تھا۔

"دوپٹے ہاتھ کچھ سب پہ اظہار اور اقرار لکھوایا ہوا ہے۔ منہ سے بھی کریں گی آپ؟" کبیر نے پلو گراتے چھیڑا تھا۔

"مولوی صاحب کے سامنے تین بار بول کے کیا ہے۔"

عنایت کے کہنے پہ کبیر اسے دیکھے گیا یہ دلہنیں بولتے ہوئے کتنی حسین لگتی ہیں۔ مسکاتے ہوئے حسین ترین اور شرماتے ہوئے انت حسین ترین۔

"کسی سے پیار کرو، اظہار کرو اور پالو..... بس..... یہ شاعروں اور مصنفوں نے محبت پہ عجیب کہانیاں اور شعر لکھ چھوڑے ہیں۔" کبیر نے کتنی بار کی کہی بات پھر سے کہی۔

"حیرت کے بجائے ہمیں شکر کرنا چاہیے کہ ہمارے حصے میں خواری نہیں آئی۔" عنایت رسان سے بولی۔

"شکر الحمدللہ..... پتا ہے عنایت، انسان کسی جذبے میں ہو تو بہت مختلف سا ہو جاتا ہے چیزیں، باتیں سب مختلف انداز سے دیکھتا اور سوچتا ہے۔ جب سے تم اچھی لگی ہو۔ سب اچھا اچھا لگنے لگا ہے۔ کیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؟"

"ہاں....." عنایت نے اقرار میں سر ہلایا۔

"تو بتاتی کیوں نہیں ہو۔ اظہار کھاد اور پانی ہوتا ہے محبت کے پودے کے لیے۔"

www.pklibrary.com

''آپ کر دیتے ہیں ناں کافی ہے..... مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے جب سے آپ اچھے لگے ہیں۔''

''کیسا ڈر؟''

''یونہی بس.....''

''اب تو بلکہ ڈر ختم ہو جانے چاہییں۔ اب تو سب سیٹ ہو گیا ہے۔''

''جی..... میں بھیج کر لوں.....''

''ہاں ہاں ضرور..... ہیلپ چاہیے۔'' کبیر بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اٹس اوکے.....'' لہنگا سنبھالتی وہ ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

''یہ کون ہے؟'' رسیل نے ڈائس پہ خوش گپیوں میں مصروف لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ساتھ بیٹھی انابیہ سے پوچھا۔

''یہ ہمارا سی آر رانا جنید ہے۔ تمہیں نہیں پتا؟''

''تمہیں جو اس کے ساتھ کھڑا ہے۔'' رسیل کو اکثر ہی وہ اپنے ڈپارٹمنٹ یہاں تک کہ کلاس روم میں نظر آتا تھا۔

''یہ آئی ٹی ڈپارٹمنٹ کا سی آر رانا سکندر علی ہے۔ ہمارے سی آر کا کزن.....'' انابیہ کے پاس سب ہی معلومات ہوتی تھیں۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو.....؟''

''ایسے ہی اکثر نظر آتا ہے بلکہ ہر روز زیادہ تر وقت یہاں ہی پایا جاتا ہے۔ ایک دن تو اسے میں نے سر ہمدانی کا لیکچر لیتے بھی دیکھا تھا۔''

''اسے انٹرسٹ ہے ہمارے سبجیکٹ پولیٹیکل سائنس میں دوسرا ہمارے سی آر کا کزن بھی ہے۔ بے حد زبردست مقرر ہے۔ بھی اس کی تقریر یا مباحثہ سننا.....'' انابیہ متاثر نظر آتی تھی۔

''آئی ٹی اور انگلش ڈپارٹمنٹ کے درمیان مباحثے ہو رہے ہیں۔ کیا مزے کی ریہرسل چل رہی ہوتی ہے چلو گی آج میرے ساتھ؟'' انابیہ نے آفر کی۔

''نہیں صبح پریزنٹیشن ہے میری..... میں تو آج یونی نہیں آ رہی تھی۔ مگر لائبریری جانا تھا کچھ حوالہ جات کے سلسلے میں۔ تب ہی آئی ہوں.....'' رسیل نے انکار کیا۔

رسیل نے کوشش کی تھی کہ اس کی پریزنٹیشن اچھی رہے۔ ماما کو سامنے بٹھا کے شیشے کے سامنے لان میں پودوں کے سامنے اس نے پوری پریزنٹیشن دی تھی۔ اس کا سانس بار بار پھول جاتا تھا۔ ہر دو منٹ بعد اسے دو گھونٹ پانی پینا پڑتا۔

''دفع کرو سر کو بتا دو.....'' ماما نے اسے کھپتے دیکھ کر مشورہ دیا۔

''ہمدردی کے نمبر نہیں لینے مجھے..... محنت کے لینے ہیں۔''

اگلے دن کلاس میں وہ نروس سی تھی۔ سیاہ لباس جس کے اوپر سفید پرنٹ کے پھول تھے۔ سیاہ اور سفید دوپٹے کے ہالے میں چہرے کو پرسکون اور پر اعتماد رکھا ہوا تھا۔ اسٹیج پر جانے سے پہلے اس نے پورا گلاس پانی پیا۔ پڑھائی میں اپنی طبیعت کے باعث وہ نارمل سی ہی تھی۔ یونیورسٹی میں نارمل سے مارکس کے لیے بھی خوب کھپنا پڑ رہا تھا۔

''اسلامی مملکت کے خدوخال'' بولتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے بیٹھے سکندر پر پڑی تو اسے عجیب سی الجھن ہونے لگی۔ اختتامی کلمات کہتے اپنی اشیاء سمیٹ کر وہ چیئر پر آ بیٹھی..... اس کی کلاس فیلو عطرت اب ڈائس پر کھڑی پریزنٹیشن دے رہی تھی۔

عجیب انسان ہے یہاں اپنے سبجیکٹ کے لیے محنت نہیں ہوتی لیکچر لینا عذاب کی طرح لگتا ہے اور کہاں ہمسائے ڈپارٹمنٹ میں آن ٹپکتا ہے۔ وہ سکندر کو دیکھے سوچے گئی۔

☆☆☆

اگلے دن کلاس میں اس کی حالت عجیب سی ہونے لگی۔ ٹھنڈے پسینے اور متلی سی کی کیفیت میں وہ کلاس چھوڑ کر باہر لان میں آ گئی۔ لمبے لمبے سانس لیے اور بیگ ایک طرف رکھتی وہ بیٹھ گئی۔ سر دائیں

www.pklibrary.com

ہاتھ میں گرائے وہ بائیں ہاتھ سے گھاس نوچتی تھی۔ جب سکندر علی نے ایکسیوزمی کہتے اسے متوجہ کیا۔

"مس! کل میں نے آپ کی پریزنٹیشن دیکھی۔ ایک تو سبجیکٹ پولیٹیکل سائنس اور اس پر آپ کا انداز...... آپ بہت اچھی مقررہ بن سکتی ہیں۔ ہمارا انگلش ڈیپارٹمنٹ والوں کے ساتھ کمپیٹیشن ہے ڈیبیٹ کا...... ایک ممبر کم ہے کیا آپ شامل ہوں گی۔"

میرا انٹرسٹ نہیں...... وہ کہنا چاہتی تھی مگر اس کا سانس ایک دم سے پھولنے لگا تھا۔ وہ محض ہاتھ ہی اٹھا پائی۔ سکندر سمجھ نہ پایا کہ وہ اقرار کررہی تھی کہ انکار۔

"ڈیبیٹ میں نے لکھی ہوئی ہے آپ کو صرف اچھے سے بولنا ہوگا۔ ہم پانچ ممبرز ہیں۔ ایک اور چاہیے اگر آپ کوئی گڑبڑ بھی کرتی ہیں تو اس اوکے ہم پانچ سنبھال لیں گے اپنا ٹاپک۔ لیکن مجھے امید ہے آپ بہت اچھی ڈیبیٹ کریں گی۔"

ریسل کچھ بھی بولنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہورہی تھی۔ اس نے بیگ سے بوتل نکالی اور ایک گھونٹ پانی پیا۔ سکندر نے بیگ سے ایک پرچا نکال کر اسے دکھانا چاہا۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ ریسل میں اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ سائیڈ پر ہو کر کال سن لے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"فاطمید" کی طرف سے کال تھی پرسوں اسے بلڈ ٹرانسفیوژن کے لیے جانا تھا یاد دہانی کروائی جارہی تھی۔

"آپ کرلیں گی؟ آئی نو ٹائم کم ہے مگر زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

"جی......" ریسل کے منہ سے بمشکل نکلا...... یہ سوالیہ جی تھا۔ سکندر اسے اثبات میں سمجھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کل دس بجے آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ آجایئے گا۔" سکندر جاتے جاتے رک کر بولا۔

"بابا! آپ مجھے یونی سے پک کرلیں گے؟" کانپتے ہاتھوں سے اس نے میسج ٹائپ کیا۔

رات تک اس کی حالت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ صبح بابا اسے گنگارام لے آئے تھے۔ کچھ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد شام کو انہیں ڈسچارج کردیا گیا۔ ماما اس کے ساتھ اپنے کسی جاننے والوں کے گھر رک گئی تھیں۔ بابا کو کچھ ضروری کام بھی تھے وہ واپس آگئے۔

وہ صوفے پہ ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ صوفے کی سائیڈ پہ بازو رکھا تھا جس پہ کینولا لگا تھا...... وہ اسٹینڈ پہ لگی بوتل میں سے قطرہ قطرہ خون کو اپنے اندر منتقل ہوتا دیکھ رہی تھی۔ یہ خون نہیں زندگی تھی جو قطرہ قطرہ اس کے اندر جارہی تھی، ماما اس کا موبائل لیے آئیں یعنی بابا آچکے تھے۔ وہیں بیٹھے اس نے دوسرے ہاتھ سے موبائل کا لاک کھولا۔ نامعلوم نمبرز سے کئی ایک کالز تھیں ایک دو یونیورسٹی فیلوز کی تھیں۔ سی آر کی تھیں۔ ریسل نے بے دلی سے کال ہسٹری کلیئر کردی۔

"ریسل آپ ٹھیک ہو؟" بابا اور ماما اس سے کئی بار پوچھ چکے تھے۔ وہ قدرے خاموش سی تھی۔

"ٹھیک ہوں......" وہ ٹھیک کہہ رہی تھی...... وہ بس اداس تھی۔ پتا نہیں کیوں۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے اسکین کرنے کے بعد رپورٹ سامنے رکھی۔ اور عنایت کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پرابلم تو کوئی نہیں ہے۔ کتنی دیر ہوئی شادی کو، پنسل پکڑ کر لیٹر پیڈ سامنے رکھا۔

"تین ماہ......"

"تین ماہ؟" ڈاکٹر ماہم نے کچھ لکھتے لکھتے رک کر عنایت کو حیرت سے دیکھا۔

"آپ کو نہیں لگتا آپ کچھ جلدی آگئی ہیں۔ تین ماہ آپ کی شادی ہوئے ہیں۔ ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ آپ کچھ انتظار کرتیں۔"

"میرے شوہر کو بچوں کا بہت شوق ہے اور ہماری فیملی میں بے اولاد جوڑوں کے کیس زیادہ ہیں

www.pklibrary.com

اور جن کے بچے ہیں بھی تو ایک ایک ہیں۔'' عنایت نے رسان سے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے میں آپ کو کنسیو کرنے کے لیے ہلکی پھلکی ٹیبلیٹ دے دیتی ہوں مگر بہتر یہی ہوگا کہ آپ کچھ انتظار کریں۔ کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے۔''

''کتنی دیر ٹیبلیٹ کھانی ہے۔'' عنایت نے رپورٹ پکڑی۔

''ایک ویک''

''جی تھینک یو.....''

وہ رپورٹ اور بیگ پکڑے باہر نکلی..... کبیر درخت کے سائے میں گاڑی پارک کیے کھڑا تھا۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' عنایت کے آتے ہی اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہی ہیں کوئی پرابلم نہیں ہے مگر کچھ عرصہ انتظار کریں۔ ابھی بہت جلدی ہے۔''

''میں تو خود کہیں یہی سمجھا رہا تھا۔ مجھے زیادہ بچوں کا شوق ہے جلدی بچوں کا نہیں..... اچھا ہے کچھ وقت ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور گزار لیں۔'' کبیر نے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''کچھ کھاؤ گی؟ وہ فوڈ اسٹریٹ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ کبیر نے پوچھا۔

''یہاں نہیں..... پیک کروالیں..... اور کسی فارمیسی کے سامنے روکیے گا یہ ایک ٹیبلیٹ لینی ہے۔'' عنایت نے ڈیش بورڈ سے رپورٹ دکھائی۔

☆☆☆

وہ کاریڈور کی سیڑھیوں پر بیٹھی بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ بیسٹ فرینڈ تو کوئی تھی نہیں۔ کلاس فیلوز اور کچھ دوستیں تھیں جو ابھی فی الحال نظر نہیں آرہی تھیں۔

''کچھ اور چھٹیاں کرلیتیں کچھ دن اور چھپ لیتیں مس رسیل صاحبہ.....'' سکندر اس کے سامنے آکر طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''جی.....'' رسیل نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ انکار کردیتیں۔ ہمارے پاس کم از کم کوئی آپشن چوائس تو ہوتی۔ ایک بجے تک آپ کا انتظار کیا اور دو بجے مباحثہ شروع ہوگیا۔''

رسیل لمحہ بھر کو سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''آئی ایم سوری.....''

''آپ نے تو سوری بول دیا بس..... جانتی ہیں ہم نے کتنی ٹینشن اٹھائی؟''

''میں نے اس دن بھی حامی نہیں بھری تھی۔ میں نے ہرگز بھی نہیں کہا تھا میں کروں گی۔ آپ بس اپنی ہی سنائی جارہے تھے۔ میری چپ کو آپ نے اقرار سمجھ لیا۔'' رسیل کو اس کے انداز پہ غصہ آیا۔

''لیکن آپ نے واضح انکار بھی نہیں کیا تھا۔''

''میں اپنے کسی دھیان میں تھی.....'' رسیل اس اذیت کو یاد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''عجیب ہی ہے.....'' سکندر نے زیر لب بولتے الجھن سے اسے دیکھا۔

وہ بلیک جینز کے ساتھ فان کلر کا لمبا سا گول گھیرے کا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ دوپٹا اچھی طرح سر پر سیٹ تھا۔ کف والے بازو وہ کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ تھے۔

''یہ اٹھ کیوں نہیں جاتا۔'' رسیل کو الجھن ہونے لگی۔ چند سیکنڈ انتظار کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گود میں دھرا موبائل زمین بوس ہوا۔ وہ اٹھانے کو نیچے جھکی تب ہی سکندر بھی جھکا۔

''یہ بازو پہ کیا ہوا ہے؟'' سکندر کی کلائی کو دیکھ کر چونکا..... رسیل نے بازو دیکھا نیلا سا نشان تھا۔

''کچھ نہیں.....''

''یہ کینولا لگنے سے بننے والا نشان ہے۔ کیا ہوا آپ کو؟''

''کچھ خاص نہیں..... میری کلاس ہے ایکسکیوز می.....'' رسیل کلاس روم کی جانب بڑھی۔

''آپ بیمار تھیں'' گھر آکر بیگ رکھا ہی تھا کہ اسے سکندر کا میسج موصول ہوا۔

www.pklibrary.com

"نہیں....."

"آئی ایم سوری..... میں نے نجانے کیا کیا کہہ دیا۔"

"اٹس اوکے....." رسیل نے بات ختم کی۔

☆☆☆

عنایت میں اس خوشی کو ڈھیر سارا سلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں۔" کبیر کی خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی گویا.....

"پہلے مامی اور ماما کو بتا دیں....."

گھر جا کے بتائیں گے..... لاگ ڈرائیو یہ چلتے ہیں پھر ڈنر اور واپسی۔"

"بہت لیٹ ہو جائیں گے؟"

"دیکھا جائے گا۔" کبیر نے گاڑی پارکنگ سے نکالی۔

"پلیز۔ آج نصرت کی غزلیں مت لگانا۔" وہ میوزک لگانے لگی تھی جب کبیر نے درخواست کی۔

"نصرت کی غزلوں میں ایک سکون ہوتا ہے۔"

"وہ سکون دراصل میری موجودگی کا ہوتا ہے تم نے ٹھیک سے فیل نہیں کیا۔"

کبیر اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"ایسے گود میں بٹھا کے اپنے بچے کو میں ڈرائیونگ کیا کروں گا۔" کبیر نے سننے بننے شروع کر دیے تھے۔

عنایت نے اسے مسکرا کر دیکھا اور باہر دیکھنے لگی۔

"تم مجھ سے دس ہزار باتیں منوا لو عنایت، مگر میری ایک مان لینا۔"

"کون سی.....؟"

"ہمارے کم سے کم بچے بھی پانچ یا چھ ہوں..... سنبھالنے کی فکر مت کرنا۔"

"یہ ہمارے بس میں نہیں ہے کبیر..... اتنی شدت سے یہ بات مت کیا کریں جتنی اولاد ہماری قسمت میں ہے ہمیں ملے گی..... بس دعا کیا کریں....."

"دعائیں تو بہت ساری ہیں۔"

"کبھی کبھی مجھے بہت ڈر سا لگتا ہے....."

"کیسا ڈر؟"

"ایسے ہی عجیب سا..... جیسے چھٹی حس کوئی اشارہ دیتی ہو۔ زندگی کسی کو اتنا سہل نہیں لیتی، ہماری زندگی میں سب اچھا اور آسان سا ہے....."

"ہاں یہ تو اچھی بات ہے ناں اور انجوائے کرنا چاہیے ایسی باتوں کو، نہ کہ سوچ سوچ کے پریشان ہونا۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔ الحمدللہ

"ڈنر کہاں سے کرنا ہے؟"

"کچھ باربی کیو ٹائپ کا دل کر رہا ہے۔"

"اوکے....." کبیر نے انگیٹھی (ریسٹورنٹ) کے سامنے گاڑی روکی۔

☆☆☆

سر کاشف کی کلاس چل رہی تھی..... جب بادل جرنا شروع ہوئے۔ چند لمحوں کی گرج چمک کے بعد بارش شروع ہو گئی۔

"سر! باہر موسم رو رو کر منتیں کر رہا ہے کہ ہمیں بخش دیں۔" پچھلی رو میں بیٹھا کامران بولا۔

"لو بخش دیا....." سر نے مسکراتے ہوئے چشمہ اتارا۔

سر کے جاتے ہی سب اسٹوڈنٹس یوں باہر نکلے گویا قید میں تھے۔ کاریڈور نولیوں سے آباد ہوئے، کلاس روم ویران پڑے تھے۔ واحد رسیل تھی جو کرسی پہ بیٹھی باہر کی رونق تکتی تھی۔

"جنید....." سکندر بلند آواز سے پکارتا ہوا اندر آیا۔

"جنید کہاں ہے؟" سکندر نے رسیل سے پوچھا جواباً اس نے کندھا اچکائے۔

وہ چند لمحے اسے تکتا باہر چلا گیا۔

"ہمارے ڈیپارٹمنٹ والے سارے ہی روکھے پھیکے سے ہیں..... انابیہ اس کے قریب کرسی پہ بیٹھی دہائی دے رہی تھی۔"

www.pklibrary.com

''کیا ہوا؟''

''آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ والے ٹی پارٹی کر رہے ہیں پکوڑے بنا رہے ہیں۔ سب جائے تو نوش فرما رہے.....''

''کینٹین سے لے لو۔''

''وہاں سے خاک مزا آئے گا۔ سکندر رانا جنید کو لے گیا ہے۔ تمہاری کوئی جان پہچان نہیں آئی ٹی ڈپارٹمنٹ میں کسی سے۔ انابیہ برا سا منہ بناتی پوچھ رہی تھی۔''

''تم جانتی ہو میں اکلوتی ہوں۔''

''اور اکلوتی ہی رہو گی..... بندہ کسی سے جان پہچان بنا لیتا ہے۔ سارا دن اسی کرسی پر بیٹھی رہتی ہو۔''

''تم بنا لو ناں جان پہچان۔''

''پاس سے گزرتی ہوں شاید کوئی انوائٹ کر لے۔'' انابیہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

''مس رسیل! ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے چائے پکوڑوں کی دعوت ہے آجایئے.....'' چند منٹس بعد ہی سکندر آ کر کہہ رہا تھا۔

''شکریہ.....'' رسیل نے نرمی سے انکار کیا۔

چند لمحوں بعد کسی لڑکی نے پلیٹ اس کے پاس لا کر رکھی..... آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ والوں کی طرف سے ڈسپوزیبل پلیٹ میں پکوڑے تھے اور کپ میں چائے..... رسیل وہیں بیٹھے نوش فرمانے لگی۔ پلیٹ کے نیچے نوٹ تھا۔

''میرا حصہ انجوائے کیجیے اور مزید انجوائے کرنا ہو یا شکریہ بولنا ہو تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ آجایئے گا۔''

رسیل چند لمحے کھڑی سوچتی رہی۔ پھر بیگ کندھے پر ڈالے باہر نکل آئی..... قدم خود بخود آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ کی رونق دیکھنے کو مچل گئے۔

پروفیسرز اسٹوڈنٹس سب چائے انجوائے کر رہے تھے کاریڈور میں سلنڈر رکھا تھا۔ کیتلی میں چائے بن رہی تھی۔ پاس ہی دودھ کے پیکٹ، پتی چینی رکھی تھی۔ ڈسپوزیبل کپ کی لائن تھی۔ ایک گروپ آتا اور بنا کے لے جاتا۔ تھوڑی دور لڑکیوں کا ایک گروپ کاغذ کی کشتیاں بنا کر رکھے ہوئے پانی میں بہا رہا تھا۔ ہر کوئی زندگی سے بھرپور تھا۔ ہر کوئی زندگی انجوائے کر رہا تھا۔ رسیل کی آنکھوں میں محسوس کرنے والی حسرت تھی۔ وہ پلر کے ساتھ لگی سب دیکھتی رہی۔ اچانک زندہ کینوس میں سے سکندر ابھرا اور سب پہ حاوی ہوا۔ سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ ایک وجود منظر پہ نمایاں تھا اور آہستگی سے آگے بڑھتا تھا۔ کالے بادل گھر کر آئے تھے۔ ہوا مدھر سا گنگنائی تھی۔ سکندر اس کے قریب آ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کی سماعتیں نہال سی سکندر کو سنتی تھیں۔ وہ سننا بھول گئی تھیں۔ سب ایک دم سے کتنا حسین سا ہو گیا تھا ناں..... اس کی ہر حس کی بصارت متوجہ تھی اور صرف بصارت ہی متوجہ تھی..... سکندر نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ بادلوں نے زور سے گرج کے متوجہ کرنا چاہا۔ رسیل کسی خواب کی سی کیفیت سے جاگی۔ سکندر بے ساختہ اسے سہارا دینے کو ایک قدم آگے بڑھا۔

''میں نہیں ڈرتی بادلوں کی گرج سے۔'' اس کا لہجہ خواب زدہ سا تھا..... اور جس سے ڈرتی تھی وہ ہو گیا تھا شاید.....

''چائے پی لی اور چاہیے؟'' سکندر نے اس کی ہراساں آنکھوں میں جھانک کر پوچھا.....

رسیل کی آنکھیں راہ بھولے مسافر سی ڈری ہوئی خوف زدہ سی حرکت کرتی تھیں۔

''شکریہ.....'' وہ وہاں سے پلٹ گئی۔

سکندر کھڑا رہ گیا چند ایک بوندیں اس کو بھگونے لگی تھیں۔ سر جھٹکتا وہ کاریڈور میں آیا۔ دو آنکھیں اپنا احساس اس کے پاس چھوڑ گئی تھیں اور وہ اسی احساس کے زیر اثر تھا۔

بارش کی نوکیلی بوندوں میں تیزی آ رہی تھی۔ رسیل ایک لائن میں سیدھی چلتی خود سے الجھتی جا رہی تھی۔ ''تمہیں کوئی حق نہیں خواب بننے کا؟ کس آس پہ دیکھا ہے کوئی خواب؟ ہے کیا تیرے پاس؟'' اس

www.pklibrary.com

نے خود سے ہی اتنی بے رحمی سے پوچھا کہ آنکھیں چھلک پڑیں آنکھوں نے اپنے اندر گڑا سپنا آنسوؤں میں بہا دینا چاہا..... ''گارنٹی ہے زندگی کی تیرے پاس؟'' خود سے خود کو بھالا مارا۔

''وہ کس کے پاس ہے؟'' دل لپک کر وکالت کرنے کو آیا۔

''باقی سب کے پاس امید تو ہے ناں.....''

''وہ تمہارے پاس بھی ہے۔''

''یقین ہوتا ہے.....''

''وہ سب نارمل انسان ہوتے ہیں۔''

''تم بھی ہو۔''

''ان کے اندر خوف نہیں ہوتا۔''

''تم بھی مت پالو.....'' دل ڈوبتا ہوا تھا۔

''کیسے نہیں پالوں.....؟''

''تیئس سال جی لی ہوناں.....''

''کیسے جی ہوں تم جانتے ہو.....'' آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ ان کی روانی بارش سے کہیں زیادہ تھی.....

تب ہی کسی گاڑی نے پاس آ کر زور سے ہارن دیا۔ رسیل نے مڑ کر دیکھا۔ بابا تھے.....

''کہاں جا رہی ہو رسیل؟''

''گھر.....''

''پیدل؟''

''بابا! ایسے ہی بادل دیکھ کر یونی سے نکل آئی.....''

''آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ رسیل بھیگے کپڑوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی.....

کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے داہنی جانب دیکھا بابا بہت خاموش اور اداس سے تھے۔ بارش کا موسم خوش گوار سمجھا جاتا ہے لیکن پتا نہیں کیوں اداسی بھر دیتا ہے۔

''بابا! چائے پی کر جائیے گا.....'' گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تو گویا وہ بھی کسی خواب سے جاگے تھے۔ اندر آ کر اس نے ماما کو بابا کے آنے کا بتایا اور خود کمرے میں شاور لینے گھس گئی۔

☆☆☆

حرا بے بسی سے کبیر کی جانب دیکھا۔ وہ مگن سا فون کال سن رہا تھا۔

''سر پلیز.....'' حرا نے چوتھی بار پوچھنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کیا۔

''مس حرا! آپ ابھی تک یہیں ہیں؟'' مدیحہ پیچھے سے آ کر بولی۔

''یار! سر کی ارجنٹ میٹنگز میرا کباڑا کر دیتی ہیں۔ ایک ایک ورکر کے پاس جا کر بتانا پڑتا ہے۔ سر کبیر پچھلے دس منٹ سے کال پر بزی ہیں..... سن ہی نہیں رہے۔''

''کوئی خاص کال ہوگی۔ گرل فرینڈ وغیرہ کی.....'' مدیحہ نے آنکھ دبائی۔

''بیوی کی ہے.....'' حرا نے برا سا منہ بنا کے بتایا۔

''سر کبیر میریڈ ہیں؟'' مدیحہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اور کیا.....''

''لو میں ایویں انہیں آئیڈیل بنائے بیٹھی تھی۔''

''پہلی فرصت میں آئیڈیل بدلو۔ نہ صرف میریڈ ہیں بلکہ لو میرج ہے روز آفس سے پانچ کالز بیوی کو کرتے ہیں پانچ گھنٹوں میں۔''

''ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے، سارے اچھے چیزلو میرج میں نکل جاتے ہیں ''گزارے'' ہمارے لیے رہ جاتے ہیں۔'' مدیحہ نے مصنوعی دہائی دی۔

سر! ارجنٹ میٹنگ کال کی گئی ہے جلد پہنچیے..... حرا نے تیز تیز چلتے پیچھے آتے کبیر کو کہا۔

مس مدیحہ کیا کہہ رہی تھیں؟'' انہوں نے شاید کچھ سنا تھا۔

افسوس کا اظہار کر رہی تھیں۔ تفصیل پھر سہی۔

میٹنگ روم میں سب اپنے خیالات پیش کر رہے تھے اور کبیر عنایت کو میسج کرنے میں مصروف تھا۔

www.pklibrary.com

''سنو! سر ایک سب آفس بنانا چاہ رہے ہیں تمہارے میکے شہر میں اور مجھے باس بنا کر بھیجنا چاہ رہے۔

''روزٹریول کروگے؟''

''نہیں ویک میں تین دن۔''

او کے ایکسپٹ کرلو.....''

''ڈن سر.....'' کبیر مضبوط آواز میں بولا۔

☆☆☆

''ماما! میں یونی چھوڑنا چاہتی ہوں.....'' کب کے کناروں پہ انگلی پھیرتے بغیر سوچے رسیل بولی تھی۔

''اب تو کچھ ہی ماہ رہ گئے ہیں تمہاری ڈگری مکمل ہونے کو.....'' ماما نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''جی..... لیکن میں بور ہوگئی ہوں.....''

''گھر رہ کے کیا کروگی.....؟''

''کچھ کرنا ضروری ہے زندگی میں؟'' اس کے اوپر لپٹا مایوسی کا خول چٹخا۔''

ماما نے اچنبھے سے اسے دیکھ کر بال سہلائے اور اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا۔

اور اگلے دن وہ یونی جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ پورا راستہ وہ سکندر کا سامنا نہ ہونے کی دعا میں کرتی آئی تھی۔ اور دانستہ سارا دن روم میں رہی تھی۔ واپسی پہ پوائنٹ کی جانب بڑھتے وہ اسے نظر آیا اس نے خاموشی سے گزر جانا چاہا پر وہ راہ روک کے کھڑا ہوگیا۔

''آپ کل کچھ بھول گئیں تھیں رسیل۔''

''کیا؟'' رسیل نے حیرت سے اسے دیکھا۔''

''کچھ ہے جو نظر نہیں آتا مگر میں اسے اپنے پاس پاتا ہوں.....'' سکندر کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''مسٹر! مجھے ایسی فضول لغویات پسند نہیں..... یہ یونیورسٹی ہے اور یہاں ہم تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ نہ آپ میرے کلاس فیلو ہیں نہ میں آپ کو جانتی ہوں..... آئندہ پلیز، میرے راستے میں مت آیئے گا۔'' سختی سے کہتی وہ پوائنٹ کی جانب بڑھی۔ گھر آ کر بغیر چینج کیے وہ لیٹ گئی۔

''مجھے اپنے رویے پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ سکندر سے یہ سب کہنا ضروری تھا۔ وہ میرا کوئی نہیں ہے.....'' رسیل نے کئی ایک بار لیٹے لیٹے خود کو باآواز بلند سمجھایا۔ اک خاموشی اور مایوسی اس کے وجود پر حاوی رہی۔

☆☆☆

وہ دونوں پرجوش سے شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔ مما کو ایک ایک چیز دکھاتے دونوں خوشی سے بے حال تھے۔ کیری کاٹ، پرام، کپڑے، جوتے اور دیگر کئی استعمال کی اشیاء۔

''اللہ برتا نصیب کرے'' مما ہر چیز دیکھ کر دعا دیے گئیں۔

''اب ریسٹ کرو آپ دونوں.....'' مما نے سب کچھ دیکھنے کے بعد سمیٹ دیا۔

''ایک کپ چائے نہ پلوادیں گی؟''

''سنا نہیں مما نے کہا ہے ریسٹ کریں.....''

''قدر ہی نہیں ہے..... آج آفس میں ایک لڑکی کہہ رہی تھی اسے مجھ پر کرش ہے۔''

''اسے کہو کریش ہوجاؤ.....''

''مجھے تو ترس آیا ہے چاری پر۔''

''کبیر.....'' عنایت نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''سوری سوری..... کافی آرڈر کرنے لگا ہوں، پیو گی!''

''نہیں.....'' وہ بیڈ پر نیم دراز ہوئی۔

''صبح آپ کے میکے والے آفس جانا ہے، چلو گی؟''

''چلی تو جاؤں پر تھکاوٹ بہت ہوجاتی ہے۔ آپ ماما کو لیتے آیئے گا۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ جب تک بے بی نہیں آتا تم مت سفر کرنا، میں پھپھو کو لے آیا کروں گا..... جب جب تم اداس ہو.....''

www.pklibrary.com

اور چند ہی دنوں بعد عنایت نے ایک خوب صورت سی گل گوتھنی بچی کو جنم دیا...... سب بے حد خوش تھے اور بچی کو اٹھانے کے لیے ٹائم فکس کیے گئے۔ عنایت کی باری تب آتی بچی کو بھوک لگتی مشترکہ رائے سے بچی کا نام رسیل حسین طے پایا گیا۔

☆☆☆

سکندر دو تین بار ان کے ڈیپارٹمنٹ آیا۔ رسیل سے سامنا ہوتا تو اس کی نگاہیں شکوہ کناں محسوس ہوئیں۔ رسیل نظر انداز کر دیتی۔ کیا کرتی؟

یونی کے قریب تھیلیسیمیا پیشنٹ کے لیے بلڈ ڈونیشن کا کیمپ لگا تھا۔ کئی ایک اسٹوڈنٹس بلڈ ڈونیشن کے لیے جا رہے تھے۔ کئی ایک دوسروں کو کنوینس کر رہے تھے۔ رسیل کا پیریڈ فری تھا۔ وہ بھی یونہی چکر لگانے کو آئی۔ ڈاکٹر زمان بھی موجود تھے یہ بچپن سے اسے اسسٹ کرتے آئے تھے۔ رسیل کا حال پوچھا چند ایک ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر زمان اسے چھوڑنے آئے۔ دروازے کے قریب سکندر کسی فیلو کو گھیرے کھڑا تھا۔

''یار پلیز، جوس کے ڈبے کی خاطر ہی دے دے خون...... آخری قطرہ نکلے گا اور جوس فوراً پلایا جائے گا......''

''یار! یہ فراڈ ہوتے ہیں تھیلیسیمیا پیشنٹ کا کہہ کر لے جاتے ہیں اور بیچتے ہیں۔'' دوسرے کی آواز آئی۔

''اوکے ڈاکٹر! اللہ حافظ......'' رسیل یونی کی جانب بڑھی۔

''اللہ حافظ......'' ڈاکٹر زمان اسے کہہ کر سکندر کی جانب آئے۔

''یار! ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے یہ تو نیکی کا کام ہے، اپنی خوشی سے جو بھی دینا چاہے بلڈ...... لیکن ہمیں فراڈ مت کہو...... آپ کسی سے بھی ہمارے متعلق پوچھ سکتے ہو...... ہماری فاؤنڈیشن کا ایک نام ہے پورے ملک میں...... پھر بھی یقین نہیں۔ تو اپنی یونی فیلو رسیل حسین سے پوچھ سکتے ہو۔ بچپن سے ہماری پیشنٹ رہی ہے......'' ڈاکٹر زمان کی بات پر سکندر بری طرح چونکا...... دوسرا لڑکا سکندر کو ڈھیلا پڑتا دیکھ کر کھسک لیا۔

''رسیل حسین کے متعلق کیا بتا رہے تھے ڈاکٹر، وہ تھیلیسیمیا پیشنٹ ہے؟''

''جی ہاں......''

''کب سے؟''

''بہت بچپن سے......''

''لیکن وہ نارمل ہے......''

''بلڈ وقت پر لگواتے رہیں تو تھیلیسیمیا پیشنٹ نارمل پرسن ہوتے ہیں۔''

سکندر خاموشی سے پلٹ آیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے نیل پڑی کلائی آئی...... وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ جانے کے بجائے بے دھیانی میں رسیل کی کلاس میں چلا آیا تھا۔ دو چار روز وہ رسیل کو بغور دیکھتے پایا گیا تھا۔ ایک دن جب وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا رسیل پاس سے گزری تو بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

''آپ ٹھیک ہیں۔''

''جی اور آپ بھی ٹھیک رہیں۔''

وہ پھر اکثر ہی ان کے ڈیپارٹمنٹ آنے لگا تھا۔ ایک عجیب سا شاک تھا جس سے وہ نکل ہی نہ پا رہا تھا۔

وہ رانا جنید کے ساتھ بیٹھا گپ شپ لگا رہا تھا جب مانوس سی آواز آئی۔

''سی آر...... یہ اسائنمنٹ......''

''مس رسیل! پلیز میں کلاس میں آل ریڈی اناؤنس کر چکا ہوں کہ کل لاسٹ سیکنڈ مجھے اسائنمنٹ جمع کروائی جائے، نہ ایک دن پہلے نہ بالکل آخری دن۔''

جنید نے رسیل کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔ سکندر کی اس کی جانب پشت تھی۔ یا تو وہ سکندر کو پہچان نہیں پائی تھی یا پھر جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی

www.pklibrary.com

تھی۔

"پھر میں دو دن یونی نہیں آپاؤں گی۔"

"پلیز یار! لے لے......" سکندر نے اسے جلدی سے نہ صرف میسج کیا تھا بلکہ آنکھوں سے التجا بھی کی۔

"او کے۔" رانا جنید نے اسائنمنٹ پکڑی۔

"وہ شکریہ" کہتی آگے بڑھی۔

"لو سنبھالو خود ہی...... میں تو کل ہی لوں گا......" جنید نے فائل اسے تھمائی۔

"ایک تو یہ لڑکی ہر چار دن بعد چھٹی پہ ہوتی ہے۔"

"کوئی مجبوری ہوگی۔"

"تو بڑی سائیڈ لے رہا ہے۔ خیر تو ہے ناں......"

"خیر ہے تو لے رہا ہوں ناں...... چل کینٹین سے چائے پلاتا ہوں تجھے......" سکندر نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

☆☆☆

گل گوتھنی سی ریسل چوتھے ماہ میں کچھ کمزور ہونے لگی تھی...... عنایت اس کی خوراک کا خاص خیال رکھنے لگی تھی بار بار فیڈر بوائل کرتی۔ ممانی بار ہا مالش کرتیں...... وہ دودھ پینے میں ہی کئی ایک نخرے کرتی۔ عمر اتنی کم تھی کہ دودھ کے علاوہ کچھ اور کھلا پلا بھی نہ سکتے تھے۔ پانچواں مہینہ لگنے تک وہ بے حد کمزور ہوگئی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق بظاہر وہ نارمل بچی تھی۔ انہی دنوں کبیر کے والد کی اچانک ہی ہارٹ اٹیک سے ڈیتھ ہوگئی۔ سب غم سے نڈھال تھے۔ کسی کو بھی کسی کی چند ایک دن تو ہوش نہ رہا۔

زندگی روانی کا نام ہے۔ سب دوبارہ سے نارمل روٹین کی جانب آئے کبیر آفس جانے لگا۔ عنایت کی توجہ ریسل اور گھر کے کاموں نے بٹالی۔ پھپھو زیادہ وقت تسبیح پڑھتی پائی جاتیں۔

ماما ملنے آئیں تو ریسل کو دیکھتے حیران ہوئیں۔

"یہ اتنی پیلی کیوں ہے؟ جیسے خون کی ایک بوند

"کچھ کھاتی ہی نہیں ہے ماما۔ ویک ہو رہی ہے اس لیے......"

"چیک اپ کروایا تھا؟"

"جی۔ پھپھا کی ڈیتھ سے پہلے کروایا تھا۔ ڈاکٹر نے سب نارمل بتایا۔"

"ڈاکٹر انعم اشرف سے چیک کروا کر دیکھو......"

"پھپھو ساتھ آ نہیں سکتیں عدت کی وجہ سے، اکیلے گھر کیسے چھوڑیں؟

کبیر نے جس دن سب آفس آنا ہو تم آ جانا ساتھ۔ اتنی دیر تک نگہت کے پاس کام والی ہوگی۔"

ماما نے حل پیش کیا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ کبیر آتے ہیں تو میں بات کرتی ہوں۔"

اور دو دن بعد عنایت ریسل کو لیے کبیر کے ساتھ آئی۔ کبیر اسے ماما کے گھر چھوڑ کر آفس چلا گیا۔ دس بجے وہ ماما کے ساتھ ڈاکٹر انعم اشرف کے کلینک آئی۔

ڈاکٹر نے تفصیلی چیک اپ کیا۔

"بظاہر تو کوئی مسئلے والی بات نہیں لگ رہی۔ پہلا بچہ ہے یہ آپ کا؟"

"جی......"

"کتنی دیر ہوگئی شادی کو۔"

"تقریباً ڈیڑھ سال۔"

"نارمل ہوئی تھی بچی؟"

"جی بالکل۔"

"شادی اپنوں میں ہوئی تھی یا غیروں میں......"

ڈاکٹر انعم نے لیٹر پیڈ اپنے آگے کھسکایا۔

"اپنوں میں......" "میری پھپھو کے بیٹے ہیں میرے ہزبینڈ۔"

"اچھا!!!...... آپ ایسا کریں بچی کا ایک تھیلیسیمیا کا ٹیسٹ کروالیں۔ کزن میرج ہے ناں۔"

www.pklibrary.com

''جی.....؟'' عنایت کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔

''ابھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ٹیسٹ کروا کے رپورٹ لے آیئے گا پھر دیکھتے ہیں۔ میں وقتی طور پر بچی کے لیے ایک دوٹانک لکھ دیتی ہوں۔''

''جی شکریہ.....'' عنایت گھر آ کر بھی پریشان ہی رہی۔

ڈاکٹر نے ویسے ہی تسلی کے لیے کہا ہے تم دیکھنا ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کبیر تسلی دے رہا تھا مگر درحقیقت وہ خود بھی اندر سے ڈرا ہوا سا لگتا تھا۔

اگلے دن ہی ٹیسٹ ہوگیا۔ دو دن بعد رپورٹ بنی تھی اور ان کے بدترین خدشات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ رسیل کو تھیلیسیمیا تھا۔ رپورٹ انہوں نے مختلف ڈاکٹرز کو دکھائی مگر سب کا یہی کہنا تھا۔ اور واحد حل بھی بلڈ ٹرانسفیوژن ہی تھا۔ وہ لاہور کے سب سے منجھے ہوئے ڈاکٹر الیاس اور لیس کے پاس بھی گئے۔

''بچی کا جو ہونا تھا ہو چکا۔ آپ اپنا اور اپنی بیوی کا تھیلیسیمیا کا ٹیسٹ کروائیں۔ بلکہ آپ کو شادی سے پہلے ہی کروالینا چاہیے تھا۔ باہر ممالک میں یہ لازم ہے۔ پاکستان میں خدا معلوم کیوں اس طرف لوگوں کا رجحان کم ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو تو کم از کم اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے۔'' ڈاکٹر الیاس ٹیسٹ لکھ کر دیتے کہہ رہے تھے۔

کہانی اتنی بھی سادہ نہیں ہے..... تھوڑی اسپیڈ سے بتاؤں گی آپ صبر کا دامن تھام رکھیے گا۔

☆☆☆

آج ان کے ڈپارٹمنٹ میں الوداعی تقریب تھی۔ رسیل آنا تو نہیں چاہتی تھی مگر ایسے موقع روز روز آتے ہی کہاں ہیں۔ پڑھائی ختم ہو رہی تھی۔ پریکٹیکل لائف میں کہاں وقت ہوتا ہے۔ ایسی پارٹیز کا۔ اس بہانے سب دوستوں سے ملاقات بھی ہو جاتی۔ اس نے شائننگ پنک کلر کا ڈریس پہنا تھا۔ سفید کھسہ اور میک اپ کے نام پہ مسکارا اور شائننگ پنک کلر میں ہی ہلکی سی لپ اسٹک۔

سکندر حسب معمول ان کے ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ جنید سے باتیں کرتے اس کی نظر رسیل پر پڑی تھی اور ٹھہر رہی..... پہلے وہ جہاں بھی ہوتی سکندر کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی۔ مگر آج تو وہ نظر ہی نہ ہٹا پا رہا تھا۔ رسیل کا وجود مقناطیس بنا ہوا تھا اور وہ لوہے کی راڈ.....

''میں اتنا کیوں اس کی جانب مبذول ہو رہا ہوں..... کیا مجھے اس سے ہمدردی ہے؟''

سکندر نے دل ٹٹولا..... یہ ہمدردی سے کچھ بڑھ کر تھا۔ جنید کب کا جا چکا تھا وہ ہنوز وہیں براجمان تھا۔

رسیل اس کے پاس سے گزری تو وہ بے ساختہ پکار بیٹھا۔ ''رسیل.....!''

''جی.....'' وہ رکی تھی.....

''آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں.....'' بغیر سوچے سمجھے وہ دل کی مان بیٹھا تھا۔

''اپنی نگاہوں کو اپنی حد میں رکھیے.....'' وہ دھیمے سروں غرائی تھی۔

''اور دل جو آپ کی حد میں جا پڑا ہے.....''

''مجھے دلچسپی نہیں.....'' وہ آگے بڑھ گئی۔

دل اسی لمحے کا سیر ہوگیا۔ اس کا من اندر بالکل خالی عمارت ہوگیا جہاں اسی کا کہا فقرہ گونجتا تھا۔ مجھے دلچسپی نہیں مجھے دلچسپی نہیں اور تھک ہار کے ایک کونے میں سمٹا.....

''رسیل آئیں کھانا لگ گیا ہے.....'' کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ وہ آگے بڑھتی رہی..... دل چیختا چلاتا رہا..... کسی ضدی بچے کی طرح پاؤں سے لپٹا واپس چلنے کو کہتا رہا..... وہ آگے بڑھتی رہی اور بے بسی آنکھوں کے راستے ٹپکتی رہی.....

''کیا واقعی تمہیں دلچسپی نہیں؟'' رات سکندر کا میسج آیا۔

''قطعی نہیں.....''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔ کہیں بھی واردات ہو تو لوٹنے والا اور لٹنے والا دونوں متاثر ہوتے ہیں۔''

www.pklibrary.com

"تم میرے بارے جانتے ہی کیا ہو؟"

"سب کچھ......"

رسیل چند لمحے اس کا جواب حیرانی سے دیکھتی رہی پھر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"تو پھر یہ بھی جانتے ہو گے کہ میرے پاس ماہ وسال کے چند ہی سکے ہیں۔"

"کسی کو بھی یہ تو کنفرم پتا نہیں ہوتا رسیل...... مگر سب ہی امید رکھتے ہیں خواہشیں پوری کرتے ہیں...... سکوں سے ملتا ہی کیا ہے؟ سکوں سے خواہشیں نہیں پالی جاتیں۔ اور تمہیں کیا معلوم یہ سکے سونے کے ہوں؟ سونے کے سکوں سے تو خواہشیں پوری ہو ہی سکتی ہیں ناں۔"

اس کی ذات میں ہی اسیر کر لینے کی خوبی نہیں تھی فقط۔ وہ گفتگو کے فن میں بھی ماہر تھا۔ الفاظ میں الجھا لینے والا۔ باتوں میں پھنسا لینے والا...... رسیل نے موبائل آف کر کے رکھا...... یہ تو طے تھا کہ دونوں کی دوبارہ ملاقات نہیں ہونے والی تھی۔ چند دن جاتے تو دونوں بھول جاتے ایک دوسرے کو...... شاید......

☆☆☆

ڈاکٹر الیاس نے کبیر اور عنایت کو اپنے کلینک بلوایا تھا۔ ابھی پرسوں ہی رسیل کو بلڈ لگا تھا۔ تھوڑی سی طبیعت سنبھلی تھی۔ وہ دونوں رسیل کے پاس تھے...... دونوں ایک دوسرے سے اپنا غم چھپاتے تھے۔ ایک دوسرے کو تسلی دیتے تھے۔

"کوئی بات نہیں پندرہ دن بعد بلڈ لگوا لیا کریں گے۔ دیکھنا ایک دن یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی......"

"ہمیشہ بلڈ لگوانا پڑا تو؟"

"کوئی بات نہیں ہمیشہ لگوا لیں گے۔ کبیر نے عنایت کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔"

"کتنے سال یہ ڈیوٹی نبھائیں گے......"

"جب تک زندہ ہیں۔"

"جب بوڑھے ہو جائیں گے تو؟"

"تو ہمارے باقی بچے یہ ڈیوٹی نبھائیں گے۔ اللہ رسیل کو صحت والی لمبی زندگی دے۔"

رسیل کو مما کے پاس چھوڑ کے وہ دونوں ڈاکٹر الیاس کے پاس آئے تھے۔ ویٹنگ روم میں بیٹھے دو تین بار گھر کال کر کے پوچھ چکے تھے۔ رسیل خیریت سے تھی اور سو رہی تھی...... رسیل کی بیماری نے دونوں کے اعصاب سن کر دیے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں......" ریسپشنسٹ کی آواز پہ دونوں اندر کی جانب بڑھے......

ڈاکٹر الیاس نے انہیں سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ دونوں باشعور ہو اس لیے میں آپ سے صاف اور سیدھی بات کروں گا......" ڈاکٹر صاحب نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ بوتل سے دو گھونٹ پانی پیا۔ آپ لوگوں نے غلطی کی۔ شادی سے پہلے آپ کو ٹیسٹ کروانا چاہیے تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب! پلیز بتایئے ناں۔ ہماری رسیل کے متعلق کوئی بات ہے؟" عنایت ملتجی لہجے میں بولی۔

"نہیں۔ آپ دونوں کی رپورٹس ہیں...... ڈاکٹر الیاس نے سامنے رکھی رپورٹس کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ دونوں کے آئندہ آنے والے بچے یا تو وفات پا جایا کریں گے یا تھیلیسیمیا کے مریض ہوں گے۔ آسان الفاظ میں کہوں تو آپ دونوں کے اندر تھیلیسیمیا کے جراثیم موجود ہیں۔ آپ دونوں مزید بچے چاہتے ہیں تو اپنی زندگی کی بابت فیصلہ کر لیجیے...... سادہ الفاظ میں اگر میں کہوں تو مزید بچوں کے لیے آپ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لیے مہلک ہے۔"

اور عنایت کو لگا پورا آسمان اس کے اوپر آ گرا ہے۔ زمین بوجھ اٹھانے سے انکاری ہے۔ کبیر بھی ششدر رہ گیا۔ کتنے لمحے لگے تھے دونوں کو سنبھلنے میں۔

کیا یہ کوئی مذاق تھا...... عنایت نے بغور ڈاکٹر کو دیکھا۔ وہ مزید بھی کچھ کہہ رہے تھے۔ مگر سماعتیں

www.pklibrary.com

اپنے وجود سے ہی انکاری تھیں۔ اس نے کبیر کو کھڑے ہو کر ڈاکٹر سے ہاتھ ملاتے دیکھا تھا۔ پھر اس نے بازو سے تھام کر اسے کھڑا کیا تھا۔ وہ اسے سہارا دیتے گاڑی تک لایا تھا۔ یہ شخص اس کے لیے مہلک تھا؟ یہ شخص..... اس نے رخ موڑ کر کبیر کو دیکھا۔ یہ چہرہ اسے دنیا کا حسین ترین لگتا تھا۔ یہ شخص تو مہربان بن کر اس کی زندگی میں آیا تھا۔ بہت پہلے شاید تین عجر میں ہی اس کے نام پہ ہی عنایت کی دھڑکنیں مچل جایا کرتی تھیں۔ یہ اس کی پہلی محبت تھی۔ بچی عمر کی پہلی محبت۔ اب تو رگوں تک میں اس کی محبت بستی تھی کیسے نکال سکتی تھی۔ وہ وہ چوائس میں چھوڑ دینا والا شخص تھا ہی نہیں وہ تو اولین محبت تھا۔ نہیں نہیں وہ ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ پائیں گے۔ عنایت کے لبوں سے سسکاری نکلی۔ ڈرائیونگ کرتے کبیر نے بائیں ہاتھ سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

گاڑی سگنل پر رکی تھی۔ مانگنے والی بچی لپک کر آئی۔

"پیسے دے دو باجی۔ بھوک لگی ہے، کھانا کھانا ہے۔ اللہ آپ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔"

"آمین" کبیر اور عنایت کے ہر روآں نے کہا تھا۔ عنایت کا ہاتھ پرس کی جانب رینگا.....

"اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو چاند سا بیٹا دے....."

بچی کی اگلی بات عنایت کو ڈنک کی طرح لگی۔ پورا وجود نیلا پڑ گیا..... ہر مسام سے درد کا چشمہ ابلا..... چاند سا بیٹا.....

عنایت نے کبیر کی طرف دیکھا۔ وہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا۔ اسے تو بہت ساری اولاد چاہیے تھی..... بیٹے بھی بیٹیاں بھی..... اکلوتا تھا کبیر..... کیسے نسل چلے گی اس کی..... وہ دے ہی کیا پائی تھی کبیر کو، ایک بیمار بیٹی..... آنسو نگاہوں کے راستے نکلنے کو بے تاب تھے۔

گھر آتے ہی وہ سیدھا بیڈ روم کی طرف آئی اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ بیڈ پہ اوندھے گرتا سیال آنکھوں سے بہنے لگا۔ کبیر وقفے وقفے سے دروازہ بجاتا رہا تھا۔ وہ پورے اہتمام سے غم مناتی رہی تھی۔ دکھ کی سنگت میں رہی تھی۔ درد کے پہلو میں تھی۔ اسے رسیل کی بھی پروا نہیں تھی۔ ممانی ساری رات رسیل کو سنبھالنے میں ہلکان رہیں۔

☆☆☆

اگلے دن صبح دس بجے اس نے لاک کھولا..... سب غم خود پر سے جھٹکتی وہ باہر آئی..... کبیر ڈائننگ ٹیبل پہ سر رکھے بیٹھا تھا۔ اسے ایسے بیٹھے دیکھ کر عنایت کے دل کو کچھ ہوا مگر مضبوط قدموں وہ اس کے پاس آئی.....

"عنایت! تم ٹھیک ہو آؤ بیٹھو میں چائے بناتا ہوں....."

وہ خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھی۔ کبیر چائے کے دو مگ بنا لایا۔ ساتھ سینڈوچ بھی تھے۔

"عنایت....." کبیر بولا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

"مجھے طلاق چاہیے....." مگ رکھتے ہی وہ بولی تھی۔

"کیا؟" کبیر کے چودہ طبق روشن ہوئے۔

"مجھے طلاق چاہیے....."

"تم اپنے حواس میں نہیں ہو..... ابھی کچھ مت بولو، پلیز عنایت....."

"تمہیں ایسا لگ رہا ہوگا..... دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں....." عنایت نے کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے۔

"تم ڈاکٹر کی باتوں کو بھول جاؤ عنایت....."

"اوکے، بھول گئی....." وہ نارمل تھی۔

"ہم ایک اچھی زندگی گزاریں گے....."

"بشرطیکہ تم مجھے طلاق دے دو۔" وہ پرسکون لہجے میں بولی۔

"عنایت! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" کبیر نے اس کے دونوں ہاتھ تھامنے چاہے۔ عنایت نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

www.pklibrary.com

تب ہی ممانی بھی اندر سے آئیں۔

"اتنی جلد بازی میں فیصلہ مت کرو عنایت۔" انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔

"ایک دن یہی فیصلہ ہوگا تو ابھی کیوں نہیں پھپھو؟"

"میں رسیل کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا عنایت۔"

"مجھے تمہارا دیا ہوا کچھ بھی نہیں چاہیے۔" عنایت دوٹوک بولی۔

ممانی افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے اندر چلی گئیں۔

"آپ جائیے، طلاق کے پیپر لے کر آئیے....."

"سکون سے بیٹھ جاؤ۔ دماغ خراب مت کرو میرا۔ میں اٹھے ہاتھ کی دوں گا ایک۔" کبیر کو غصہ آیا۔

"جب میں رہنا ہی نہیں چاہتی آپ کے ساتھ تو کیوں رکھنا چاہتے ہیں آپ مجھے ساتھ۔" عنایت نڈر سی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"عنایت! کیوں کر رہی ہو ایسے؟" کبیر بے بس ہوا۔

"کیا مجھے اچھی زندگی گزارنے کا کوئی حق نہیں؟"

"ہم اچھی زندگی ہی گزار رہے تھے۔"

"تھے ناں!" عنایت نے جتلایا۔

کبیر غصے سے اٹھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ عنایت نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور در و دیوار پر نگاہ ڈالی۔ کبیر تو ایک چاندار تھا وہ تو ان بے جان چیزوں کے بغیر بھی نہ رہ پائی۔ آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو اس نے سختی سے رگڑا..... اندر سے رسیل کے رونے کی آواز آئی۔ عنایت ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی..... وہ کسی دوراہے کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اس فیصلے سے ذرا بھی آگے پیچھے نہیں سرکنا چاہتی تھی..... اس نے دو تین بار کبیر کو فون کر کے بھی فیصلے کی بابت پوچھا۔

"بے فکر رہو تمہاری خواہش ہی پوری کرنے وکیل کے پاس آیا ہوا ہوں۔"

اس کی تیسری کال پر کبیر کی سرد سی آواز سنائی دی۔ عنایت کی آنکھوں میں آنسو چلے آئے۔ وہ اس انسان کی بے اعتنائی نہیں برداشت کر سکتی تھی، وہ اس سے دوری کیسے برداشت کر پاتی؟

"یہ ضروری ہے عنایت، نہایت ضروری....." وہ ڈاکٹر کی باتوں سے خود کو تھپکنے لگی۔

"پیکنگ کر لوں؟" یونہی ذرا سا خیال آیا۔

کیسی پیکنگ.....؟ وہ اپنے محبوب لوگ یہاں چھوڑے جا رہی تھی۔ ان سے قیمتی وہ کیا لے جائی یہاں سے؟ اپنی ہی بات پر وہ تلخ ہوئی۔ اپنے ہی خیال سے وہ لڑ پڑی۔

وہ لان میں چیئر پر ہر فکر و سوچ سے آزاد بیٹھی تھی۔ فیصلہ کر لینے کے بعد جیسی فکر پالنی۔ شام اپنے پر پھیلانے کو تھی۔ جب کبیر آیا۔ اس کے چہرے پر سختی کا سا تاثر تھا۔ وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر آ بیٹھا..... ہاتھ میں پکڑا خاکی لفافہ میز پر دھرا.....

"عنایت میں....."

"کچھ ایسا مت کہیں، میں اپنے فیصلے پر اٹل ہوں....." کبیر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی عنایت بولی۔

"بے فکر رہو، ساتھ کی بھیک نہیں مانگ رہا....." کبیر درشتی سے بولا۔

یہ وہ وقت تھا جب اسے تھکنا نہیں تھا، حواس قائم رکھنے تھے۔ مگر وہ عنایت کی اتنی سی بے اعتنائی کے سامنے ہی ہار گیا تھا۔

"سائن کرو۔" اس نے پیپر نکالے۔

اور عنایت نے دل کی تمام التجائیں رد کرتے سائن کر دیے..... سائن تو کر دیے مگر دل اچھل کر حلق میں آ بیٹھا۔ اس کا وجود یوں ہوا گویا خاردار جھاڑی پر سے ململ کا دوپٹا کھینچا ہو۔

یہ کیا کر دیا عنایت ..... یہ کیا ہو گیا؟ دل

www.pklibrary.com

دہائیاں دیتا کسی روگی منگتی کی طرح قدموں کی ٹیک لگا کر بیٹھا..... اس نے واپسی کی جانب قدم موڑے..... قدم بھی کیا تھے گویا پتھر کی سلیں۔ عنایت اسی طرح قدم گھسیٹتی گیٹ سے باہر نکلی۔ چند ایک قدم ہی آگے گئی تھی کہ ایک گاڑی پاس آکر رکی.....

''بیٹھو.....'' کبیر نے دروازہ کھولا وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح سیٹ پر لڑھکی۔

کبیر گھڑی گھڑی امڈ آنے والے آنسو روکتا تھا۔ عنایت کے دکھ میں آنسو مانع بن کر باہر نہیں آتے تھے۔ اندر جاتے اور ٹھوس کی صورت میں ڈھل جاتے..... خاموشی دونوں پر ستم بن کر برستی تھی۔ تب ہی کبیر نے ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کیا۔

نصرت فتح علی خان عنایت کو شروع سے ہی بہت پسند تھا۔ ابھی بھی وہ درد کا درماں بنا تھا۔

اپنی کہانی کیسے کہیں گے اپنی کہانی.....
اور ان کی کہانی تو بانی ہی نہ رہی تھی۔
دل امید توڑا ہے کسی نے
دل امید توڑا ہے کسی نے
سہارا دے کے چھوڑا ہے کسی نے.....

دونوں کی نگاہیں ملی تھیں..... کبیر کی آنکھوں میں کتنی ہی شکایتیں درج تھیں۔ عنایت کی آنکھوں میں دکھ سر دلبادہ اوڑھے ہوا تھا۔

اپنی کہانی کیسے کہیں؟
پیار کی آگ میں جلتے رہیں
اور دونوں ہی اس آگ کی لپیٹ میں تھے۔
نہ منزل ہے نہ منزل کا نشاں ہے
کہاں پہ لا کے چھوڑا ہے کسی نے۔

لفظ لفظ نہیں تھے لاوا بن کے ان کے اندر ابلتے تھے..... آواز آواز نہیں تھی۔ ان کے اندر کا درد تھا جو شاید برسوں پہلے کسی کو راز کی طرح سونپ دیا گیا تھا۔ دونوں ایسے راستے پر محو سفر تھے جو ان دونوں کی منزلوں کو جدا کرتا تھا۔

قفس کی تیلیاں رنگین کیوں ہیں؟
یہاں پہ سر کو پھوڑا ہے کسی نے
دل امید توڑا ہے کسی نے

کبیر کے اندر سے آہ کی صورت سسکاری نکلی۔ اس نے گاڑی ایک طرف کو روک دی..... باہر ہر سو اندھیرا تھا..... ایسا ہی اماوس کی رات ان کے دلوں میں اتر آئی تھی

شب غم کی سحر نہیں ہوتی.....
ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی.....
زندگی تو ہی مختصر ہو جا.....
شب غم مختصر نہیں ہوتی.....

کبیر نے بے ساختہ آنسو پونچھتے عنایت کو دیکھا..... اگر وہ یہی گاڑی کہیں دے مارے دونوں کی اور جہان میں جا ملیں۔ جہاں دونوں کے وجود ایک دوسرے کے لیے مہلک نہ ہوں..... جہاں کوئی مرض نہ ہو۔ کوئی دوا نہ ہو، کوئی شفا نہ ہو..... بس جو ایک دوسرے کے لیے لازم ہوں سو ہوں۔

عنایت نے آنسو پونچھتے نفی میں سر ہلایا..... جتنی بھی پتھر دل بن لیتی تھی تو انسان ہی ناں..... وہ کبیر کے دل میں امڈ آنے والے خیالات جان جاتی تھی۔ وہ کبیر کی ساتھ رہنے کی خواہش سے کیوں انکاری تھی؟

میں شیشہ گروں سے پوچھتا ہوں۔
کہ تو نا دل بھی جوڑا ہے کسی نے؟

کبیر نے الفاظ مستعار لے کر عنایت کے چہرے پہ نگاہیں گاڑیں۔

''چلیں پلیز.....'' وہ سرد سی آواز میں بولی۔

کبیر نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

سڑک صاف اور سیدھی تھی مگر کبیر کے الفاظ کے پتھر کبھی گاڑی کی ونڈ سکرین سے ٹکراتے اور کوئی اندر آ گرتے۔ جب وہ کہتا تھا.....

''ہیر رانجھے کی کہانیاں کتنی مضحکہ خیز لگتی ہیں۔ کسی پنوں کے قصے من گھڑت ہیں ایسی ہی تو آسان ہوتی ہے محبت کہ کسی کی خواہش کرو اور اسے پالو.....''

www.pklibrary.com

سسی کا گھڑا کچا نکلا تھا تو ان کے نصیب کی بنت کاری کسی کچے دھاگے سے کی لگتی تھی۔ محبت کی سب داستانیں اپنا ادھورا انجام لیے ان کے راستے میں بین ڈالتی تھیں۔

آشنا ہو کر بھی نا آشنا بن گئے تھے..... آزمائش کی بھٹی میں ڈھے گئے تھے۔ کسی انجان اور ناتجربہ کار کورہ گر کے کوزہ کی طرح۔ آزمائش کی بھٹی نے ان کا وجود پگھلا ڈالا تھا۔ دنوں کے دل کی ساخت ہی بدل گئی تھی۔

پھپھو کا گھر آ گیا تھا۔ کبیر نے گاڑی روک کر اس کی جانب دیکھا۔

''عنایت! ابھی بھی وقت ہے کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟'' کبیر کے لہجے میں التجا تھی.....

''منزل پہ پہنچ کے راستے کی تلاش کون کرتا ہے۔'' وہ بظاہر بہادری سے بولتی گئی تھی۔

ایک بھرپور نظر دیکھ کر اس کے نقش عنایت نے دل کے اندر اتارے جیسے کسی آخری سفر پر روانہ کرنے والے کو نظر بھر دیکھا جاتا ہے۔

''خدا حافظ.....'' عنایت گاڑی سے نکلی..... کبیر نے سر سیٹ سے ٹکایا گلے میں کچھ پھنس رہا تھا۔

عنایت نے ڈور بیل بجائی۔ چند منٹ بعد دروازہ پاپا نے کھولا اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ عنایت پیچھے مڑ کر ایک نظر دیکھنے کی دل کی خواہش کو کچل کر آگے بڑھی..... اچھا ہی ہوا جو نہیں دیکھا تو ورنہ جان جاتی کہ کبیر نے پوری رات وہیں گاڑی میں روتے ہوئے گزاری تھی۔ دکھ مشترکہ سہی سہنے کے پیمانے سب کے الگ ہوتے ہیں۔

☆☆☆

کبیر اور رسیل فرصت سے پارک میں بیٹھے تھے۔ عرصہ بعد دونوں کو یوں فرصت نصیب ہوئی تھی۔ دونوں بینچ پر بیٹھے سامنے جھیل میں تیرتی بطخوں کو دیکھ رہے تھے۔ رسیل نے اپنا سر کبیر کے کندھے پہ رکھا ہوا تھا۔

''بابا! آپ کو مما کو ڈائیورس نہیں دینی چاہیے تھی۔'' رسیل نے کئی بار کیا ہوا تبصرہ کیا۔

''ہم دونوں ایک ساتھ بھی کبھی خوش نہ رہتے بیٹا.....''

''آپ کو کبھی لگا نہیں کہ آپ سے غلطی ہوئی۔''

''ہمیشہ لگا..... احساس جرم کا ٹتا ہے اندر سے..... فیصلے کی گھڑی کمزور پڑ گیا تھا میں بھی..... کچھ وقت لینا چاہیے تھا..... لیکن بیٹا انسان ایسے ہی سوچتا ہے۔ ایک قسمت اور نصیب بھی ہوتا ہے۔ کچھ مل ہی نہیں پاتے اور کچھ مل کر بھی.....''

''یہ دنیا یہ رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں نا بابا.....''

آپ کیا کرتی رہتی ہو گھر سارا دن؟'' کبیر نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''جاب کا ہے پلان..... میرے آفس میں ایک ویکینسی خالی ہے۔ آپ کی یونی کے کافی بچے انٹرن شپ کے لیے آئے ہوئے ہیں۔''

''ابھی تو موڈ نہیں..... میں کچھ وقت بالکل فارغ رہنا چاہتی ہوں۔''

''تاکہ مایوسی اچھی طرح بھر جائے آپ کے اندر۔''

''ایسی بات نہیں ہے بابا!''

''ایسی ہی بات ہے بیٹے، جب جب آپ فری رہی ہیں بہت غلط نتیجے نکلے ہیں۔ بالکل مایوس نہ ہوں۔ آپ چند دن میں مجھے سوچ کر بتائیں۔ جاب کرنی ہے، اسٹڈی کرنی ہے یا شادی کرنی ہے؟'' کبیر کی آخری بات پر اس کا دل یکبارگی دھڑکا.....

''میں سوچوں گی.....'' وہ ڈھیلے سے بولی۔

''آپ کھانا کھا کر جائیں گے..... !ماما نے بنا دیا ہوگا.....'' رسیل نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں..... مدیحہ ویٹ کر رہی ہوگی.....'' کبیر نے اپنی دوسری بیوی کا نام لیا..... میں چند ایک دن تک آپ کو لے چلوں گا آفس بھی..... دیکھ لینا

www.pklibrary.com

سب۔"

"اوکے بابا....." دونوں اب چہل قدمی کررہے تھے۔

☆☆☆

پاپا اپنی اکلوتی بیٹی کی حالت دیکھ کر ڈھے گئے تھے۔ وہ کام پہ نہ جاپاتے کہ ان سے کام ہی نہ ہو پاتا..... ماما گھڑی گھڑی آنے والے آنسوؤں کو صاف کرتی رہتیں۔ عنایت بظاہر ماما اور پاپا کے سامنے بہادر بنی رہتی۔ روٹین کے کاموں میں حصہ لیتی۔ اپنے حلیے پر توجہ دیتی۔

"سیما! مجھ سے عنایت اس حال میں نہیں دیکھی جاتی۔ کتنے دن رہ گئے ہیں اس کی عدت کے؟" پاپا نے ایک شام جب وہ چائے بنارہی تھیں، ماما سے پوچھا۔

"گیارہ دن....." ماما نے حساب لگا کر بتایا۔

"اس کا کہیں رشتہ دیکھ کر دوسری شادی کردیتے ہیں۔" پاپا نے تجویز دی۔

عنایت نہیں مانے گی اور پھر کون کرے گا طلاق یافتہ سے شادی....." ماما تلخ ہوئیں۔

"عنایت کو منالوں گا میں اور جہاں تک رشتے کی بات ہے تو وہ بھی ڈھونڈ لیں گے۔"

ماما اکثر ہی رسیل کو بلوالیتیں..... وہ چار چھ دن ان کی زندگی کے بہترین دن ہوتے۔ مستقل پاس اس لیے نہ رکھتے کہ ایک تو کبیر اور نگہت رسیل کے بنا نہ رہ پاتے دوسرا اسے ہر پندرہ دن بعد لاہور لے جانا ہوتا، بنڈ کا انتظام کرنا، یہ سب ہی معاملات کبیر ہی دیکھتا تھا۔

پاپا کو چند دن لگے اور انہوں نے عنایت کے لیے رشتہ ڈھونڈ لیا۔ زاویار ان کے کولیگ کا بیٹا تھا۔ دس سال یونان رہا تھا۔ غالباً وہیں شادی بھی کی تھی مگر اب اکیلا ہی تھا۔ عدت گزرتے ہی ماما نے عنایت سے بات کی..... عنایت نے ایک نظر میں ماما کو دیکھا، اس نظر میں اتنا زخمی پن تھا کہ ماما اگلی بات ہی نہ کرپائیں۔

"آپ ہی کریں عنایت سے بات، مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں۔" ماما نے یہ ڈیوٹی پاپا کو سونپی۔

پاپا اس کے کمرے میں آئے تھے۔

"بیٹا! آپ سے کوئی درخواست کرسکتا ہوں؟" پاپا کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"آپ حکم کریں پاپا..... لیکن کچھ ایسا مت کہیے گا جو میرے بس میں ہی نہ ہو۔"

"میری بیٹی تو بہت بہادر ہے۔ دوسروں کی بہتری کے لیے فیصلہ کرتے اپنا دل رول دیتی ہے....." پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا.....

"حادثات واقعات تو زندگی کا حصہ ہیں مگر زندگی جینے کے لیے آگے تو بڑھنا ہی پڑتا ہے۔"

"میں بھی آگے نہیں بڑھ پاؤں گی پاپا! میرے پاؤں زمین پہ ثبت ہیں۔ دھنسے ہوئے ہیں اندر۔" عنایت نے آنسو روکنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

"تم کوشش تو کرو بیٹا۔"

"مجھ سے نہیں ہوگی۔"

"اپنے پاپا ماما کے لیے بیٹا۔ ہم سب کے لیے..... زاویار بہت اچھا شوہر ثابت ہوگا۔"

کبیر بھی برا نہیں تھا پاپا..... اس نے کبھی بھی میرے ساتھ برا نہیں کیا۔ میرے نصیب میں اس کا ساتھ نہیں تھا۔ میرے نصیب کے برے اثرت زاویار پہ مت ڈالیں۔"

"ایسے نہیں کہتے بیٹا..... ایک اچھی زندگی تمہاری منتظر ہے۔ اپنے لیے نہ سہی ہمارے لیے مان جاؤ۔ اگر تم اپنے ماما پاپا کو جینے کا حق دینا چاہو تو مان جانا..... ورنہ دن تو کٹ ہی رہے ہیں....." پاپا اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے باہر کی جانب بڑھے۔

اگلے دن شام کو اس نے ماما کے سامنے رضا مندی دی..... اگلے ہفتے سادگی سے اس کا نکاح زاویار کے ساتھ ہوگیا۔

پاپا نے اگلی صبح اس کی فکر سے آزاد ہوتے دنیا کی تمام فکروں سے اپنا دامن چھڑالیا۔

☆☆☆

کام والی نے آج پھر چھٹی کرلی تھی۔ نگہت اپنے نوّے جسم کے ساتھ دیوار کا سہارا لیتے ہوئے اٹھی اور رسیل کو فیڈر بنا کر دیا۔ سوا سال کی ہوگئی تھی وہ ہر

www.pklibrary.com

چیز کھالیتی مگر بنا کے کون دیتا سو نگہت میں اتنی ہی ہمت ہوتی کہ بار بار فیڈر بنا دیتیں۔

''وہ لڑکی ہو کر آگے بڑھ گئی ہے اور تو مرد ہو کر جوگی بنا پھرتا ہے.....'' رات کبیر کے سامنے وہ رو دیں۔

''مما! کیا چاہتی ہیں آپ!'' کبیر ان کے قدموں میں بیٹھا۔

''شادی کرلو۔''

''او کے۔ آپ ڈھونڈ دیں کوئی۔''

''میں بوڑھی اور بیمار کہاں سے ڈھونڈوں..... خود ہی کوشش کرو.....''

''رسیل کے ساتھ اس کا تعلق اچھا نہ ہوا تو.....''

''پہلے ہی کیوں فرض کریں ایسی باتیں..... موبائل بج رہا ہے دیکھنا ذرا.....''

''پھپھو کی کال ہے.....'' کبیر موبائل انہیں تھما تا باہر نکل گیا۔

''کیسی ہیں بھابھی آپ؟'' سیما بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''کیسی ہوں گی اس عمر میں؟'' ان کی آواز روہانسی ہوئی۔

دل تو تھا بھائی صاحب کی وفات کے بعد دو ایک ماہ تمہارے پاس رہتی۔ تمہیں تسلی دیتی مگر ایک تو اپنی بیماری اور بڑھاپے نے نڈھال کر رکھا ہے اس پر سے رسیل اور کبیر کی ذمہ داری..... کبیر تو خود بھی کچھ کر کرا لیتا ہے۔ رسیل تو بہت شرارتی ہے۔''

رسیل کو مجھے دے دو بھابھی.....'' سیما بیگم کی آواز میں آنسوؤں کی لرزش تھی۔

نگہت بیگم کی آنکھ سے آنسو نکل کر جھریوں زدہ چہرے کی بھول بھلیوں میں گم ہوتے..... انہوں نے خاموشی سے موبائل رکھا اور بے دلی سے رسیل کا بیگ پیک کرنے لگیں..... ہفتے کی شام کو کبیر رسیل کو سیما بیگم کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔ اتوار کے دوپہر اس کا نکاح کولیگ مدیحہ سے ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ بینچ پر بیٹھی تھی۔ زاویار سامنے جاگنگ کر رہا تھا..... اس شخص کے ساتھ اس نے کتنے ہی دن گزار لیے تھے۔ یہ اسے اپنا لگتا تھا نہ اچھا..... باوجود اپنی ساری اچھائیوں کے۔ زاویار اسے بہت مار جن دیتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ عنایت کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا۔ جاگنگ کرنی ہو یا گروسری لینے کے لیے جاتا ہو، وہ خاموشی سے ساتھ چل دیتی۔ اکثر چڑ بھی جاتی زاویار مسکرا دیتا۔ ابھی بھی وہ اس کے پاس آیا پھولا ہوا تھا۔

''عنایت! پانی دینا۔''

اس کی توجہ نہ پا کر اس نے بوتل پکڑی اور ڈھکن اتار کر دو گھونٹ بھرے۔

''ٹریک سوٹ میں، میں خاصا ہینڈسم لگتا ہوں ناں!'' وہ اس سے کندھا ٹکراتا مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کیا؟''

''جب بھی نظر پڑی مجھے ہی دیکھے جا رہی تھیں تم.....''

''وہ مجھے نہیں بھولتا زاویار۔ بالکل بھی نہیں۔ کبھی بھی نہیں.....''

''میں نے نہ اس کی یاد پہ پابندی لگائی ہے عنایت، نہ اس کے ذکر پر۔ یادیں، باتیں، قائم رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ ماہ و سال ان پر گرد ڈالتے انہیں مٹاتے ہوئے گزرتے ہیں۔

آج سے سات سال پہلے میں نے ایلی سے شادی کی تھی تو مجھے لگتا تھا کہ میں ایک لمحہ بھی اس کے بنا نہیں رہ پاؤں گا۔ لو دیکھو زندہ خوش باش ہوں۔''

''آپ کی ڈائیورس ہو گئی تھی؟''

''نہیں۔ دو سال ہم اکٹھے رہے پھر جھگڑے بڑھنے لگے وہ اپنے دیس کینیڈا سدھار گئی، میں پاکستان آ گیا۔''

''رابطہ ہے آپ کا اس سے؟''

''نہیں..... گھر کا پتا، فون سب ہے لیکن کبھی کوشش ہی نہیں کی۔''

''یاد آتی ہے؟''

www.pklibrary.com

"کھلی فضا میں رہتے ہوا کے جھونکوں پہ پابندی نہیں لگا سکتے......" زاویار مبہم سا بولا۔

"آج چیک اپ کے لیے جانا ہے۔"

"نہیں دو تین دن بعد دیکھیں گے۔"

"کھاتی پیتی بھی نہیں ہو۔ ڈرپ بھی نہیں لگواتیں ایسے تو ویکنیس بڑھتی جائے گی۔"

"مجھے بہت مشکل لگ رہا ہے یہ سب......" عنایت اٹھتے ہوئے بولی۔

"جب ایک پیارا سا بے بی ڈھیر ساری مصروفیات لے کر آئے گا ناں تو خود ہی سب اچھا لگے گا۔" زاویار نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے بائیں کندھے پر رکھا۔

☆☆☆

"آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیے تھی کبیر......" دونوں ٹیرس پہ بیٹھے تھے۔ کبیر دور افق سے کچھ سوچتا تھا جب مدیحہ کی آواز آئی۔

"سب آپ کی رضامندی سے ہوا ہے مدیحہ......" کبیر نرم آواز میں بولا۔

"وہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن آپ اسے بھولتے ہی نہیں۔"

"میں نے کبھی آپ کی ذمہ داری سے کوئی کوتاہی برتی ہے کیا......؟"

"اسے تو یاد کرتے ہیں نا!"

"وہ "یاد" ہے اور تم "حاضر"......" کبیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلایا۔ خود کو ایسی باتوں میں مت الجھایا کرو......"

"آنٹی کی ڈیتھ کے بعد سے پورا گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ عجیب عجیب سوچیں الجھائے رکھتی ہیں۔"

"تم پھر سے آفس جوائن کر لو ناں......" کبیر نے مشورہ دیا۔

"آپ تو تین دن سب آفس ہوتے ہیں......" مدیحہ نے برا سا منہ بنایا۔

"تم نے آفس میں کام کرنا ہے یا میرے ساتھ رہنا ہے؟"

"آپ تین دن اس کے شہر جاتے ہیں کبھی ملاقات ہوئی؟"

"ہم نے ایک دوسرے کو اپنی رضامندی سے چھوڑا تھا مدیحہ......ایسی حرکتیں کرنی ہوتیں تو کیوں الگ ہوتے؟......تمہارے پاس ہی ایک ٹاپک ہے بس ڈسکس کرنے کو جب بھی فرصت سے بیٹھو یہی بات۔ یہی ٹاپک......" کبیر بگڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

صبح سے عنایت کی طبیعت گری گری سی تھی...... ایک دم سے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ہارٹ بیٹ بہت تیز ہوگئی تھی۔ پلر کا سہارا لے کر نیچے بیٹھتے اس نے یاد کرنا چاہا۔ ابھی تو آٹھواں ماہ تھا۔ شاید بی پی شوٹ کر گیا تھا۔" گرتے پڑتے اس نے موبائل تھاما۔ وہ کے فون کرے چند لمحے بیٹھی وہ خالی الذہنی سے سوچتی رہی۔

ڈائل پیڈ آن کر کے وہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پتا نہیں کس کا نمبر تھا مگر بیل جا رہی تھی......

"ہیلو......" یہ کبیر کی آواز تھی وہ پہچان گئی تھی۔

"کبیر......تم گھر آجاؤ......میری طبیعت ٹھیک نہیں......" لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے......موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔

"مکمل ہوش کھونے سے پہلے اسے زاویار یاد آیا تھا۔ یہ زاویار کون ہے؟ وہ الجھی تھی اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی۔

کبیر پریشانی کے عالم میں ٹہلتا رہا۔ کیا کرے وہ؟ زاویار کا نمبر نکالا......پھر کچھ سوچ کر پھپھو کو کال ملائی۔

"پھپھو! عنایت کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ فوراً اس کے گھر پہنچیں۔"

سیما بیگم نے زاویار کو کال کی۔ دونوں جلدی سے عنایت کو اسپتال لے گئے تھے۔ بی پی شوٹ کر جانے کی وجہ سے بچے کی ڈیتھ اندر ہی ہوئی تھی۔ چار پانچ گھنٹے زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد عنایت نے بھی اس جہاں کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

www.pklibrary.com

''تو کسی اور ہی دنیا میں ملی تھی مجھ سے
تو کسی اور ہی موسم کی مہک لائی تھی
اور ہی طرح کی آنکھیں تھیں تیرے چہرے پر
تو کسی اور ستارے سے چمک لائی تھی
تیری آواز ہی سب کچھ تھی مجھے مونس جاں
کیا کروں میں کہ تو بولی ہی بہت کم مجھ سے
تیری چپ سے ہی یہ محسوس کیا تھا میں نے
جیت جائے گا کسی روز تیرا غم مجھ سے
شکھ آوازیں لگاتا تھا مگر تو چپ تھی
یہ تعلق مجھے کھاتا تھا مگر تو چپ تھی
وہی انجام تھا جو عشق کا آغاز سے ہے
تجھ کو پایا بھی نہیں تھا کہ تجھے کھونا تھا
چلی آئی ہے یہی رسم صدیوں سے
یہی ہوتا ہے یہی ہوگا یہی ہونا تھا
دو محبوب انسان اسے دائیں بائیں سے کندھا دیے ہوئے تھے مگر وہ کسی ایک کی بھی نہ ہو سکی تھی۔

☆☆☆

کبیر نے سر اٹھا کر آنے والے نوار دکو دیکھا۔

''سر! آپ نے بلایا ہے؟''

''یہ فائل پی ڈی ایف فارم میں کر کے مجھے سینڈ کریں۔''

''جی سر.....!'' وہ فائل اٹھا کر جانے کو تھا جب کبیر نے اسے اشارے سے روکا۔ اس کی کال آ رہی تھی۔

''اوہ گاڈ! میرے ذہن میں ہی نہیں تھا۔ او کے میں کچھ کرتا ہوں۔''

کبیر نے سر ہاتھوں میں گرایا۔ یہ پہلی بار تھا..... کتنے سالوں میں پہلی بار کہ اسے یاد نہیں رہا تھا کہ رسیل کو اگلے دن بلڈ ٹرانسفیوژن کے لیے لے جانا ہے۔ اس کی ماں کی ڈیتھ ہوئی تھی تیسرے دن رسیل کو لیے وہ اسپتال میں تھا۔ عنایت کی وفات پہ جب رسیل محض تین سال کی تھی اگلے دن اسے اسپتال لے جانا یاد تھا۔ تو پھر آج..... آج کیسے بھول گیا تھا وہ.....

اب شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ چیزیں اور باتیں بھولنے لگا ہوں.....

لیکن میری رسیل.....

''سر! سب خیریت ہے؟'' نوار د نے اس کے ارتکاز کو توڑا۔

''ہوں..... تمہارا بلڈ گروپ کیا ہے؟''

''بی پازیٹو..... خیر تو ہے ناں سر؟''

''مجھے ارجنٹ اسی گروپ کا بلڈ چاہیے..... آپ دے سکو گے؟'' کبیر مجبور نظر آیا۔ ویسے تو میں نے چند ماہ پہلے ہی دیا ہے سر..... لیکن کوئی بات نہیں۔ میں دے دوں گا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟''

''رانا سکندر علی.....''

''او کے۔ یہ فائل رکھ دو میرے ساتھ آؤ.....'' کبیر اسے تفصیل بتانے لگے۔

اور رسیل کو لگتا تھا اس کا دوبارہ سکندر سے سامنا نہیں ہونا..... اس کا تو خون اس کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔ وہ جو اسے بھولنے کے اسباب بناتی پھرتی تھی۔ وہ مجسم اس کے سامنے تھا اور اس کا خون اور محبت سیال بن کے اس کی رگوں میں دوڑتے تھے۔

''اے خدا! میری ماں سا نصیب میرا نہ لکھ..... جو قسمت میں نہیں ہے اسے آنکھوں کے سامنے نہ لا۔ اس کی یاد میرے دل میں نہ بسا..... اسے میرے لیے آشنا نہ کر.....''

واپسی کے راستے وہ دعائیں کرتی آئی تھی۔

☆☆☆

ہلتے جھولے کے ارتعاش کو سیل فون کی بیل نے مدہم کیا۔ رانا سکندر کی کال تھی۔ رسیل نے سیل کان سے لگایا۔

''اب تو خون کا رشتہ ہو گیا ہے ہمارا، اب بھی نہ پہچانو گی؟''

''پہچان گئی..... بہت شکریہ.....''

''میں نے آپ کو اپنا خون دیا آپ نے بدلے میں کچھ دیا ہی نہیں؟''

''کیا چاہیے؟''

''دل..... اور اس میں میری یاد۔''

www.pklibrary.com

''اگر تو قیمت ایسی گھٹیا گفتگو ہے تو بہتر ہے آپ میرے بابا سے قیمت وصول کرلیں.....''

''قیمت نہیں چاہیے۔ایسی گفتگو کا حق چاہیے۔''

رسیل نا سمجھی سے اس کی بات پر غور کرتی رہی۔

''رسیل! کیا آپ مجھ سے شادی کروگی؟''

''یہ میری قسمت میں نہیں؟''

''کیوں؟''

''میری طبیعت کا پتا ہے آپ کو.....''

''تو.....!''

''تو آپ کو فرق نہیں پڑتا۔''

''میں نے کل ڈاکٹر سے تفصیلی ڈسکس کیا ہے چیک اپ بھی کروایا ہے۔ہم نہ صرف شادی کرسکتے ہیں بلکہ ایک نارمل زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔''

''آپ نے کیا کوئی چالیس سال سے زیادہ عمر کا تھیلیسیمیا پرسن دیکھا ہے۔''

''میں تمہیں دیکھنا چاہوں گا۔''

''یوں مفروضوں پر زندگیاں بسر نہیں ہوتیں رانا سکندر۔''

''ساتھ رہنے سے تو بسر ہوسکتی ہے نا.....''

''تمہیں میری مما اور بابا کی کہانی پتا ہے؟''

''نہیں.....''

''انہوں نے ایک ایسی منزل پہ راستے الگ کرلیے تھے جہاں انہیں لگا تھا کہ آگے چل کے وہ تھک جائیں گے.....'' رسیل نے مختصراً بتایا۔

''کیا ملا پھر انہیں رسیل؟ تمہاری مما ڈیوری کے دوران وفات پاگئیں اور بابا کی اولاد ہی نہیں ہوئی.....یہی وہ بیٹھ کے ڈسکس کرتے۔۔قوت فیصلہ کا درست استعمال کرتے.....اولاد کی صورت تم بیٹی تھیں تو.....تینوں اچھی زندگی گزار سکتے تھے۔''

''تم تھک جاؤ گے سکندر.....'' رسیل کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔

''اتنا زاد راہ لے کے چلوں گا۔'' اس کا عزم پختہ تھا۔

''رسیل.....'' کتنے ہی لمحوں کی خاموشی کے بعد رانا سکندر علی بولا۔

''جی.....''

''زندگی کا باقی سفر میرے ساتھ طے کروگی؟''

''بشرطیکہ بڑے مان جائیں۔'' رسیل نے موبائل ایک طرف رکھا۔

اور بڑوں نے تو مان ہی جانا تھا.....سکندر نے پچھلے دو دنوں میں کبیر سر کو رسیل کے مستقبل کے لیے جتنا پریشان دیکھا تھا۔یقیناً وہ مان جاتے۔اور سکندر کو منوانا بھی تو آتا تھا اچھا مقرر رہا تھا وہ۔

اگلے دن کبیر نے تسلی سے سکندر کا مدعا سنا۔ حیرانی سے دیکھا اور غصے سے بولے.....

''مجھے اپنی بیٹی کے لیے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے۔ابھی میں زندہ ہوں۔''

''یہ ہمدردی نہیں ہے سر.....!''

''تو ایک بوتل خون دے کر اس پر ترس کھانے لگے ہو!''

''ترس نہیں ہے یہ سر.....رسیل میری یونیورسٹی فیلو رہی ہے، ہماری اچھی سلام دعا تھی۔میں رسیل کی بیماری کے بارے میں بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ ہاں یہ مجھے دو روز پہلے ہی پتا چلا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی ہے۔کل ڈاکٹر سے میٹ کروانے کے میں نے تفصیلی معلومات بھی لے لی تھیں۔ہم دونوں نارمل زندگی گزار پائیں گے۔سکندر سر جھکائے بتا رہا تھا۔''

کبیر کتنے ہی لمحے نم آنکھوں سے اسے دیکھے گیا اور پھر اٹھ کر گلے لگا لیا۔

''میری رسیل کو خوش رکھ پاؤ گے!''

''بہت سر.....!''

زندگی اتنی بھی مشکل نہ تھی عنایت، تم ہر معاملے میں جلد باز نکلیں.....کبیر اپنے اندر اتارتے کبیر صوفے پہ بیٹھے اور سکندر کو بھی سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔کئی ایک معاملات تھے جو طے پانے تھے۔

آپ سے فقط اتنی سی التماس ہے کہ دعا کیجیے گا رسیل حسین صحت کے ساتھ لمبی زندگی پائے اور سب ہی خوشیاں دیکھے۔

☆☆

www.pklibrary.com

''اللہ ہی معاف کرے ثوبیہ...... کیا بتاؤں تمہیں، اماں پورے تین دن اپنے بھائی کے گھر رہ کر آئی ہیں۔ ان کے بھائی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ گھر سے ایک دن کا بول کر گئیں اور وہاں یہ تین دن لگا دیے۔ میری تو جان عذاب میں آ گئی تھی۔ درجن مرغیاں اور گائے اس کا بچہ اور بکری صاحبہ۔ سارے گھر کا کام کاج اور پھر اس مخلوق کی خدمت۔''

یہ تھیں مس بشریٰ ارشاد، جو کسی زمانے میں بچ مچ کی مس رہ چکی تھیں۔ مگر پھر قریب کے گاؤں میں ہی شادی ہو گئی۔ تو نوکری چھوٹ گئی، ساتھ ہی شہر جا کر بسنے کا خواب بھی ٹوٹ گیا۔ مگر گھر اچھا اور نیا بنا ہوا تھا۔ بشریٰ کا میاں پڑھا لکھا اور اچھی نوکری پر تھا۔ وہ روز بائیک پر دو گھنٹے کا سفر کر کے شہر اپنی جاب پر جاتا۔ مگر اسے اپنے گاؤں میں رہنا پسند تھا۔ اس لیے یہیں پہ پرانے گھر کے ساتھ چھوٹا سا خوب صورت گھر بنا لیا تھا۔ اور پرانے گھر میں اماں نے

سونیا دباتی

آخر سمجھ آ جاتی ہے

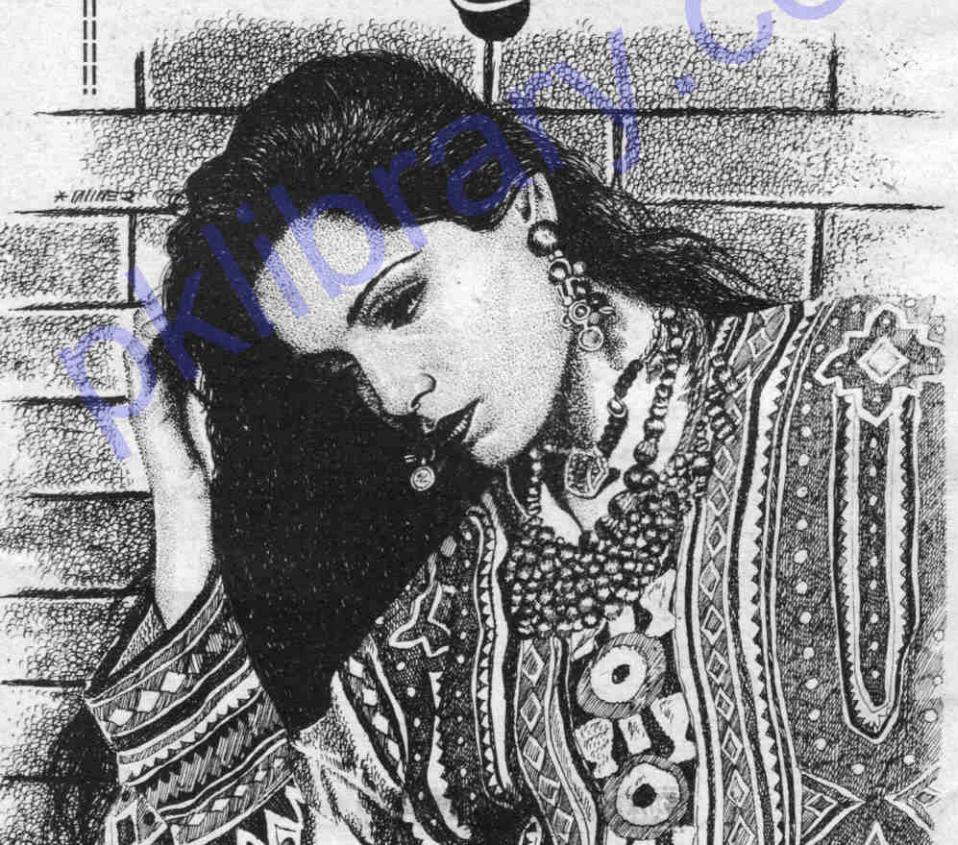

www.pklibrary.com

گائے رکھ لی اور جب تک بشریٰ آئی تب تک اماں مرغیوں اور بکری کا اضافہ کر چکی تھیں۔

بشریٰ کو اور کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اماں ہی گائے کے سارے کام کرتی تھیں۔ گھر کے انڈے اور دودھ ہر وقت موجود ہوتا۔ کبھی باہر سے لانا نہیں پڑتا۔ لیکن اگر کبھی اماں کی صحت خراب ہو جاتی تو بہت مشکل ہوتی۔ ایک دو بار تو عدیل نے چھٹی بھی کر لی کہ وہ اکیلے نہیں کر پائے گی۔ مگر وہ دودھ نہیں نکال سکتی تھی۔ کبھی اماں ہمت کر کے اٹھ جاتیں اور کبھی ساتھ والی تائی بلقیس کو کہہ کر یہ کام کروا لیتے۔

بشریٰ کا بہت دل کرتا تھا کہ کسی طرح اماں کا یہ شوق ختم ہو جائے۔ مگر وہ کبھی کہہ نہ پائی کہ عدیل اماں کی بہت عزت کرتا تھا۔ انہوں نے اکیلے ہی اسے پالا تھا۔ وہ صرف تین سال کا تھا۔ جب اس کے ابا اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اماں نے سب کے کہنے پر بھی شادی نہ کی اور عدیل کو لے کر اپنی جوانی گزار دی۔ اماں پڑھی لکھی تو نہ تھیں۔ مگر سلائی بہت اچھی کر لیتی تھیں۔ کچھ تایا مدد کر دیتے یوں عدیل پڑھ لکھ کر آج کسی قابل ہوا تھا۔ اس لیے اس کے لیے اماں سب کچھ تھیں۔ جب ہی بشریٰ نے کبھی اماں کے سامنے کچھ نہ کہا۔ مگر عدیل جانتا تھا۔ اسے گائے سخت ناپسند ہے لیکن اماں کو شوق بھی تھا۔ اور کام میں بھی لگی رہتی تھیں۔ جس سے ان کی صحت بھی ٹھیک رہتی تھی۔ اس لیے وہ خاموش تھا ورنہ تین چار کلو دودھ باہر سے لے لینا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔

وہ ابھی تک اپنی دوست سے فون پر لگی تھی۔ جب اماں گائے کی طرف سے ہو کر واپس آئیں۔ اور بولیں۔

"بشریٰ! میرے کپڑے نکال دے۔ وہاں تو باؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔"

"اچھا اماں! میں لے کر آئی۔"

اس نے فون رکھا اور اماں کے کپڑے نکالنے ان کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

گائے کو دیکھنے کے بعد جو بو آتی تھی ان کے کپڑوں سے وہ زہر لگتی تھی بشریٰ کو مگر ابھی وہ بے بس تھی مگر یہ طے تھا کہ جس دن اس کی حکومت آئے گی وہ سب سے پہلے ان سب کو چلتا کرے گی۔

☆☆☆

"امی! مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ایسا بھی کیا شوق ہے آپ کو کہ آپ چھوڑ نہیں سکتی ہیں، نہ کہیں آ جا سکتی ہیں اور نہ ہی رات رکتی ہیں صرف ان بکریوں اور گائے کی وجہ سے۔ میں تو کہتی ہوں کہ فارغ کریں ان سب کو تا کہ آپ آرام سے اپنے بھائیوں کے ہاں جا سکیں۔ مفت میں اپنی جان عذاب میں ڈال رکھی ہے آپ نے۔ اتنی سردی میں ہمت ہے آپ کی صبح شام کپڑے بدل کر گائے اور بکریوں کے کام کرنی ہیں۔" بشریٰ ابھی نہا کر باہر آئی تھی۔ اور دھوپ میں بیٹھ کر پاؤں سے میل اتار رہی تھی۔ شام ہونے کو تھی اس لیے انہوں نے اپنی بہو بشریٰ سے کپڑے نکالنے کو کہا تھا۔ اور جواب میں کپڑے نکالنے کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح شروع ہو چکی تھی کیونکہ اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسی بھی کیا مجبوری ہے اس کی ساس کی کہ خود کو عذاب میں ڈال رکھا ہے جبکہ ان کو یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ابا کا کمایا ہوا بہت کچھ بچا رکھا تھا۔ مگر اماں نے گائے کو تو دل سے لگایا ہی تھا بکریوں میں بھی ان کی جان تھی۔

☆☆☆

بشریٰ بہت پرسکون تھی۔ جب اس کی ساس عمرہ کرنے گئیں تو بیٹے سے کہا۔ "عدیل بیٹا! بشریٰ نہیں کر سکتی یہ سارے کام اور میرے میں پہلے والی ہمت نہیں رہی۔ پھر میرے بعد اتنے دن کون سب کرے گا۔ تو سب کو بیچ دے۔"

بشریٰ کی تو مراد پر آئی اس نے پھر مرغی کا بچہ بھی نہ رہنے دیا اور شاید اماں کو بھی پتا تھا کہ انہوں نے لوٹ کر نہیں آنا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس پاک مٹی میں سو گئیں۔ کچھ ٹائم ہی گزرا تھا کہ عدیل کی نوکری

www.pklibrary.com

چھوٹ گئی۔ بچا کر کچھ خاص رکھا نہ تھا دو ماہ میں ہمت جواب دے گئی دونوں کی۔ ان کو تو اب پتا چلا کہ انڈے کتنے کے درجن آتے ہیں۔ دودھ کتنے روپے کلو ہے۔ جو باہر سے بالکل پانی جیسا ملتا تھا۔ جس سے چائے بھی عجیب سی بنتی تھی۔ اور تین کلو کیسے ختم ہو جاتا سمجھ میں ہی نہ آتا۔ ہفتے گزر جاتے وہ عدیل کے لیے کھیر بھی نہیں بنا پائی۔ نہ تازہ گھی نہ مکھن اور نہ ہی ناشتے میں دو دو انڈے۔

جب کہیں سے کچھ نہ بنا تو عدیل نے وہ پیسے نکالے جو اماں کے تھے۔ اماں کی گائے بکریوں اور مرغیوں کے پیسے۔ جو عدیل اور بشریٰ نے اماں کے عمرے پہ جانے کے بعد فروخت کر دی تھیں۔ ان پیسوں سے کسی دوست کے ساتھ مل کر کپڑے کی دکان ڈال لی۔ زیادہ پیسہ اس کا تھا مگر اللہ نے کرم کیا اور کام اچھا چل پڑا اور کچھ ہی عرصے میں ایک سے دو اور پھر دو سے تین دکانیں بن گئیں۔ عدیل ہر وقت اپنی ماں کی قبر ٹھنڈی رہنے کی دعا کرتا کہ آخر اماں کا پیسہ ہی اس کے کام آیا تھا۔ پھر ایک دن بشریٰ نے انوکھی خواہش کا اظہار کیا۔

"عدیل! مجھے کہیں سے اچھی نسل کی بکری لا دیں۔"

عدیل اسے یوں دیکھ رہا تھا کہ جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

لیکن عدیل نے اسے بکری لا دی۔ پھر جلد ان کے ہاں پہلے بیٹی اس کے بعد اللہ نے بیٹا بھی دے دیا۔ اور آہستہ آہستہ بکری بکریوں میں بدل گئی۔ مرغیاں بھی آ گئیں۔ اور جس دن اس کے بیٹے نے میٹرک پاس کیا اس دن ان کے گھر میں گائے کا اضافہ بھی ہو گیا۔ جس کا دودھ چھ کلو بتایا گیا تھا مگر بشریٰ پاؤ سے زیادہ نہ نکال سکتی۔ اور یوں گائے کے بچے کی موج ہو گئی۔ چھ ماہ میں جہاں وہ بچہ اپنی عمر سے زیادہ بڑا اور صحت مند نظر آنے لگا تھا۔ وہاں ہی بشریٰ چار کلو دودھ بھی نکالنے کے قابل ہو چکی تھی مگر وہ کپڑے بدل لیتی تھی۔ ہر روز نہاتی تھی اور خوب خوشبو لگاتی تھی۔

☆☆☆

"آپ امی کو بولے ناں کہ ختم کریں یہ سب۔ ہر وقت کام میں لگی رہتی ہیں۔ پھر سخت سردی میں نہاتی بھی ہیں بار بار کپڑے بدلنا کون سا آسان کام ہے۔ پرسوں طبیعت خراب ہو گئی تھی امی کی مت پوچھیے نبیل، میرا کیا حال ہوا۔ ادھر گھر کے کام اور پھر جو میں ادھر گئی۔ اتنی بکریاں اکٹھی کر رکھی ہیں۔ پھر گائے اور اللہ جانے کتنی مرغیاں ہیں۔ میرا تو دماغ ہی گھوم گیا سچ میں۔ پھر ساتھ والی آنٹی کو بلایا۔ انہوں نے سارا کام کر دیا۔ میں نے دو ہزار روپے دیے۔ جبکہ وہ نہیں لے رہی تھیں۔ مگر مجھے اچھا نہیں لگا۔ اتنا کام کیا تھا انہوں نے۔"

جویریہ فون پر نبیل سے باتوں میں لگی تھی۔ اور بشریٰ چائے پی رہی تھی۔ "دیکھ لینا میں تو مرغی بھی نہیں رکھوں گی۔ اللہ معاف کرے مجھے سخت ناپسند ہیں یہ سب۔"

بشریٰ مسکرا دی کہ پسند تو اسے بھی نہ تھا یہ سب مگر آج اللہ نے ان کو جو کچھ دیا تھا ان بکریوں اور گائے کے پیسوں کی برکت سے دیا تھا۔ اس لیے اس کو یہ عزیز تھیں۔ اس نے بچا کر رکھی تھیں کہ شاید کبھی اس کی طرح اس کی بہو کو بھی اس کے فائدے اور برکت نظر آ جائے۔

اس سے پہلے وہ بات لمبی کرتی اسے بشریٰ نے آواز دے کر کہا۔

"جویریہ بیٹے جمعرات ہے کھیر بنا لینا۔ نبیل کے ابا کو بہت پسند تھی۔ اور دودھ زیادہ ڈالنا۔ اب فون بند کرو۔ میں نے کپڑے دھو کر چھت پر ڈالے تھے وہ اتار کر لے آؤ۔"

☆☆

www.pklibrary.com

میمونہ صدف

چھٹی قسط

فاطمہ نے حیرت سے ابا کو دیکھا۔ اسے لگا کہ اس نے غلط سنا ہے۔ ابا شاید کچھ اور کہہ رہے تھے لیکن جلد اس کی غلط فہمی دور ہوگئی جب ابا مزید بولتے چلے گئے۔

"ہم کبھی اس بارے میں نہ سوچتے مگر یہ خواہش خود اس لڑکے نے کی ہے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ابھی وہ لوگ محض رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں۔" فاطمہ بالکل گنگ سی باپ کو دیکھ رہی تھی۔

"منگنی یا نکاح۔ جو بھی تمہاری مرضی ہوگی، ہم وہی کریں گے۔ اس رشتے کے بعد وہ تمہاری پڑھائی کی ذمہ داری خود اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ خود تمہیں ڈھیر سارا پڑھائے گا جہاں تک بھی تم چاہو۔ ڈاکٹر بنائے گا یہ اس نے کہا ہے۔ آگے بھی پڑھنا چاہو تو پڑھائے گا۔ بعد میں اگر اپنا کلینک بنانا چاہو تو وہ بھی کر کے دے گا۔ بتاؤ اس دور میں اگر کوئی مرد اتنا سپورٹ کرنے والا ہو تو اس سے زیادہ لڑکی کو کیا چاہیے۔"

فاطمہ بس باپ کو تک رہی تھی۔ ابا اس کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ وہ جو ابھی سترہ سال کی ہوئی تھی اور کالج کی شکل اس نے دیکھی تک نہ تھی، اس کی شادی۔ کانوں پہ یقین کرنا مشکل تھا لیکن اسے کرنا پڑ رہا تھا۔

"مجھے وہ خاندان اور لڑکا دونوں اچھے لگے ہیں۔ پھر ہم انہیں کئی سالوں سے جانتے بھی ہیں۔ اسی لیے مجھے اس فیصلے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہو رہی۔ پھر لڑکے کی خواہش ہے تو۔" اس سے آگے وہ خاموش ہوگئے۔

نجانے وہ کیا سمجھ رہے ہوں گے اور امی کیا سمجھ رہی ہوں گی کہ وہ تو پہلے ہی اس کی شمشاد سے گفتگو کے بارے میں اسے تنبیہ کر چکی تھیں۔ شاید انہیں یہی لگا ہوگا کہ یہ رشتہ اس کی منشا سے آیا ہے۔ وہ یقیناً بالا ہی بالا شمشاد کے ساتھ سب طے کر چکی ہے۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کے تو فرشتے تک بے خبر تھے کہ وہ اس حد تک چلا جائے گا۔ اس نامراد شمشاد نے اس کی اس دن کی جذباتی باتوں کو کس انداز میں لیا کہ اس وقت تو وہ چپ چاپ چلا گیا اور جب بولا تو اس انداز سے۔ اف شمشاد۔ اف۔

"تم سوچ کر بتا دو۔ جیسے تم کہو گی ہم وہی کریں گے۔ منگنی یا نکاح۔" گویا اسے ان دو میں سے ایک کو چننا تھا۔ تیسری بات بھی نہ کی جائے۔

ایک سترہ سالہ لڑکی سے وہ یہ کیا بات کر رہے تھے۔ وہ خواب دیکھنے والی لڑکیوں میں سے ضرور تھی لیکن ایسی لڑکیوں میں سے نہیں جو محض شادی کے خواب ہی دیکھتی ہیں۔ اس نے کئی خواب دیکھے تھے

www.pklibrary.com

لیکن ان میں سے کوئی بھی شادی سے متعلق نہیں تھا۔ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کی زندگی شروع ہی شادی پہ ہوتی ہے اور ختم بھی شادی پہ۔ ایک شادی نہ ہوئی تو وہ مر جاتی ہیں۔ شادی ناکام ہوگئی تو زندگی کو ناکام سمجھتی ہیں۔ جن کے پاس زندگی جینے کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس کے خواب اونچے تھے۔ بہت اونچے۔ ان خوابوں نے وقت سے پہلے اسے بہت سنجیدہ اور بڑا کر دیا تھا۔ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں جیسی نہیں رہی تھی جو ٹھٹھے مارتی، تالیاں بجاتی ہنستی جاتی ہیں اور جن کی ہنسی کہیں رکنے کا نام نہیں لیتی۔

لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اگر وہ وقت سے پہلے زندگی کے کئی سبق پڑھ چکی ہے تو ایک سبق شادی کا بھی پڑھ لے۔

''میری عمر دیکھیں ابا۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ یہ شادی کی عمر ہے؟'' بات کرتے کرتے اسے لگا تھا کہ وہ رو دے گی لیکن اس نے اپنے لہجے اور آواز پہ قابو پا لیا تھا۔ اتنی مضبوط تو وہ ہوگئی تھی کہ اب خود پہ قابو پا لیا کرتی تھی۔

''تم میری عمر اور صحت دیکھو بیٹا۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں مزید بہت سال جیوں گا اور تمہارے فرض

pklibrary.com

www.pklibrary.com

سے فارغ ہو جاؤں گا؟"

وہ جب سے گھر بیٹھے تھے مزید نحیف اور بیمار ہو گئے تھے۔ پہلے کی سی کوئی بات ان میں نہیں رہی تھی۔ زندگی تو یہ اونہہ۔ بالکل بھی نہیں رہی تھی۔ اسے یہ بات رلاتی تھی اور بہت رلاتی تھی۔ ماں باپ کی ایسی عمر جب وہ زندگی سے دور ہوتے موت کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں، دیکھنا، پہاڑ جیسا بوجھ اٹھانا ہے۔ اور ہم سب کو یہ بوجھ کبھی نہ کبھی اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ ایسا مشکل وقت سب پہ آتا ہے۔

"میں پڑھنا چاہتی ہوں ابا۔" وہ یک دم سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا دلائل دے کہ ابا اس فیصلے کو روک دیں۔ کم از کم ٹال ہی دیں۔

"تو وہ تمہیں پڑھائے گا تمہیں۔ یہ اس نے خود کہا ہے۔"

"وہ پڑھا نہیں رہا، میرا بوجھ اٹھا رہا ہے۔" کاش کہ اس نے وہ سب نہ کہا ہوتا تو وہ یہ قدم نہ اٹھاتا۔ لیکن اس نے اس نیت سے تو یہ بات نہیں کی تھی۔ وہ تو بس غصے میں سب کہہ گئی تھی اور وہ لڑکا اتنا بڑا فیصلہ کر گیا۔

"لڑکیاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ ذمہ داری ہوتی ہیں اپنے مردوں پہ۔ پہلے باپ بھائی پوری کرتے ہیں۔ پھر شوہر۔ اس میں برا کیا ہے؟ کسی نے اسے مجبور نہیں کیا۔ وہ خود سے اپنی ذمہ داری سمجھ کر پوری کر رہا ہے تو اچھی بات ہے۔ یہ ایک ذمہ دار مرد کی نشانی ہے اور مجھے اس کی یہ بات پسند آئی ہے۔"

"ابھی میں اس کی ذمہ داری نہیں بنی ابا۔" اس کی عزت نفس پہ گراں گزرا تھا۔ جس گھر میں بیٹھی تھی اس کے مرد اس کی ذمہ داری پوری کرنے کے اہل نہیں تھے اور وہ تیسرے محلے سے اٹھ کر اس کی ذمہ داری پوری کرنے کی بات کر رہا تھا۔ اسے اچھا کیسے لگ سکتا تھا۔

"اسی لیے تو وہ نکاح کی بات کر رہے ہیں تاکہ تم اس کی ذمہ داری بن جاؤ۔"

اس نے مان لیا کہ ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن غلط وہ بھی تو نہیں تھی۔

"شادی جیسے معاملے کے لیے بڑی زندگی پڑی ہے۔ ابھی کچھ بننے کا وقت ہے جس پہ میں اپنی تمام تر توانائی لگا دینا چاہتی ہوں۔ اگر شادی کا معاملہ چل نکلا تو ذہن ایک طرف جم نہیں پائے گا۔ میں یکسو ہو کر نہیں پڑھ پاؤں گی۔ اکثر لڑکیوں کی تعلیم اسی لیے ادھوری رہ جاتی ہے کہ ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ شادی کے بعد کی سو ذمہ داریاں انہیں سر ہی نہیں اٹھانے دیتیں کہ وہ اپنے لیے، اپنی تعلیم اور مستقبل کے لیے بھی کچھ سوچ سکیں۔ میں ایسی لڑکی نہیں بننا چاہتی۔ میں اپنے پیروں پہ کھڑے ہوئے بنا یہ قدم نہیں اٹھانا چاہتی جس کا نام شادی ہے۔"

ابا نے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ شاید وہ اس کی بات سمجھ گئے تھے۔ اس سے متفق بھی تھے کہ بیٹیوں کو اپنے پیروں پہ کھڑا کرنے کے وہ خود بڑے حامی تھے تاکہ کسی بھی قسم کی مشکلات کی صورت میں وہ کسی پہ بوجھ نہ بنیں۔ شاید اندر سے وہ مان بھی گئے تھے اس کی دلیل کو لیکن ان کے پاس بھی تو کئی دلائل تھے۔

"زندگی تمہارے پاس پڑی ہے بیٹا۔ میرے پاس کم بچی ہے۔ تم پڑھائی پہ توانائی لگاؤ، ضرور لگاؤ لیکن کچھ نظر میرے اندر کی توانائی پہ بھی کرو جو ختم ہو چلی ہے۔"

ابا کی اس بات پہ اسے بری طرح رونا آ گیا۔

"تم سب سے چھوٹی ہو اس لیے تمہاری فکر سب سے زیادہ ہے۔ میں اپنی باقی بچیوں کے فرض سے فارغ ہو چکا ہوں اور مطمئن ہوں۔ بیٹے کو بھی اپنے پیروں پہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب کم از کم وہ دھکے نہیں کھائے گا۔ فکر ہے تو تمہاری ہے۔ بے چینی ہے تو تمہارے لیے ہے جسے نہ میں کچھ بنا سکا نہ ہی اس کے فرض سے فارغ ہو سکا۔"

اور یہ سب سے چھوٹا ہونا اس کے لیے کیسا عذاب بن گیا تھا یہ وہی جانتی تھی۔ پہلے پڑھائی پہ

www.pklibrary.com

قربانی اور اب اس فیصلے پہ سر جھکانا۔ کاش کہ وہ چھوٹی نہ ہوتی یا چھوٹی ہوتی لیکن ابا کے بڑھاپے کی اولاد نہ ہوتی۔ اس کے سب بہن بھائی تعلیم مکمل کر کے جس جگہ پہنچنا چاہتے تھے، پہنچ گئے تھے۔ بہنیں شادیاں کر چکی تھیں، اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ بھائی کی حال میں تعلیم مکمل ہو کر اچھی نوکری بھی مل گئی تھی۔ ایک وہی تھی جو ابھی میٹرک تک ہی پڑھ پائی تھی۔ ابا کی حالت اس کے سامنے تھی۔ گھر کے حالات سے وہ واقف تھی۔ ایسے میں کون سا رستہ تھا اس کے پاس؟

''میں مرضی نہیں چلا رہا۔ صرف درخواست کر رہا ہوں کہ بروقت ایک بہت اچھا رشتہ مل گیا ہے تو اسے طے ہو جانے دو تاکہ میں سکون کی سانس لے سکوں کہ میں نے اپنی آخری بیٹی کی ذمہ داری بھی پوری کر دی۔ تمہاری بہنوں کی طرح تم بھی ایک اچھے انسان کے ساتھ، اچھے گھرانے میں جاؤ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ چاہو تو یہ خواہش پوری کرو اور چاہو تو اپنی مرضی کر لو۔''

ابا کہاں کہاں سے لا کر اسے مارتے تھے جہاں وہ اف تک نہیں کر پاتی تھی۔ امی تیز تھیں نا جو ایسی سب ہی باتوں کے لیے ابا کو آگے کر دیتی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ابا اسے قائل نہ بھی کریں مائل کر دیتے ہیں۔ انہیں اسے چاروں شانے چت کرنا آتا تھا۔ وہ ابا کو انکار نہیں کر پاتی تھی۔ بیٹیوں کی باپ سے الگ ہی طرح کی محبت ہوتی ہے۔ لاڈ نخرے اپنی جگہ لیکن باپ کو انکار پھر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ امی سے بحث بھی ہوتی ہے، ہلکی پھلکی نوک جھوک بھی اور کبھی کبھار صاف جواب بھی دیا جاتا ہے۔ باپ کے سامنے یہ سب نہیں چل سکتا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ اس جواب کے سوا اب مزید کوئی جواب بنتا نہیں تھا۔ ابا جس طرح بات کر رہے تھے، اب اس کے آگے ہاتھ جوڑنے کی کسر ہی رہ گئی تھی۔ اور ایسی نوبت وہ لانا نہیں چاہتی تھی کہ اس کا باپ اپنی مجبوری میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے بیٹھ جائے۔

''آپ رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ مطمئن ہو سکیں تو ٹھیک ہے آپ کر لیں۔ ابھی منگنی کرنا چاہتے ہیں تو کر دیں لیکن شادی تب تک نہیں ہو گی جب تک میں اپنی ڈگری مکمل نہیں کر لیتی۔ میں اپنے پیروں پہ کھڑے ہوئے بنا شادی جیسی ذمہ داری نہیں اٹھاؤں گی ابا۔ یہ بات میں ابھی سے بتا دوں۔ کوئی مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرے۔''

ابا کی آنکھوں میں چمک یکدم سوگنا ہو گئی۔ شاید اس کے آنکھوں کی بچی کچی بھی ان تک چلی گئی تھی۔

''اور اسے بتا دیں کہ وہ مجھ سے رابطے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مجھے یکسو ہو کر پڑھنے دے گا۔ میں کسی بھی قسم کی مداخلت نہیں چاہتی۔ منگنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ میری زندگی جینے لگ جائے۔ مجھے اس زندگی کو خود جینے کا پورا حق ہونا چاہیے۔''

ابا نے سر ہلایا۔ وہ ان کی چھوٹی بیٹی تھی لیکن اس کی سمجھ داری انہیں باقی دونوں سے ہمیشہ زیادہ لگتی تھی۔ بعض اوقات وہ زندگی کے لیے اس کی سوچ پہ حیران رہ جایا کرتے تھے۔

''اور وہ جو میرا خرچا اٹھانے کی بات کہہ رہا ہے اسے میری طرف سے بہت شکریہ کہہ دیجیے گا۔ میں اس کی یہ پیشکش قبول نہیں کر سکتی۔''

اس کی عزتِ نفس اس بات پہ بالکل آمادہ نہیں تھی۔ اگر ایسا ہی کچھ کرنا ہوتا تو کئی راستے تھے اس کے پاس۔ بھلا اتنا ہلکان ہونے کی پھر ضرورت ہی کیا تھی۔

ابا کو اس کی تمام شرائط منظور تھیں۔ حالانکہ ان کا ماننا اتنا اہم نہیں تھا۔ بات تو تب تھی جب شمشاد مان جاتا اور حیرت اس بات کی تھی کہ وہ مان گیا تھا۔ بنا کسی چوں چراں کے وہ مان گیا تھا۔

''وہ جیسا کہے گی ویسا ہی ہو گا۔'' فی الوقت یہ اہم تھا کہ وہ چند شرائط کے بدلے رشتے کے لیے مان گئی ہے۔ بعد میں وہ طریقے سے اپنی منوا سکتا تھا۔

www.pklibrary.com

بس ایک بار منگنی ہو جاتی یہ اس کی سوچ تھی۔

اس کے کالج میں ایڈمیشن کا وقت آیا تو اس نے کچھ بڑے پرائیوٹ کالجز میں اپلائی کیا جو اسے اسکالرشپ پہ پڑھانے کی پیشکش کر رہے تھے۔ ابا اس کے لیے خود جا کر ایک سرکاری کالج کا داخلہ فارم لے آئے تھے۔

''سرکاری کالج کی فیس آپ مجھے دے دیں۔ میرے کچھ کام آ جائے گی۔ مگر داخلہ میں پرائیوٹ کالج میں ہی لوں گی۔'' فارم اس نے ابا کو لوٹا دیے تھے۔

''میں پرائیوٹ کالج میں پڑھانے کا خرچا نہیں اٹھا سکتا۔'' ابا نے نحیف سی آواز میں کہا تو اسے خود سے ہی عجب سی شرمندگی ہونے لگی۔

''کالج کی فیس نہیں ہوگی۔ وہ مجھے اسکالرشپ پہ پڑھا رہے ہیں۔ کتابیں تو یہاں بھی ہوں گی اور وہاں بھی لیکن یہ قریب ہے، پیدل جایا جا سکتا ہے تو گاڑی کا خرچا بچ جائے گا۔''

ابا نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔ ہاتھ میں تھامے فارم ایک طرف رکھے۔ دراز سے اس کی سالانہ فیس جو سیرکاری کالج میں جمع کرنے کے لیے سنبھال کر رکھی تھی، نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھ دی۔ اس کے سر پہ اپنا ہاتھ دھرا۔

''جیتی رہو۔ فخر تم جیسی بیٹی کے لیے چھوٹا جذبہ ہے۔''

وہ جھکے ہوئے کندھے لے کر اس کے کمرے سے چلے گئے تو اس کے اپنے آنسو بہہ نکلے۔ ابا کے اس ایک جملے سے اس کی سال بھر کی وہ تکان اتر گئی تھی جس نے اسے بہت سا توڑا اور بہت سا جوڑا تھا۔ وہ انہیں بتا نہیں سکی کہ ان کے اس ایک جملے کے لیے خوشی بھی چھوٹا جذبہ تھی۔

اپنے ہاتھ میں تھامی رقم اس نے بٹا گنے ہی اپنے اس رقم کے ڈبے میں ڈال دی تھی۔

جس ہفتے اس کا کالج شروع ہو رہا تھا، اسی ہفتے اس کی منگنی بھی تھی۔ شمشاد کی والدہ اور مسز ممتاز رسم کرنے آئی تھیں۔ شمشاد چاہتے ہوئے بھی نہیں آیا تھا۔ جب اتنی شرائط رکھی گئی تھیں تو اس کا آنا کہاں منظور ہوتا اسی لیے وہ خود سے ہی نہیں آیا۔ منگنی کی انگوٹھی شمشاد کی والدہ نے پہنائی تھی؛ ہاتھ پہ ہزار ہزار کے پانچ نوٹ بھی دھرے اور قیمتی سوٹ بھی تحائف کے طور پہ امی کو تھما دیے تھے۔ منگنی کی انگوٹھی انگلی میں آ جانے پہ بھی کہیں دل ویسے نہیں دھڑکا تھا جیسے اس نے سن رکھا تھا۔ بس ہمدان اسے بہت میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ مٹھائی بنگہ چاکلیٹ ہو۔ کچھ شرما بھی رہا تھا۔

''آپ کی چاچو سے انگیجمنٹ ہو گئی ہے۔'' شرمگیں مسکراہٹ لیے وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے یہ منگنی چاچو سے نہیں اس سے ہوئی ہو۔

''ایسا نہ ہو کہ اب آپ مجھے بھول جائیں۔ میری جگہ وہی ڈنی چاہیے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کو چاچی واچی کہوں گا تو نہیں کہوں گا۔ میں تو اب بھی مس ہی کہوں گا۔'' وہ ہمدان تھا تو وہ اس سے ایسی کوئی توقع کر بھی کیسے سکتی تھی۔ وہ اس سے اپنے تعلق کی نوعیت نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ ایسا وہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ ان کا اپنا رشتہ بہت قیمتی اور پیارا تھا جسے وہ نئے رشتے کی نذر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''وہ ہماری خوشی کے لیے ہمیشہ مان جاتی ہے۔ ہماری بات کا ہمیشہ مان رکھا ہے اس نے۔ ہم نے بھی کسی اولاد سے وہ سب نہیں مانگا جس کا بار اس کے کاندھوں پہ رکھتے ہیں اور وہ خاموشی سے اسے اٹھا لیتی ہے۔''

منگنی کی رات وہ اپنی انگوٹھی امی کو دینے ان کے کمرے میں گئی تھی کہ وہ اتنی قیمتی انگوٹھی نہیں سنبھال سکتی تھی۔ تب ہی اس نے دروازے پہ ابا کو کہتے سنا۔ ایک گہرا سانس اس نے وہیں کھڑے کھڑے لیا۔ ابا کو اس بات کا احساس تھا یہ بڑی بات تھی۔

''جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں اسی کے فائدے

www.pklibrary.com

کے لیے کرتے ہیں۔ ہم بھی تو اپنی جگہ مجبور ہیں محسن صاحب ورنہ کون والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نام روشن نہ کرے۔ دنیا سے پیچھے رہ جائے۔ زندگی میں ناکام ہو جائے۔ ہم بھی نہیں چاہتے۔"

وہ والدین کی مجبوری سمجھتی تھی۔ ان کی مجبوری پہ اب شکایت بھی نہیں تھی۔ بس وہ ان سے ایک تھپکی کمر پہ چاہتی تھی جو امی سے تو اسے کبھی نہیں ملتا تھی البتہ ابا کا ایک جملہ اس کی ہمت بندھا گیا تھا۔

مٹھی میں تھامی انگوٹھی کو دبائے وہ اسی طرح اپنے کمرے کی طرف لوٹ گئی۔

☆☆☆

اذکار کو دادا سے جتنا ڈر لگتا تھا اتنا ہی زیور بابا اسے اچھے لگتے تھے۔ ایک مہربان وجود جو اسے وہ وہ باتیں اتنی آسانی سے سمجھا دیتے جو سمجھانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ باتیں جو بچوں سے ان کی مائیں کیا کرتی ہیں جو اس کی ماں نے کبھی اس سے نہیں کی تھیں۔ انہیں اتنی ساری کہانیاں آتی تھیں کہ وہ سنتا چلا جاتا اور نہ وہ سن سن کر تھکتا نہ ہی زیور بابا سنا سنا کر تھکتے۔ پہلے بھی وہ جب بھی دادا کے گھر رہنے آتا تو اسے سب سے زیادہ خوشی زیور بابا سے مل کر ہوتی۔ اسے فطرتاً سادہ مزاج لوگ پسند تھے جیسے فاطمہ خالہ، زیور بابا۔ ہماری فطرت جیسی ہوتی ہے، ویسے ہی لوگوں سے ہمیں کشش ثقل محسوس ہوتی ہے اور وہ ایک ایک کر کے ہمارے گرد ہمارے پیاروں کی صورت جمع ہونے لگتے ہیں۔

"ذکی! تم یہ زیور بابا کے ساتھ کیوں اتنا رہتے ہو؟" ماما جب ہسپتال سے لوٹتیں اور اسے زیور بابا کے ساتھ دیکھ لیتیں تو ان کا موڈ یونہی بگڑ جایا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا کہ ان کے سامنے زیور بابا سے کم ہی بات کرے لیکن کبھی کبھار ایسا ہو جایا کرتا کہ وہ ان سے بات کر رہا ہوتا اور ماما اچانک وہاں آ جاتیں۔

"وہ میرے دوست ہیں۔" اس چھوٹے بچے کو دوست سے بہتر لفظ نہیں ملا تھا۔ پہلے فاطمہ خالہ، ماموں، ہمدان اور اب زیور بابا۔ اس کے لیے دوستی کے معنی عمر کی قید سے کہیں آگے کے تھے۔

"وہ اس گھر کے نوکر ہیں۔ نچلی ذات کے ہیں۔ کمی کمین کو دوست نہیں بنایا کرتے۔"

رطابہ کا لہجہ اتنا برا تھا کہ ذکی کو غصہ آ گیا۔ وہ کمی کمین کا مطلب نہیں جانتا تھا لیکن ان کے لہجے کی نفرت وہ بچہ ضرور سمجھتا تھا۔ اس کی ماں کو عموماً اس کے دوستوں سے مسئلہ ہی رہتا تھا۔ وہ اسکول میں جب کسی کم اسٹیٹس والے لڑکے سے دوستی کرتا اور ماما کو پتا چل جاتا تو وہ اس کی ٹیچر سے جا کر لازمی ملتیں کہ وہ اسے اس لڑکے کے ساتھ بیٹھنے اور ملنے سے روکیں۔ نجی اسکولوں کے اساتذہ تو وہی وہ کرتے ہیں جو ان سے والدین کرنے کو کہتے ہیں۔ یوں اس کا ہر دوست اس سے دور کر دیا جاتا۔ اور وہ جانتا تھا کہ یہ سب ماما ہی کرواتی تھیں۔ اب بھی وہ یہی چاہ رہی تھیں۔

"مجھے ان کی باتیں اور وہ اچھے لگتے ہیں۔ اس لیے بے شک وہ نوکر ہی ہوں، وہ میرے دوست ہیں۔" اس کا انداز دیکھ کر رطابہ کا دماغ گھوم گیا۔

"یہ کس طرح تم مجھ سے بات کر رہے ہو؟"

"جیسے آپ سب سے بات کرتی ہیں، ویسے ہی۔"

وہ اتنا کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا تھا مبادا ماں کا ہاتھ نہ اٹھ جاتا۔ لیکن اس کے اس جملے نے جو آگ لگائی تھی وہ رطابہ کے لیے جہنم جیسی تھی۔ اپنے کمرے میں ہی سہی، وہ اتنا اونچا چلا رہی تھی کہ آواز نیچے تک آ رہی تھی۔ شکر تھا کہ دادا گھر نہیں تھے ورنہ بہت برا ہوتا۔ وہ کسی کا بھی یوں چلانا برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ غصے میں اس کی ماں پاگل ہو جایا کرتی تھی اور دادا کو پاگل لوگ پسند نہیں تھے۔

لائبہ چاچی نے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ذکی کو دیکھا جو اب بھاگتا ہوا داخلی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات پہ انہیں افسوس ہوا تھا۔ انہوں نے اسے روکنے کی

www.pklibrary.com

کوشش بھی کی لیکن وہ بھاگتا ہوا داخلی دروازے سے باہر نکل گیا۔ ماں باپ کے جھگڑے الگ آزمائش تھے ان بچوں کے لیے اور ماں کی بد دماغی الگ آزمائش۔ انہیں سچ میں اذکار اور اخبا کے لیے افسوس ہوتا تھا۔ ان بچوں کی ذہنی نشوونما پہ کیا اثر پڑ رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھیں۔ بچے کی پہلی درسگاہ ہی ایسی ہو تو بچے نے بھلا کیا سیکھنا تھا۔ لیکن وہ ان دونوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

ایک دو بار پہلے بھی وہ ولید سے بات کر چکی تھی لیکن وہ بھی اس معاملے میں بے بس تھا اور اسے بھی سختی سے رطابہ کے معاملات سے دور رہنے کی تاکید کی تھی۔ جب عورت ہی اپنے گھر اور بچوں کی دشمن ہو جائے تو دنیا کا کوئی ایسا اسم نہیں پھونکا جا سکتا جو سب ٹھیک کر سکے۔

"زیور بابا! پلیز جا کر دیکھیں دکی کہاں گیا ہے؟"

زیور بابا جو شور سن کر لاؤنج میں آئے تھے، لائبہ کی بات پہ سر ہلاتے باہر کی طرف بڑھے۔ وہ خود اس کے معاملے سے دور تھی تو اتنا تو کر سکتی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر اوپر سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں کمرے سے چیزوں کے پھینکے جانے کا شور آ رہا تھا۔ ایک مصیبت ہی تھی جو ان کے وہاں شفٹ ہونے پہ نازل ہوئی تھی۔ وہ تو جلد ہی ولید کے پاس جا رہی تھی۔ اگلے ماہ کی پانچ کو ان کی ٹکٹس ہو گئی تھیں لیکن پیچھے کیا ہونے والا تھا یہ سوچ کر ہی دل ڈرتا تھا۔

باہر لان اور کاریڈورز میں وہ دکھائی نہیں دیا تو وہ گیٹ کی طرف گئے جو سرپٹ کھلا ہوا تھا۔ گیٹ سے باہر وہ سڑک پہ بھی نہیں نہیں تھا۔ کسی خیال کے تحت وہ سامنے پارک کی طرف چلے گئے جہاں ایک درخت تلے بنے بینچ پہ وہ بیٹھا رو رہا تھا۔ اس وقت کوئی بھی ہوتا تو اس بچے پہ ترس کھاتا، ہمدردی کرتا۔ وہ بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔

"ذکی بابا! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" پارک کوئی گھر سے اتنا دور تو تھا نہیں کہ وہ وہاں تک نہ جا سکتا۔ گیٹ سے جھانکو تو سامنے ہی دکھائی دیتا تھا اسی لیے بچوں کو خود سے پارک تک چلے جانے کی اجازت تھی۔ کالونی یوں بھی محفوظ تھی۔ یہاں کی سیکیورٹی سخت تھی۔ کوئی بھی منہ اٹھائے اندر نہیں چلا آتا تھا۔

"مجھے رونا تھا اسی لیے یہاں آ گیا۔" زیور بابا خاموش ہو گئے۔

"ماما کو ہمیشہ میرے دوست برے لگتے ہیں۔ فاطمہ خالہ، ہمدان اور اب آپ۔"

زیور بابا اس کی بات پہ چونکے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ چھوٹی بی بی جس طرح ان سے برتاؤ کرتی ہیں وہ انہیں ناپسند کرتی ہیں ہمیشہ سے ہی لیکن پھر بھی اذکار کے منہ سے سنتا انہیں چونکا گیا تھا۔

"وہ ہمیشہ مجھے اپنے مطابق چلانا چاہتی ہیں جیسے میں روبوٹ ہوں۔ بلکہ وہ پاپا کو بھی اسی طرح ٹریٹ کرتی ہیں۔ خود وہ کسی کی کبھی نہیں سنتیں، نانو کی بھی نہیں اور چاہتی ہیں کہ باقی سب وہی کریں جو وہ چاہتی ہیں۔"

اس بچے کے اس تجزیے کے پیچھے سالوں کا مشاہدہ تھا جسے وہ جھٹلا نہیں سکتے تھے۔ ان کے پاس ایک چپ کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

"وہ آپ کو اگر کچھ کہیں تو پلیز، آپ مائنڈ مت کرنا بابا۔ میں پہلے سے سوری کرتا ہوں۔ وہ ایسی ہیں ہیں۔ وہ سب کے ساتھ ایسی ہیں۔ وہ نانو اور نانا کو بھی نہیں چھوڑتیں۔ میری ماما ایسی ہی ہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا تو زیور بابا نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس بچے کی نفسیاتی حالت انہیں ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اندر سے بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ یہ بات ہر کسی کو دکھائی دیتی تھی تو اس کی ماں کو کیوں نہیں سمجھ میں آتی تھی جو بہت پڑھی لکھی تھی۔ طب کے شعبے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ کیوں اپنی ہی نسل خراب کرنے کے پیچھے پڑی تھی۔

www.pklibrary.com

سچ تو یہ تھا کہ ان کے پاس اسے سمجھانے، کوئی تسلی دینے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ وہ اس ہستی کی شکایت دنیا سے کر رہا تھا جس کے پاس بچے دنیا کی شکایت لے کر جاتے ہیں۔ بچے کی تربیت میں جو صبر و برداشت ماں کو دکھانا چاہیے وہ بچہ ماں کے لیے دکھا رہا تھا۔ کسی بچے کے لیے اس سے زیادہ قابل رحم مقام نہیں ہو سکتا۔

''چلو ایک کہانی سناتا ہوں میں تمہیں۔'' کچھ توقف سے زیور بابا نے کہا تو ذکی نے جھٹ سے اپنے آنسو صاف کیے۔ اسے کہانیاں سننے کا بہت زیادہ شوق تھا۔

''دو بچوں کی ایک ماں تھی جو سارا دن بہت سارا کام کرتی تھی۔ اتنا کام کہ وہ بہت زیادہ تھک جاتی لیکن کام ختم ہی نہ ہوتے۔ بچے سارا دن کھیلتے کودتے اور ماں کی کسی کام میں ان کی مدد نہیں کرتے تھے۔ ماں صرف یہی چاہتی تھی کہ بچے اس بات کو سمجھیں کہ ان کی ماں سارا دن ان کے لیے کھٹتی ہے۔ ان کے کام کرتی ہے۔ ان کی بھلائی کا سوچتی ہے لیکن بچے یہ بات نہیں سمجھتے تھے۔ جب بچے یہ بات نہیں سمجھتے تھے تو ماں چڑ جاتی، غصہ ہونے لگتی، چیختی چلاتی تو بچوں کو ماں بری لگنے لگتی۔ ایک دن ماں نے تنگ آ کر اللہ سے دعا کی کہ مجھے کوئل بنا دیں اور میں یہاں سے اڑ کر دور چلی جاؤں۔ اللہ نے ماں کی دعا سن لی اور ماں کوئل بن گئی۔ بچوں نے دیکھا تو رونے لگے اور ماں سے کہا کہ وہ انہیں چھوڑ کر نہ جائے لیکن ماں اڑ گئی۔ بچے اس کے پیچھے بھاگنے لگے لیکن ماں اڑتی ہوئی دور چلی گئی اور دوبارہ انہیں دکھائی نہیں دی۔ بچوں کو جب اکیلے رہنا اور سارا کام کرنا پڑا تو انہیں پتا چلا کہ ماں کتنی اچھی تھی اور ان کے لیے کیا کیا کرتی تھی۔ لیکن اب کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔''

''بابا! بچوں نے ماں کو تنگ کیا تو وہ کوئل بن گئی لیکن میں اور اخبا تو ماما کو تنگ نہیں کرتے۔ ماما نے ہمیشہ صرف جاب کی ہے اور کوئی کام نہیں کیا پھر بھی جب وہ جاب سے آتی ہیں تو ہم چپ کر کے اپنا کھیلتے ہیں کہ وہ سو جائیں۔ ان کے آرام کا خیال کرتے ہیں۔ ہم نے کبھی ان کے سونے اور پڑھائی کے دوران شور نہیں کیا۔ لیکن وہ ہم سے خوش نہیں ہوتیں۔ وہ کبھی بھی ہم سے خوش نہیں ہوئیں۔''

زیور بابا نے سر ہلایا۔

''وہ خوش ہوتی ہیں بس آپ کو بتاتی نہیں ہیں۔'' اس وقت ایک بچے کا دل ماں سے صاف کرنا ضروری تھا۔

''جب وہ غصہ ہوں تو وہ چلاتی ہیں پھر خوشی میں وہ کیوں نہیں بتا سکتیں کہ وہ ہم سے خوش ہیں؟''

زیور بابا کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ ہمارے اکثر والدین یہی کرتے ہیں۔ غصے کا کھل کر اظہار اور خوشی میں محبت کو قید۔

''ذکی بابا! آپ تو بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کے پاس آپ کی ماما ہیں۔ مجھے دیکھو میں چھوٹا سا تھا تو میری ماں فوت ہو گئیں۔ میرے ابا نے مجھے صاحب کے ابا کو دے دیا کیونکہ وہ مجھے پال نہیں سکتے تھے۔ اور تب سے میں دوسروں کے گھر میں کام کرتا ہوں۔ ان کی خدمت کرتا ہوں۔ میں پڑھ نہیں سکا۔ شاید پڑھتا تو بڑا آدمی بن جاتا۔ میں ہر بچے کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ وہ خوش قسمت ہے کہ جس کے پاس اس کی ماما ہیں۔ ماما جیسی بھی ہوں ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہیے کیونکہ جب وہ نہ ہوں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہ کیا تھیں۔ ماما ہمیں ضائع ہونے سے بچا لیتی ہیں بابا۔ وہ ہمیں ہر تکلیف سے چھپا لیتی ہیں۔'' اذکار نے اس بار سر ہلایا۔

''یس آئی ایم لکی۔ میرے ایک دوست کی مدر کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور وہ روز اسکول میں روتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنی ماما کو یاد کرتا ہے۔ بابا میں ماما کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یس آئی ایم لکی۔'' زیور بابا نے سکون کا سانس لیا کہ کسی ایک نقطے پہ تو وہ اس بچے کو مطمئن کر سکے ہیں۔

☆☆☆

سوات سے واپسی کے سفر میں ان کی وہ بس

www.pklibrary.com

خراب ہوگئی تھی جس میں وہ لڑکیاں سوار تھیں۔ ابھی تو مالاکنڈ تک بھی سفر نہیں ہو پایا تھا ایسے میں یہ مسئلہ کھڑا ہوجانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

لڑکیاں تو بس میں بیٹھتے ہی اونگھنے لگی تھیں۔ صرف آئینور جاگ رہی تھی۔ اس نے سفر بہت ہی کم کیے تھے اور اب جو کر رہی تھی تو وہ سو کر رستے کے مناظر کو گنوانا نہیں چاہتی تھی اسی لیے پورے سفر میں اس کی ایک بار بھی آنکھ نہیں لگی۔ وہ ہشاش بشاش سی سارے رستے کا مزا لیتی ہوئی گئی تھی۔ یہاں آ کر اس نے ایک بات جانی تھی کہ سفر کا شوق جس کو لگ جائے تو پہاڑوں سے لوٹنے سے پہلے وہ پہاڑوں میں لوٹنے کا عہد کر کے جاتا ہے۔ وہ بھی ایسا عہد کر کے جا رہی تھی۔

بس کی خرابی ایسی تھی کہ سڑک پہ کھڑے کھڑے ٹھیک نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکوں کا کیا تھا وہ دوسری بسوں میں لٹکتے، چھت پہ چڑھتے واپس پہنچ جاتے۔ مسئلہ ان لڑکیوں کا تھا اور انہی کے لیے عباد نے اپنے کسی جاننے والے کی ہائی ایس منگوائی تھی۔ بعد میں اس ہائی ایس کے اضافی پیسے بھی اس نے کسی سے نہیں لیے تھے۔ یوں ڈھائی گھنٹے انتظار کے بعد وہ سب ہائی ایس میں بیٹھ گئیں۔ عباد، رہبر اور رؤف ان کے ساتھ اسی ہائی ایس پہ سوار ہو گئے۔

اپنے شہر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو چکا تھا۔ ان تینوں کی ذمہ داری تھی لڑکیوں کو ان کے گھر تک پہنچانا اسی لیے ہائی ایس سب کو ان کے گھر کے سامنے اتار رہی تھی۔

"بس یہیں روک دیں۔ اس بازار سے آگے بڑی گاڑی نہیں جا سکتی۔" آئینور نے کسی بازار کے باہر پہنچ کر گاڑی رکوادی تھی۔

تینوں نے کش و پنج میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نجانے اس کا گھر کتنا دور تھا۔ وہ اسے یوں اکیلے جانے نہیں دے سکتے تھے۔

"میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" عباد نے پیش کش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے میں چلی جاؤں گی۔" وہ ہائی ایس سے اتر گئی۔ عباد بھی اتر گیا۔

"رات ہوگئی ہے۔ اکیلے جانا مناسب نہیں ہے۔"

"میں اتنی بزدل ہوں نہیں جتنی لگتی ہوں۔ اکیلے بہت سفر کیا ہے میں نے۔ یہ تو گھر کے قریب کا سفر ہے۔" اس نے پراعتمادی سے اس کی جانب دیکھا جو کچھ خاص آمادہ نہ تھا۔

"ڈونٹ وری۔ میں چلی جاؤں گی۔ اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

عباد اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور بعد میں کتنی بار اس نے سوچا تھا کہ کاش وہ اس کے ساتھ زبردستی اس دن چلا جاتا تو اس خواری سے بچ جاتا۔

اور وہ سڑک پہ چلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ پہاڑی علاقوں کے سفر میں نجانے کیا جادو تھا کہ انسان پیچھے کیا چھوڑ کر آیا ہے، کیا دکھ لے کر چلا تھا، سب بھول جاتا ہے۔ وہ بھی بھول گئی تھی اور اب جب لوٹی تو سب یاد آ رہا تھا۔

☆☆☆

منہا اور علی کی شادی کی تاریخ پکی ہوگئی تھی۔ دونوں گھرانوں میں خوشی کا ماحول تھا۔ شادی چند ماہ بعد تھی تب تک تیاری کے لیے خاصا وقت تھا لیکن اس سے پہلے ان کے نکاح کی تقریب رکھی گئی تھی۔ علی نے اعلیٰ تعلیم کے لئے اٹلی جانا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ نکاح پہلے سے ہو جائے تاکہ اسے منہا کے پیپرز بنانے میں آسانی ہو۔

سموئیل کا پارٹ نو بھی ان کی شادی تک کلیئر ہو جانا تھا جن کی وہ ان دنوں خوب زور و شور سے تیاری کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ سرجری میں اسپیشلائزیشن کر رہا تھا حالانکہ اس کی دلچسپی ہمیشہ سے پیڈز میں رہی تھی۔ لیکن جب اسپیشلائزیشن کی بات بابا نے کی تو نجانے کیوں اس کے منہ سے سرجری نکل گیا۔ بابا اس بات پہ حیران بھی ہوئے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ سے اس کی پیڈز میں دلچسپی سے واقف تھے لیکن انہوں

www.pklibrary.com

نے اسے روکا نہیں تھا۔ یہ کوئی ایسی انوکھی بات نہیں تھی کہ اس کی دلچسپی بدل گئی تھی۔ وقت کے ساتھ ایسا ہو جایا کرتا ہے۔

بابا نے عرصہ ہوا اس کے مستقبل کے حوالے سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ وہ اس ایک معاملے میں اس سے خاصے نالاں تھے حالانکہ اپنی تمام تر عادات اور خصوصیات کے حوالے سے وہ بابا کا ہمیشہ سے پیارا بیٹا رہا تھا۔ بس ایک اس بات پہ انہیں ہمیشہ دکھ رہا تھا کہ اپنے مستقبل کو لے کر وہ جتنا کامیاب ہو سکتا تھا، جتنا آگے جا سکتا تھا وہ صرف اور صرف اس کی غیر سنجیدگی کی بدولت ممکن نہیں ہو سکا۔ بابا چاہتے تھے کہ وہ ان کی طرح آرمی میں جائے۔ ان کی خاندان کی نسلیں آرمی سے وابستہ تھیں۔ اس کے بابا اور ان کے سب ہی بھائی، ان کے ابا اور دادا کے بھی ابا۔ نجانے ان سے پچھلے کتنے۔ وہ اپنے خاندان کا پہلا سویلین تھا۔

بابا نے اس کے ایف ایس سی کے بعد اس کو فوج میں کمیشن کا ٹیسٹ بھی دلوایا تھا۔ ٹیسٹ میں اس کے لیے اپنے کسی اندر کے بندے سے باقاعدہ بوٹیوں کا انتظام بھی کیا تھا تاکہ اس کا ٹیسٹ کلیئر ہو سکے۔ ٹیسٹ کلیئر ہونے کی صورت میں انٹرویو کے تمام معاملات بھی طے کر رکھے تھے لیکن وہ ٹیسٹ میں کچھ انسانوں والے جواب لکھ کر آتا تو پاس ہوتا تا۔ دو بار ٹیسٹ دیا، دونوں بار رہ گیا۔ بابا حیران تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شکر تھا کہ اندر کے بندے نے یہ نہیں بتایا کہ جو بوٹیاں اسے تھمائی جاتی ہیں ان کا وہ کیا حشر کرتا تھا ورنہ تو بابا نے اسے گھر سے نکال باہر کرنا تھا۔

ایف ایس سی کے بعد اس نے خود سے میڈیکل میں جانے کی بات کی تھی کیونکہ رہبر اور رؤف میڈیکل میں جانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی بابا چاہتے تھے کہ وہ آرمی ڈاکٹر بنے لیکن وہ اندر سے اس سے بھی انکاری تھا کہ اس کے دوست وہاں نہیں جا سکتے تھے اور جہاں اس کے دوستوں نے جانا تھا، اس نے وہیں تو جانا تھا۔ وہ سول ڈاکٹر بن گیا۔ بابا خاموش تو ہو گئے لیکن اندر سے نالاں ہی رہے۔ ایم بی بی ایس مکمل کر کے جب وہ فارغ ہوا تو بابا نے چاہا کہ وہ اپنا ایک چھوٹا سا سیٹ اپ بنا لے لیکن وہ ہاسپٹل بنانے کے بجائے گاڑیوں کے بزنس میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ بابا نے اسے اس کی بے وقوفی قرار دیا لیکن اسے جو شوق تھا وہ اس نے پورا کر کے ہی رہنا تھا۔ اس نے اکلوتا بیٹا ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اسے ہمیشہ سے کچھ نیا کرنے کا شوق رہتا تھا۔ جب اس کا بزنس سیٹ ہو گیا تو وہ اسے ایک دوست کے حوالے کر کے اسپیشلائزیشن کرنے کا سوچا۔ بابا نے اس بار کوئی رائے نہیں دی۔ اسے اپنی مرضی کرنے دی کیونکہ وہ اسے روکتے بھی تو بھی کرنا تو اس نے اپنی ہی تھی۔ وہ کبھی کبھار اپنے بیٹے کو نہیں سمجھ پاتے تھے۔ کبھی وہ اتنا سادہ مزاج دکھائی دیتا اور کبھی ایک گنجلک دھاگے جیسا جسے وہ کبھی سلجھا نہیں سکتے تھے اور اس کی گرہوں میں مزید اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا۔

منہا اور علی کے نکاح کی تقریب گھر پہ ہی رکھی گئی تھی۔ بابا اور علی کے ابا کا تو پورا ارادہ تھا ایک دنیا جمع کرنے کا لیکن علی نے انہیں سادہ سے گھر کے فنکشن پہ منا لیا تھا۔ تقریب لان میں ہی رکھی گئی تھی جہاں پچاس بندوں کا انتظام تو با آسانی ہو سکتا تھا۔ بہت ہی قریبی رشتے دار مدعو تھے۔ ڈیکوریشن بھی بہت الگ سے نہ تھی لیکن مہذب تھی اسی لیے اچھی لگ رہی تھی۔ خود منہا کا نکاح کا جوڑا بالکل سادہ سفید فراک تھا جس پہ گوٹے کا نفیس کام ہوا تھا۔ علی نے بھی سادہ شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔ کھانے کی ڈشز پہ بابا نے اپنی کی تھی اور کھانا پر تکلف تھا۔

"اتنے پیسے بچا کر تم دونوں کرو گے کیا؟" سموئیل ان دونوں کو اسٹیج پہ بیٹھا دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا تھا۔

"ہم نے ورلڈ ٹور کرنا ہے۔" علی نے اسے آنکھ ماری۔ سموئیل نے ہوا میں ہاتھ لہرا کر اسے داد

www.pklibrary.com

دی۔

"یہ سامنے اسمارہ اور اس کی ممی ہیں نا؟" منہا تھی تو دلہن لیکن پٹر پٹر سب کو دیکھ رہی تھی۔ سموئیل کو اس کی بات پہ کرنٹ لگا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسمارہ اور آنٹی زرینہ ممی سے مل رہی تھیں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ یہ ایسی تقریب تھی جس پہ بہت ہی قریبی رشتے دار بلائے گئے تھے پھر یہاں ممی کی دور پار کی کسی کزن کی پوری فیملی کا کیا کام تھا؟ ایک پل لگا تھا اسے ان کی موجودگی کو سمجھنے میں اور اس کا موڈ خوشگوار سے سنجیدگی میں ڈھل گیا تھا۔

اسمارہ کو اسٹیج کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ سیڑھیوں سے اترنے کے بجائے دوسری طرف سے سیدھا نیچے اتر گیا جسے شاید اسمارہ نے محسوس کیا تھا۔ بعد میں وہ اسے ڈھونڈتی ڈھانڈتی اس تک آ ہی گئی یا شاید بھیجی گئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ سموئیل؟" وہ اپنے اور علی کے مشترکہ دوست مرتضیٰ کے ساتھ محو گفتگو تھا جب اسمارہ نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا۔ سموئیل نے مڑ کر اسے دیکھا اور جبراً مسکرایا۔ جسم سے چپکا اس کا لباس اور بے حد گہرا میک اپ۔ اتنا گہرا کہ منہا کا میک اپ اس سے ہلکا تھا۔

"اف ممی۔ کیا یہ میری پسند ہو سکتی ہے؟" اس نے دل میں سوچا۔ ممی کیا اب تک جانتی نہیں تھیں کہ وہ کس طرح کی لڑکیوں سے بھاگتا ہے اور کیسی لڑکیوں کو پسند کرتا ہے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں تب ہی تو دکھائی دے رہا ہوں۔ ورنہ پڑا ہوتا بستر پہ اپنے کمرے میں۔" اس کی بات وہ مسکرادی۔ "گڈ سینس آف ہیومر۔"

"حالانکہ یہ مذاق نہیں تھا۔" سموئیل نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ اسمارہ کی مسکراہٹ وہیں سمٹ گئی۔

"تو آپ کی اسپیشلائزیشن کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟" اس نے خود پہ قابو پا کر بات بدل دی۔

"جا ہی رہی ہے نہیں نا نہیں۔۔" وہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے ایسے دیکھنے لگا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔

"میں بھی اس سال گائنی میں پارٹ ون دے رہی ہوں۔"

"بہت اچھا کر رہی ہیں۔ اس سے آپ زرینہ آنٹی کا کلینک سنبھال لیں گی۔" اسمارہ نے اپنے کرل ہوئے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"خیر اب وہ کلینک نہیں رہا۔ ڈیڈ اور مما نے مل کر اسے ایکسٹینڈ کیا ہے۔ اب تو وہ باقاعدہ ڈائیگنوسٹک سنٹر بن چکا ہے۔ اینڈ یس۔ میں ان فیوچر اسے ہی جوائن کروں گی۔ آخر مجھے ہی اسے سنبھالنا ہے۔"

سموئیل نے سر کو جنبش دی اور ارد گرد دیکھنے لگا۔ لڑکی سمجھدار ہوتی تو سمجھ جاتی کہ وہ اس سے بات کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ بھی کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ بدتمیزی اور بدتہذیبی تھی جو وہ کر رہا تھا لیکن یہ کرنا اس کی مجبوری تھی۔ اگر وہ یہ سب نہ کرتا تو اسے وہ کرنا پڑ جاتا جو ممی چاہتی تھیں اور وہ تو وہ کسی صورت نہیں کر سکتا تھا۔

"سنا ہے آپ نے گاڑیوں کا کوئی شوروم کھولا ہے۔ یہ شوق کب سے ہو گیا۔ آئی مین کہ ایک ڈاکٹر کو ہاسپٹل کھولنے کے بجائے شوروم کھولتے دیکھنا ......" اس نے بات جان کر ادھوری چھوڑ دی۔

"کھولا تھا شوروم۔ اب وہ دوست کو دے دیا ہے کیونکہ اس سے دل بھر گیا تھا۔ آج کل ایک ٹریولنگ ایجنسی کھولنے کا ارادہ ہے جو ٹورز ٹرپ ارینج کرے گی۔"

اسمارہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "آر یو سیریس؟"

"یس آئی ایم۔ میں جلدی بے زار ہو جایا کرتا ہوں۔ چیزوں سے بھی اور لوگوں سے بھی۔ اسی لیے نئے سے نئے کام کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ کام اچھا چل جائے تو اس سے بھی تنگ آ جاتا ہوں۔ پھر ایک نیا کام اور پھر ایک اور۔ پھر ایک اور۔" یہ اتنا بھی

www.pklibrary.com

جھوٹ نہیں تھا لیکن اس نے تھوڑا زیادہ بڑھا کر بیان کر دیا تھا۔

''اسٹرینج۔ لاسٹ ٹائم تک جب ہم ملے تھے تو مجھے نہیں لگا تھا کہ آپ کی ایسی نیچر ہے۔'' وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''لاسٹ ٹائم آپ نے میرا اتنا تفصیلی انٹرویو لیا نہیں تھا نا جیسے اب لے رہی ہیں۔ مجھے تو ایسے لگ رہا ہے کہ میں کسی آفس میں جاب کے لیے آیا ہوں یا ضرورت رشتہ کے آفس۔ جاب تو آپ مجھے دینے سے رہیں تو کیا؟''

اس آخری بات پہ اسارہ کے چہرہ مارے خفت کے سرخ ہوا تو سموئیل کو اپنی چلتی زبان کو قابو کرنا پڑا۔ اسے یک دم ممی یاد آئی۔ اپنی برائی حرکت یاد آ گئی تو شرمندگی نے اسے گھیر لیا۔ وہ سچ میں یہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا۔ وہ لڑکیوں کی عزت کرتا تھا لیکن اس وقت اسی گھٹیا باتیں کرنا اس کی مجبوری تھی۔ ممی نے اسے برا پھنسایا تھا۔ بلکہ بری طرح گرایا تھا اپنی نظروں میں۔ وہ خاموش ہو گیا۔ خاموشی سے نظریں نیچی کیے کھڑا رہا۔

''سوری۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' بالآخر اسے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کہنا پڑا۔ اسارہ زبردستی کا مسکرائی۔

''اٹس اوکے۔ آپ کے فرینڈ آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ خود ہی ایک طرف سے نکل گئی۔ سموئیل کو خود پہ افسوس ہوا۔ ایک بار یہ معاملہ نبٹ جاتا تو وہ اسارہ سے ملاقات کر کے اپنے اس رویے پہ دل و جان سے معافی مانگ لیتا۔ پھر سارا فرسٹریشن اس نے بوجھل دل سے نبٹایا تھا۔

رات کو ممی اس کے کمرے میں آئیں تو اس نے وہ کہا جو وہ سوچے بیٹھا تھا۔ ممی نے بے حد حیرت سے اس کی بات سنی تھی۔

''تم نے جو کہا ہم نے مان لیا سمی۔ جیسے چاہا وہ پورا کیا۔ ہمارے بھی خواب تھے بیٹے کو لے کر لیکن ہم نے ان خوابوں کو ایک طرف رکھ کر تمہارے خواب پورے کیے۔ لیکن اب یہ نئی ضد کیا ہے کہ تم اسپیشلائزیشن کے لیے باہر جانا چاہتے ہو؟ تم کب سے باہر جانے کی پلاننگ کرنے لگے؟''

''اس میں کیا برا ہے ممی؟ سب ہی باہر جا کر اسپیشلائزیشن کرتے ہیں۔ میں جانا افورڈ کر سکتا ہوں تو کیوں نا جاؤں؟'' یہ دوسرا عجیب جملہ تھا جوان کے بیٹے کے منہ سے نکلا تھا۔ وہ جتنا اپنے ملک سے محبت کرتا تھا کبھی ہجرت کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کا جینا مرنا اس کا ملک تھا۔ وہ کبھی اسے چھوڑنے کی بات بھی منہ سے نہیں نکالتا تھا حالانکہ اس کے کتنے دوست باہر جا کر سیٹل ہو چکے تھے۔ بابا نے تو خود اس کے میڈیکل میں ایڈمیشن کے وقت اسے کہا تھا کہ وہ باہر چلا جائے تب وہ نہیں مانا تھا اور اب۔

''بیٹی کا جانا تو مجبوری ہے کہ اسے رخصت تو کرنا ہی تھا ہم نے۔ اور تم۔ ہم بڑھاپا بڑھی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ ہم بڑھاپے میں کیا کریں گے؟ کیا سارا دن بیٹھ کر ٹی وی دیکھا کریں گے اور تمہاری یاد میں آہیں بھریں گے۔ یہ یاد کریں کہ ایک بیٹا تھا ہمارا ابھی جو باہر چلا گیا تمہارے فون کا انتظار کریں گے اور آنے کے دن گنیں گے۔ جب جانا چاہیے تھا تب گئے نہیں اور اب جب یہاں رہنے اور شادی کرنے کا وقت ہے تو یہ نئی بات سوجھ رہی ہے۔ کیا تم نے پکا سوچ رکھا ہے کہ ہر اس کام کی مخالفت کرو گے جو ماں باپ کو پسند ہو؟''

ممی جذباتی ہو گئی تھیں، اتنا کہ آخر تک ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ آواز بھرا گئی۔ سموئیل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر ماں کو گلے سے لگا لیا۔

''صرف سوچا تھا ممی۔ چلا تو نہیں گیا نا۔'' وہ کتنی دیر ماں کو خود سے بھینچ کر چپکتا رہا۔ وہ اس کے سینے سے لگیں کسی ننھی بچی کی طرح سسک رہی تھیں۔

''اچھا کہیں نہیں جاتا۔ آپ کو روتا چھوڑ کر تو جا بھی نہیں سکتا میں۔ بس اب آپ دوبارہ سے میری شادی کی کوئی بات نہیں کریں گی۔ نہ ہی مجھے مجبور کریں گی۔ اور وہ اسارہ۔ اس کی بات اس کے

www.pklibrary.com

پیرنٹس جہاں کرنا چاہتے ہیں کرنے دیں۔ انہیں میری طرف سے کوئی امید مت دلائیں، پلیز۔"

ممی نے اسے حسرتیں نگاہوں سے گھورا۔

فنکشن میں اسارہ سے اس کی کیا بات ہوئی وہ نہیں جانتی تھیں لیکن وہ ان کا بیٹا تھا۔ سمجھ گیا تھا کہ ممی نے اسارہ اور اس کی فیملی کو کیوں بلایا تھا۔ اور تب ہی فنکشن کا اختتام ہوتے ہی اس نے یہ باہر جانے کا شوشا چھوڑا تھا۔

"انسان کی اکلوتی اولاد اتنی بڑی بلیک میلر نہ ہو۔"

سموئیل ان کی بات پہ ہنسی دباتا ایک طرف ہو گیا۔ ممی کو ایک پل لگا تھا سمجھنے کے لیے کہ شادی کے معاملے کو التوی میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ سب ڈرامہ کیا تھا۔ وہ اس کی ماں تھیں، اتنا تو بیٹے کو جانتی تھیں کہ وہ کس کس طرح سے اپنی بات منوانے کا عادی تھا۔

دو دن بعد ہی زرینہ کی خود سے کال آ گئی تھی۔

"عابدہ! آئی ایم سوری لیکن اسارہ کو سموئیل پسند نہیں آیا۔ وہ اس سے شادی سے منع کر رہی ہے۔" ممی نے نادم سی زرینہ کی بات پہ زیادہ حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ سموئیل اسارہ کو کیوں پسند نہیں آیا ہوگا کیونکہ وہ چاہتا ہی نہیں تھا کہ اسارہ اس کو پسند کرے۔

"اسے سموئیل تھوڑا روڈ لگا ہے۔ اس کی کئی باتوں پہ اسے اختلاف ہے۔ اسے نہیں لگتا کہ وہ دونوں ساتھ چل سکتے ہیں یا اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

ممی کا سن کر پارہ بڑھ رہا تھا۔ لیکن بہت مشکل سے سموئیل پہ آتے غصے کو اپنے لہجے اور انداز پہ اثر انداز ہونے سے روکے رکھا۔

"کوئی بات نہیں زرینہ۔ بچوں کی اپنی پسند ہے۔ جیسے وہ خوش، ویسے ہم خوش۔ اسارہ تو اتنی اچھی بچی ہے کہ اسے ایک سے ایک اچھا لڑکا مل جائے گا۔ جہاں تک سموئیل کی بات ہے اسے بھی اچھی لڑکی مل ہی جائے گی۔ میرا بیٹا اتنا بھی برا نہیں ہے۔"

وہ تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں اسی لیے بات کو خوش اسلوبی سے ختم کر دیا۔ بیٹے کی برائی نہیں سن سکتی تھیں اسی لیے جتا بھی دیا کہ وہ اتنا بھی گرا پڑا نہیں ہے۔ لیکن سموئیل پہ چڑھا غصہ رات تک بھی کم نہ ہو سکا۔

"زرینہ کی کال آئی تھی۔ اسارہ نے سموئیل کے لیے منع کر دیا ہے۔" ممی نے بھی کھانے کی میز پہ ہی ذکر خیر چھیڑا۔ ان کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب تھا۔ انکار ہی ہونا تھا تو ان کی طرف سے ہونا چاہیے تھا۔ اتنی سبکی تو نہ ہوتی۔ بیٹے کا مسترد کیے جانا ماؤں کو اچھا نہیں لگتا۔ انھیں کیسے اچھا لگ سکتا تھا جبکہ ان کا بیٹا ویسا تھا ہی نہیں جیسا اسارہ کو لگا تھا۔

بابا کا منہ تک جاتا چمچہ وہیں معلق ہو گیا۔ کوئی ان کے شہزادے بیٹے کو بھی منع کر سکتا تھا انہیں یقین نہیں آیا۔ لیکن سامنے کھانا کھاتا وہی شہزادہ بے فکری سے بیٹھا مزے سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ کوئی اچنبھے کا تاثر نہیں تھا البتہ سکون ضرور تھا۔

بابا نے چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"پہلے تو وہ لوگ بار بار فون کر رہے تھے۔ بات آگے بڑھانا چاہتے تھے تو اب کیا ہوا؟"

ممی نے شاکی نظروں سے بیٹے کو دیکھا جو سر جھکائے "بیبا بچہ" بنا کھانا کھا رہا تھا۔ معاملے سے لاتعلقی کا ایسا اظہار تھا کہ مجھے کیا پتا کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔

"اسارہ کو سموئیل پسند نہیں آیا۔"

"کیا کمی ہے سموئیل میں؟"

ممی اب کیا کہتیں کہ جو جان بوجھ کر کسی کے سامنے اپنی ایسی کمیاں ظاہر کرے جو اس میں ہیں ہی نہیں تو اسارہ کا کیا قصور۔

"ہر کسی کی اپنی پسند ہوتی ہے عباد صاحب۔ اس بچی کو اب ہم زور زبردستی سے منا تو نہیں سکتے۔"

"اسارہ کو کیا بھائی پسند نہیں آیا، وہ ہی بھائی کو پسند نہیں آئی ہوگی۔ کیا اس کا گیٹ اپ ایسا تھا جو

www.pklibrary.com

بھائی کے معیار کے مطابق ہوتا؟''

منہا کی بات پہ پہلی بار سموئیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی بہن اسے کتنا جانتی تھی۔

''کیا خرابی تھی اس کے گیٹ اپ میں۔ آج کل بچیاں ایسا ہی تیار ہوتی ہیں۔ اب کیا فنکشن پہ ماسی بن کر آجاتی؟'' ممی کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''خرابی اس کے گیٹ اپ میں نہیں تھی لیکن بھائی کو سمپل لڑکیاں پسند ہیں۔ اور آپ یہ بات جانتی ہیں کہ بھائی کبھی کسی ماڈرن لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔ اگر اسارہ جیسی ماڈرن لڑکیوں سے ہی شادی کرنا ہوتی تو ایسی لڑکیاں تو جا بجا ہیں۔''

سموئیل نے تو حیرت کے اس پہاڑ تلے دب ہی جانا تھا۔

بابا ممی دونوں نے سموئیل کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

''وہ صرف ماڈرن یا فیشن ایبل نہیں ہے بلکہ اسے گھریلو معاملات میں بھی دلچسپی ہے۔ اس دن میں جب ان کے گھر گئی تھی تو اتنے زبردست شامی کباب اور پاستا اس نے بنایا ہوا تھا۔ آج کل کہاں بچیاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر کے کچن کی شکل بھی دیکھتی ہیں۔ تمہیں آتا ہے یہ سب؟'' ممی نے منہا کی بھی ٹھیک ٹھاک کلاس لے ڈالی۔

منہا ان کی بات پہ مسکرا دی۔

''مجھے یہ سب نہیں آتا ممی مگر مجھے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔''

انہوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''جن کھانوں کو وہ اور اس کی ممی بہت فخر سے اس کا بنایا ہوا بتا رہی تھیں دراصل وہ فوڈی وڈی سے منگوایا گیا تھا۔''

سموئیل اور بابا کھانا روک کر یہ بحث سن رہے تھے۔

''تمہیں کس نے کہا یہ؟''

''کیونکہ میں نے خود اسارہ کے بک ریک پہ ان چیزوں کا بل پڑا دیکھا تھا جو اس دن کی تاریخ کا تھا۔''

ممی اس انکشاف پہ تلملا اٹھیں۔ شرمندہ بھی نظر آنے لگیں۔ بابا نے ہی پھر بات سمیٹی۔

''ایک اسارہ پہ دنیا ختم نہیں ہو جاتی۔ آپ اور کوئی لڑکی دیکھ لیں۔''

''میرا خیال ہے پہلے یہ سکون سے اپنی اسپیشلائزیشن مکمل کرلے، منہا کی رخصتی ہو جائے تو اس بارے میں سوچتے ہیں۔'' ممی کو اس سے کیا گیا اپنا معاہدہ یاد تھا۔

بابا نے شانے اچکائے۔ یہ ڈیپارٹمنٹ ممی کا تھا اور وہ بہتر جانتی تھیں کہ کب کیا ہونا چاہیے۔

سموئیل نے ماں کو ممنون نظروں سے دیکھا جو بیٹے کو شاکی نظروں سے گھور رہی تھیں۔

وہ نظریں چرا کر مطمئن سا کھانا کھانے لگا۔ اسارہ کا باب تو تمام ہوا تھا۔

دو ہفتے بعد ہی اسارہ کی منگنی کا کارڈ آگیا۔ اس کی شادی خاندان کے ایک میڈیکل اسپیشلسٹ سے ہو رہی تھی۔ ممی نے کارڈ دیکھ کر سرد آہ بھری۔

''اچھی لڑکیاں بیٹھی تو نہیں رہتیں۔'' ممی کا موڈ اس دن برا ہی رہا۔

اسارہ کی منگنی پہ وہ نہیں گیا تھا۔ ممی، منہا اور بابا ہی گئے تھے۔ ممی واپس آکر اس کی قسمت پہ رشک کر رہی تھیں جو اتنی زبردست فیملی اور لڑکا اسے ملے تھے۔ فنکشن کی تعریف ہو رہی تھی۔ انتظامات کو سراہا جا رہا تھا۔

''خیر اب لڑکا اتنا بھی اچھا نہیں تھا۔ اسارہ سے صاف عمر میں دس برس تو بڑا لگ ہی رہا تھا۔ اصل میں پتا نہیں کتنا بڑا ہوگا۔'' منہا کبھی بولتے وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتی تھی۔ وہ یوں بھی خاصی منہ پھٹ مشہور تھی۔

''ایک ویل سیٹلڈ ڈاکٹر سے اس کی شادی ہونے جا رہی ہے جو امریکہ سے سرجری میں اسپیشلائزیشن کر کے آیا ہے تو کیا وہ بیس برس کا نوجوان ہوگا؟ ویل سیٹلڈ مرد تو بڑی عمر کے ہی ہوتے

www.pklibrary.com

ہیں۔ ویسے بھی مردوں کی عمر کا کیا ہے، کمائی دیکھنی چاہیے۔ اسارہ کے ساتھ جچ رہا تھا۔'' نجانے کیوں ممی کو اسارہ سے رشتہ نہ ہونے کا اتنا قلق تھا حالانکہ اب تو ان پہ ثابت بھی ہو گیا تھا کہ وہ گھریلو امور میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ پھر بھی ممی کو کیوں بیٹے کے لیے وہ دنیا کی واحد لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

منہا نے ''واٹ ایور'' والے تاثرات دیے اور چلی گئی۔

سموئیل نے کمرے میں جا کر اسارہ کو مبارکباد کا پیغام بھیجا تھا۔ بھلے وہ سمجھ رہی ہو کہ اس نے سموئیل کو ٹھکرایا تھا لیکن حقیقت یہی تھی کہ اس نے خود حالات ایسے پیدا کیے تھے کہ وہ ٹھکرایا جائے۔

''صرف مبارک دیں گے؟'' اس نے انگریزی میں جواب دیا۔

''اور کیا کرنا چاہیے؟''

''میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے سموئیل عباد، کہ میں نے خود انکار کر کے آپ کو اس زحمت سے بچا لیا۔'' سموئیل کو اس کا پیغام دیکھ کر جھٹکا لگا۔ وہ جیسا سمجھ رہا تھا ویسا نہیں تھا۔

کچھ دیر وہ موبائل ہاتھ میں لیے خاموشی سے اس پیغام کو دیکھتا رہا پھر اس نے یک دم اسے کال ملا دی۔

''تم جانتی تھیں کہ۔۔'' وہ جملہ مکمل کرنا اسے تضحیک لگا تھا اور وہ مزید اسارہ کو بے عزت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تو آپ کو کیا لگا کہ میں انجان ہوں۔ کیا میں آپ سے پہلی بار ملی تھی کہ آپ کا برتاؤ مجھے نہ الجھاتا۔ ہم کتنی بار پہلے بھی مل چکے تھے سموئیل۔ اور میں جانتی ہوں کہ آپ کتنے سلجھے ہوئے، مہذب انسان ہو اور ایسا انسان اگر یک دم اتنا بدتمیز ہو جائے، جاہلوں کی طرح برتاؤ کرے تو کیا تب بھی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔'' سموئیل پہلے سے زیادہ اب شرمندہ تھا۔

''اپنے رویے کے لیے معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے انگریزی میں کہا۔

بعض جملے زبان بدل لینے سے زبان پہ بھاری نہیں گزرتے۔ انگریزی زبان میں یہ خاصیت تو ہے یہ ماننا پڑے گا۔

''آپ یہ سب مجھے ڈائریکٹ بھی کہہ سکتے تھے۔''

ان دونوں میں کوئی ایسی بے تکلفی تو تھی نہیں کہ وہ اسے یہ سب براہ راست کہہ دیتا۔ اسے یہی طریقہ بہتر لگا تھا اس سے جان چھڑانے کا کہ لڑکیاں کسی لڑکے کی بدتمیزی برداشت نہیں کرتیں۔ یہ ان کی نازک صنف پہ بے حد گراں گزرتا ہے۔ اس نے پھر یہی حربہ اپنایا۔ اوچھا تھا لیکن کارگر ثابت ہوا تھا۔

''تمہیں اندازہ کیسے ہوا کہ؟''

''کہ آپ مجھ سے شادی میں دلچسپی نہیں رکھتے؟'' اس کا جملہ اچک کر اسارہ نے مکمل کیا۔

سموئیل خاموش رہا۔

''آپ وہاں سب سے اسی مہذب انداز میں پیش آتے رہے، سوائے میرے۔ تو اس کا کیا مطلب تھا کہ آپ صرف مجھ سے ہی ایسا برتاؤ کر رہے ہیں۔ اسی لیے نا کہ آپ مجھ سے جان چھڑا رہے ہیں۔ تو جو انسان مجھ سے جان چھڑانے کے لیے ایسا کر رہا تھا مجھے کیا ضرورت تھی اس کی جان کو آنے کی؟'' اسارہ نے یہ سب بالکل ہلکے پھلکے انداز سے کہا۔ اسے کوئی دکھ یا غصہ نہیں تھا۔

سموئیل نے گہرا سانس لیا۔

''تھینک یو اسارہ۔ یو آر ریچ آنائس سول۔''

''ابھی بھی سوچ لیں۔ ابھی صرف منگنی ہوئی ہے؟'' اس کی کھنکتی آواز پہ وہ ہنس دیا۔

''نو پلیز۔''

اسارہ کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''نائس سول ہوں۔

www.pklibrary.com

لیکن وہ نہیں ہوں جو آپ کو چاہیے۔"

سموئیل خاموش ہو گیا۔

"وہ جو بھی ہے سموئیل، آپ کو آنٹی کو بتا دینا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ آنٹی کوئی اور اسمارہ ڈھونڈ لیں۔ اب ہر اسمارہ تو میرے جیسی نہیں ہو گی جو رستے سے ہٹ جائے۔"

سموئیل اس کی بات بالکل گنگ رہ گیا تھا۔ کال کے بعد وہ کتنی دیر ٹیرس پہ کھڑا اس کی باتوں کو سوچتا رہا۔ ممی کی بات یاد آئی کہ اچھی لڑکیاں زیادہ دیر تک تو نہیں بیٹھی رہتیں اور پہلی بار اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"وہ تو بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہ کہاں اس کے لیے بیٹھی ہو گی۔" اس نے تصور میں اسے سوچا۔

"آئینور فاطمہ کل۔ کاش کہ تم پوری دنیا کے لیے گندی لڑکی بن جاؤ اور ابھی تک بیٹھی ہوئی ہو۔ بس ایک بار میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں۔" بڑی شدت سے اس نے دعا کی تھی۔

☆☆☆

وہ کالج جانے لگی تو اس کے برابر والے سیکشن میں، جو فائن آرٹس کا تھا، میں اسے دوشنا سا چہرے دکھائی دیے۔ اعظمی اور سندس کا۔ وہ دونوں آرٹس اکیڈمی میں اس کی اسٹوڈنٹس تھیں اور اس سے فلاور میکنگ سیکھتی رہی تھیں۔ کچھ دن جیولری میکنگ کی کلاس میں بھی آئی تھیں۔ ان دونوں کو یہاں دیکھ کر اس کا سانس تو رکا ہی رکا وہ دونوں منہ کھولے حیرت سے اپنی استانی کو یونیفارم پہنے، چوٹی بنائے، بیگ اٹھائے، انہی کی کلاس کے رنگ کا دوپٹا اوڑھے دیکھ رہی تھیں۔

"مس! آپ یہاں؟" سندس کہے بنا نہیں رہ سکی۔

"کیسی ہیں آپ دونوں؟" وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

ہم میں سے اکثر اپنا اصل دوسروں کے سامنے عیاں ہونے سے گھبراتے ہیں۔ اسے بھی ایک جھجک سی ہو رہی تھی۔

"ہم تو ٹھیک ہیں مس، مگر آپ فرسٹ ایئر میں آئی ہیں؟ آئی مین آپ چھوٹی لگتی تھیں لیکن آپ ہماری کلاس فیلو ہوں گی یہ ہمیں نہیں پتا تھا۔" سندس ذرا منہ پھٹ سی تھی اسے خاموش رہنا نہیں آتا تھا۔

اعظمی نے سندس کو کہنی ماری۔ اسے مس کی رنگت دیکھ کر برا لگا تھا۔

"میں نے بیچ میں گیپ دیا تھا۔" خود پہ قابو پاتے اس نے کہہ دیا۔ اعظمی مسکرا دی۔

"اٹس اوکے مس۔ کچھ بھی سکھانے والا استاد ہی ہوتا ہے بھلے اس کی عمر کچھ بھی ہو۔ ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے۔" فاطمہ کو اس کا جملہ اچھا لگا تھا۔ اس کے اعتماد میں کچھ اضافہ ہوا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ اس کا دل کیا ان دونوں کو منع کر دے کہ وہ یہ بات کسی دوسرے کے سامنے مت دہرائیں لیکن پھر اس نے خود کو کہنے سے باز رکھا۔ وہ دہرا بھی دیتیں تو کیا فرق پڑ جانا تھا۔

کالج کے ساتھ ساتھ وہ شام میں ہمدان کو بھی پڑھاتی تھی۔ ایک دو سوال سمجھا دیتی تو آگے وہ خود کرتا جاتا۔ حساب کے علاوہ باقی مضامین تو یوں بھی ایک بار سمجھ کر یاد کرنے اور لکھ کر دکھانے کے ہوتے تھے۔ کچھ ایسا بھی مشکل نہیں تھا۔ فیس اس کے کہے بنا دوگنا بڑھ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ التفات کیوں کیے جا رہے تھے لیکن اس نے منع نہیں کیا۔ تین گھنٹے وہ اس سے پڑھتا تھا اگر وہ اتنا لے لیتی تو کیا حرج تھا۔ ہوم ٹیوٹرز ٹھیک ٹھاک فیس لیتے ہیں۔ بھلے وہ ہوم ٹیوٹر نہیں تھی لیکن محنت، وقت اور توجہ مکمل طور پہ اسی طرح دیتی تھی اور پھر ہمدان کے علاوہ اس کے پاس کون سے بچوں کا جمگھٹا تھا۔ یوں ٹیوشن اور اپنی پڑھائی بہت اچھے سے چل رہے تھے۔

"چاچو اس دن آپ کا پوچھ رہے تھے۔" یک دم اسے بیٹھے بیٹھے یاد آ گیا۔ وہ تھوڑا چونکی اور

www.pklibrary.com

پھر لاپروا بن گئی۔
''اچھا......'' اس نے کسی بھی تاثر کو چہرے پہ آنے سے باز رکھا۔
''پوچھیں گی نہیں کہ کیا پوچھ رہے تھے؟'' اسے لگا تھا کہ وہ اشتیاق سے پوچھے گی۔
''نہیں۔'' وہ اپنا کام کرتی رہی۔
''آپ تو کبھی ان کا نہیں پوچھتیں۔ وہ پوچھتے ہیں تو بھی نہیں پوچھتیں کہ وہ کیا پوچھ رہے تھے؟''
فاطمہ نے اسے گھورا۔ اف یہ ہمدان۔
''آپ کی طبیعت کا پوچھ رہے تھے کہ کوئی پریشانی تو نہیں۔ پڑھائی ٹھیک سے جا رہی ہے۔ کچھ چاہیے تو نہیں۔ یہ بھی کہ آپ ان کی باتیں کرتی ہیں تو میں نے کہا کہ نہیں کرتیں۔ وہ کہنے لگے کہ تم خود کر لیا کرو میری باتیں اور جو جواب وہ دیں وہ مجھے بتا دیا کرو۔ مگر مجھے لگتا نہیں ہے کہ آپ ان کی کوئی بات کرنے میں انٹرسٹڈ ہیں۔''
فاطمہ کو تھوڑی ہنسی سی آ گئی جسے اس نے چھپا لیا ورنہ وہ مزید شوخا ہو جاتا اور جا کر چاچو کو بھی بتا تا

۔

''تمہیں بالکل ٹھیک لگتا ہے۔ ہم پڑھنے بیٹھے ہیں، باتیں کرنے نہیں۔'' اس نے کاپی کی طرف پنسل سے اشارہ کیا کہ وہ کاپی پہ دھیان دے اور اپنا کام کرے۔ ہمدان مایوس سا ہو کر، منہ بنا تا ہوا لکھنے لگ گیا۔
فاطمہ نے بھی اپنی توجہ پڑھائی پہ لگانا چاہی لیکن نجانے کیوں وہ شمشاد کہاں سے دماغ میں گھسن گھیریاں ڈالنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار اپنا دھیان مرکوز کرنے کی کوشش کی اور جب ناکام رہی تو کتاب بند کر دی۔ اٹھ کر پانی پیا، منہ دھویا، ایک دو چکر کمرے کے لگائے اور پھر سے پڑھنے بیٹھ گئی۔
ہمدان اسے کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔
''کوئی پریشانی ہے کیا؟''
فاطمہ نے اسے کچھ گھور کر دیکھا۔ یہ بچہ تھا یا ایکسرے مشین۔ بہت خطرناک بچہ تھا۔
''بالکل بھی نہیں۔''
''مجھے لگا کہ کچھ ہے۔ چاچو کو بھی شاید یہی لگا ہو گا۔''
''اپنا کام کرو ہمدان۔'' کچھ ڈپٹ کر وہ غصے والے تاثرات لا کر بولی تو وہ اب کی بار خاموشی سے اپنا کام کرنے لگا۔ جب جانے لگا تو کتابیں سمیٹتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
''اب تو چھٹی ہو گئی۔ اب بھی بات نہیں ہو سکتی کیا؟''
فاطمہ خاموش رہی۔
''چاچو کو کیا بتاؤں گا کہ کوئی بات نہیں ہوئی۔'' اسے رہ رہ کر بے چارے چاچو کا خیال آ رہا تھا۔
''انہیں یاد دلانا کہ انہیں بات کرنے سے منع کیا گیا تھا۔''
ہمدان نے برا سا منہ بنایا اور سر ہلا دیا۔
اس رات اس کا دماغ الجھا رہا تھا۔ کچی عمر کی پکی لڑکی کی زندگی میں بھی جب کوئی آ جائے تو دل تو اس کا بھی کچھ کچھ راہ سے ہٹتا ہی ہے۔ تھوڑا بہت تو سوچتا ہی ہے۔ ہلکا سا مسکراتا ہی ہے۔
اگلے دن جب ہمدان آیا تو اس کا چہرہ بڑا سنجیدہ تھا۔ کتابیں کھولتا گیا اور بولتا گیا۔
''چاچو کو میں نے میسج دے دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بات کہاں کر رہا ہوں۔ میں تو کبوتر کے ہاتھوں پیغام بھیج رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے پرانا دور لوٹ آیا ہے جہاں کبوتر پیغام لاتے لے جاتے تھے۔''
فاطمہ کا چہرہ کچھ لال پڑا۔
''مجھے ایک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس جملے میں کبوتر کون ہے؟'' فاطمہ کے منہ سے ہنسی فوارہ چھوٹا۔ ہمدان نے گھور کر اسے دیکھا۔
''یعنی میرا شک ٹھیک ہے کہ کبوتر میں ہی ہوں۔'' فاطمہ ہنستی چلی گئی۔ ہمدان منہ

www.pklibrary.com

پھلائے اب کتابیں نکال کر خود ہی سے پڑھنے لگ گیا تھا۔ فاطمہ بھی کچھ دیر بعد اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے اسے پڑھانے لگ گئی۔

روزانہ کوئی نہ کوئی جملہ، کوئی بات ہمدان اس کے سامنے شمشاد کی کر دیا کرتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ نہ مل کر، نہ بات کر کے بھی بیچ میں اسے یاد دلانے کے لیے اس موٹے کبوتر کو بھیجتا ہے تاکہ وہ یاد رکھے کہ وہ اسے کتنا یاد رکھتا ہے۔ ذہن تو اس کا ایسے بھی تھوڑا بٹ ہی گیا تھا۔ ہمدان باز آنے سے رہا تھا۔ شمشاد بات کرنے سے منع نہیں ہوتا تھا۔ وہ بے بسی سے بس خاموش رہتی اور دل و دماغ اندر سے بولنے لگتے۔

اس سب کا نتیجہ جلد سامنے آیا تھا۔ پہلی سہ ماہی میں اس کے نمبر اس کی توقع سے کم آئے تھے حالانکہ اس نے اپنی پوری کوشش کی تھی لیکن نتیجہ حسب منشا نہ آسکا۔ غصہ سارا ہمدان پہ نکلا تھا۔

"کل سے تم پڑھنے نہیں آؤ گے۔" اتنے غصے سے کہا کہ ہمدان کی بولتی بند ہوگئی۔ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"آج پڑھ لوں کیا؟" بیگ زمین پہ رکھتے ہوئے اس نے فاطمہ کو دیکھا۔

"آج آخری دن ہے۔" مہینہ ختم ہونے میں ویسے بھی دو دن ہی باقی تھے۔

"دو دن تو پڑھا ہی سکتی ہیں۔" اس نے تاریخ کا اندازہ لگا کر کہا۔ فاطمہ خاموش رہی۔

"میرا قصور کیا ہے؟" مسکین سی صورت بنا کر وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"میری اپنی پڑھائی ڈسٹرب ہو رہی ہے تمہیں پڑھانے سے۔ میرے گریڈز کم ہو رہے ہیں۔ ایسا رہا تو میں کیسے میڈیکل میں جاؤں گی؟ میری محنت بے کار جائے گی۔" سچ بھی یہی تھا۔

"پھر میں ایسا کیا کروں کہ ایسا نہ ہو۔" فاطمہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بول پڑا۔

"ٹیوشن ختم ہونے کے علاوہ بتائیں۔"

فاطمہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم خاموش رہا کرو۔" اسے کہنا پڑا۔

ہمدان نے سر ہلایا۔ "اب سے نہیں بولوں گا۔" وہ جھٹ سے نہ بولنے پہ آمادہ ہوگیا جو کہ دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

"منظور ہے۔ بس مجھے پڑھانا نہیں چھوڑنا۔"

فاطمہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی۔ نجانے کیا تھا اس بچے میں کہ وہ اسے منانا جانتا تھا۔

اگلے دن وہ نہیں آیا لیکن شام بیل بجنے پہ اس نے گیٹ کھولا تو سامنے شمشاد کھڑا تھا۔ فاطمہ کی سانس پل بھر کو تھم گئی۔

"آپ نے ہمدان کو آنے سے کیوں روکا؟ آپ جانتی بھی ہیں کہ وہ آپ سے ہی پڑھنا چاہتا ہے۔"

اس کا لہجہ ہموار تھا۔ فاطمہ کو ہمت ہوئی کہ وہ کہہ دے اسے جو بھی کہنا ہے۔ یہ موقع اسے بار بار نہیں ملنا تھا۔

شمشاد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ فاطمہ کو الجھن ہونے لگی۔ وہ بھلے اس سے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کر رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں جو اتنا چیخ چیخ کر بول رہی تھیں کہ فاطمہ کو اپنا دل بری طرح دھڑکتا محسوس ہوا۔ منگنی کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ وہ دونوں روبرو ہوئے تھے۔ وہ پہلی بار اس قسم کے جذبات سے واقف ہوئی تھی۔ اپنی ہی کیفیات اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں لیکن اتنا وہ اعتراف کرتی تھی کہ رشتہ بھلے گھر والوں کی مکمل مرضی سے طے ہوا تھا لیکن اپنے دل و دماغ سے وہ اس انسان کا خیال مکمل طور سے جھٹک نہیں پائی تھی اور اب تو وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بڑی مشکل سے ہمت کر کے اس نے خود کو کہنے کے قابل بنایا۔

"میں اسے پڑھا دوں گی لیکن میری ایک شرط ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pklibrary.com

ہاجرہ عمران خان

چھوٹی سی بات

اپنی امی کے ہاں پہنچ کر فامیہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آج وہ ایک مہینے کے بعد میکے کا چکر لگا رہی تھی۔ شاہ ویز فامیہ کے بھائی روحان کے ساتھ کہیں کام سے چلے گئے تو فامیہ لان میں نکل آئی۔ فامیہ کو امی اور بھابھی کی بے تکلفی اور ایک دوسرے کو خیال رکھتا دیکھ کر ناملوم سا رنج ہوا۔ وہ خود بھی اپنی کیفیت سمجھ نہیں پائی۔ اسے تو گھر میں سکوک اور اتفاق دیکھ کر خوشی ہونی چاہیے تھی مگر وہ نامعلوم اداسی کا شکار ہو رہی تھی۔ "تو کیا مجھے شازیہ کے اعمال و کردار کا بدلہ اپنی بھابھی سے لینا چاہیے؟" وہ سوچوں کے سفر کہیں پیچھے چلی گئی۔

ابھی آٹھ مہینے پہلے وہ اس گھر پر راج کرتی تھی۔ امی اس کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں بھابھی سے پورا کرواتی تھیں۔ اس کو گھر بھر میں ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا جاتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ آج اس کے اور امی کے درمیان فاصلے آگئے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے فامیہ کو محسوس ہوا جیسے وہ شازیہ کی طرح سوچنے لگی ہے۔ کیا مجھے امی اور بھابھی کے اچھے تعلقات سے جلن محسوس ہو رہی ہے؟ کیا مجھے بھی وہی کرنا چاہیے جو شازیہ باجی میرے ساتھ کرتی ہیں؟ اس کے ذہن میں ایسے سوالات پیدا ہو رہے تھے جن سے اس کی ذہنی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"امی، ابو، بھائی اور بھابھی..... بھابھی پر آ کر اس کی سوچ اٹک سی گئی۔ فامیہ کی شادی سے پانچ سال پہلے، اس کے بڑے بھائی کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت فامیہ میں بہت بچپنا تھا۔ اس نے عرصہ تک اپنی بھابھی کو ٹف ٹائم دیے رکھا۔ گھر بھر کو اس کے لاڈ اٹھانے کی عادت تھی۔ امی کو وہ سارا دن نخرے دکھاتی تو بابا سے فون پر فرمائشی پروگرام جاری رہتا، رہی سہی کسر بھائی کی آفس سے واپسی پر پوری کرتی۔ کبھی اسے آئس کریم کھانی ہوتی، کبھی برگر، کبھی نوٹس منگوانے ہوتے تو کبھی اسے فرینڈ کے ہاں جانا ہوتا۔ بھابھی اور بھیا آؤٹنگ کے لیے اس کے بغیر گھر سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ "کتنا تنگ ہوتی ہوں گی بھابھی میری وجہ سے توبہ..... کیسی نادان تھی میں۔" اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو چمکے۔ گھر کے بیرونی لان میں لگے جھولے میں بیٹھی اس پر یہ لمحاتِ آگہی کی طرح وارد ہوئے تھے۔ "کیا کروں؟ اپنی نادانی کی تلافی کیسے کروں؟، بھابھی نے تو میری شادی کے بعد سکھ کا سانس لیا ہوگا۔ کبھی کبھار بلا ارادہ ہم وہ کچھ کر بیٹھتے ہیں کہ جس پر پچھتاوے اور ہاتھ ملنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔" اس کی اپنی سوچ ہی اس کی تکلیف کی وجہ بن رہی تھی۔ ننھی راحمہ چار برس کی ہو چکی تھی۔ ارحم دو برس کا تھا، اب راحمہ تھی گھر بھر کی آنکھ کا تارا۔

"مجھے رشتوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا ہے۔ یہ گھر اب اس کی بھابھی کا ہے، انہیں اس گھر میں سکھ اور سکون سے رہنے کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔" اسے اپنے اس فیصلے سے دل کے کسی گوشے میں اطمینان محسوس ہوا۔

واپسی پر اس نے بھابھی کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اور ایک لفظ بمشکل حلق سے برآمد ہوا۔"

www.pklibrary.com

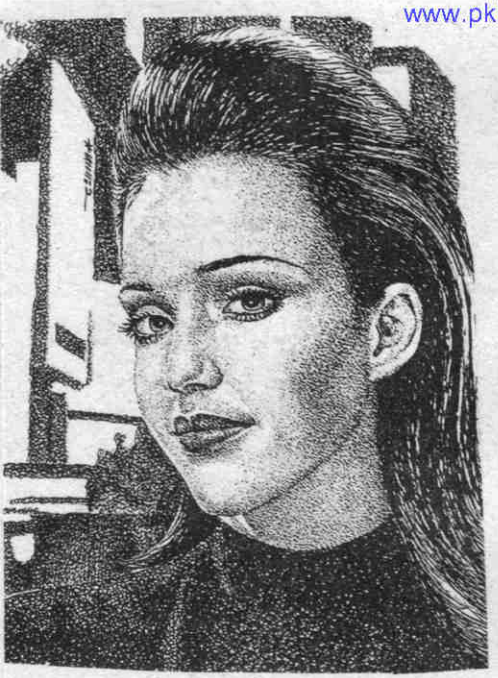

سوری۔"

اس کے چہرے کے تاثرات اس کے لہجے سے کہیں زیادہ شرمندگی کا مظہر تھے۔ بھابھی اسے گلے لگا کر مسکرا دیں۔

"پگلی ہو تم۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔ سوری کس لیے؟"

☆☆☆

شازیہ فامیہ کی شادی شدہ نند اور دو بچوں کی ماں تھی پھر بھی اکثر میکے میں ہی پائی جاتی۔ وہ اکثر فرحانہ بیگم کو اپنی چھوٹی نند کے قصے سنایا کرتی اسے اپنی غیر شادی شدہ نند سے بہت ساری شکایات تھیں۔

شازیہ اس کے ہر کام میں میں میخ نکالنے کی عادی ہوتی چلی جارہی تھی۔ آج بھی اس نے جی جان سے ڈرائنگ روم کی آرائش بدلی تھی کہ شازیہ کا اعتراض شروع ہوگیا۔

"پہلے والی سیٹنگ زیادہ اچھی تھی ویسے، تم نے فضول ہی اتنی محنت کی۔"

اس نے شازیہ کی بلاوجہ روک ٹوک پر بس اتنا ہی کہا تھا کہ

"باجی آپ اپنے کام سے کام رکھا کریں۔ یہ گھر اب میرا بھی اتنا ہے جتنا آپ کا ہے۔" آخر انسان کتنا سنے اور کہاں تک سنے۔

اس پر شازیہ نے بلاوجہ نے بات کا بتنگڑ بنالیا۔ شاہ ویز جانتا تھا کہ فامیہ بے قصور ہے مگر وہ بہن کو بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ نتیجے کے طور پر اسے زن مریدی، پسند کی شادی، بیوہ ماں کے جذبات مجروح کرنے کے طعنے ملتے جنہیں برداشت کرنا اس کے لیے امتحان سے کم نہیں ہوتا تھا۔

وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"تمہیں کچھ دن تمہاری امی کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے پوچھا نہیں تھا بس فیصلہ سنایا تھا۔

وہ اس کو اس ماحول سے دور رکھنا چاہتا تھا مگر یہ فامیہ کا قصور نہیں تھا کہ وہ شاہ ویز کی ہر بات کو منفی لینے لگی تھی۔ گزشتہ آٹھ مہینے میں اس نے رویوں کے ایسے مدوجزر پار کیے تھے کہ شاید صحیح سمت سوچنے کی اس کی صلاحیت کو زنگ لگنے لگ گیا تھا۔ "وہ مجھ سے جان چھڑا رہا ہے۔ اسی لیے خود سے دور کر رہا ہے۔" اس نے ڈوبتے دل سے سوچا۔

"ٹھیک ہے، چند دن کیوں؟ ہمیشہ اپنی مرضی سے رہے ہو تو واپس میں اپنی مرضی سے آؤں گی۔"

شاہ ویز اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جب سے وہ پریگننٹ ہوئی تھی اس کے موڈز بدلتے رہتے تھے۔ وہ بیگ میں کپڑے رکھنے لگی بلڈ پریشر انتہائی لو تھا۔ وہ بیگ لے کر لاؤنج کی طرف آگئی۔ "شاہ ویز، تم ہر بات میں اپنی بیوی کی حمایت چھوڑ دو، اس نے تمہارے سامنے تمہاری بہن کی بے عزتی کی مگر تم خاموش رہے۔ تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ بہن کی دل

www.pklibrary.com

جوئی کرلو، کس قدر دل گرفتہ ہو گئی ہے میری بچی، مگر تمہیں بیوی کے لاڈ اٹھانے سے فرصت ہو تو کچھ محسوس کرو۔ اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ میری بیٹی کو آئندہ ہرگز نہ ٹوکے۔ اس کا دل نہیں چاہتا تو ہرگز اس گھر میں کسی کام کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس کے آنے سے پہلے بھی ہمارے گھر میں سب کام ہوا کرتے تھے۔''

فامیہ خود کو سنبھال کر صوفے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اسے علم تھا کہ شاہ ویز اپنی امی کے احترام میں ایک لفظ نہیں کہے گا اور وہ ایسا چاہتی بھی نہیں تھی۔ اس کی سوئی تو بس اس بات پر اٹک گئی تھی ''ہمارا گھر''، یعنی اسے آج تک اس گھر کا فرد ہی تسلیم نہیں کیا گیا۔ اسے شاہ ویز کا اسے میکے چھوڑ آنے کا فیصلہ درست معلوم ہوا۔ ساری شکایات اپنے آپ ہی ختم ہو گئیں۔ سمجھوتے کی ایک نئی تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ سچ ہے کہ گھر اجاڑنا آسان ہے مگر بسانا بہت مشکل مگر اسے ہر حال میں بسانا تھا۔

☆☆☆

فامیہ اپنی امی کے گھر آ گئی تھی۔ بیٹی کی گرتی ہوئی جذباتی و جسمانی حالت دیکھ کر ماں کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اس کا ہمیشہ سے زیادہ خیال رکھنے لگیں۔ بڑے بھیا کی راحمہ اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر جینے لگی۔ راحمہ نے سکول جانا شروع کر دیا تھا۔ بھابھی کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ گھر میں کام کے لیے وقتی ملازمہ تھی مگر کھانا پکانے اور کچن کے دوسرے بہت سے کام سب بھابھی کی ذمے داری تھے جنہیں وہ خوش اسلوبی سے سنبھال رہی تھیں۔ اس کے زیادہ دن کے قیام سے سویرا بھابھی کا رویہ کچھ کھنچا کھنچا رہنے لگا۔ ''سویرا، فامیہ کے لیے دیسی گھی میں حلوہ بنا لینا۔'' امی نے سویرا بھابھی کو ہدایت دی۔ اس لمحے سویرا بھابھی کے چہرے پر ناگواری سی اتری۔ جسے صرف فامیہ نے محسوس کیا۔

وہ سوچتی رہی، بہت سوچا تو اسے ساری تصویر صاف دکھائی دینے لگی۔ ''گھر، شوہر، ساس، سسر اور بچی کے ساتھ ساتھ میری ذمہ داری بھی ان پر آ پڑی ہے اسی لیے تو وہ مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہتی ہیں، آخر ایک اکیلی عورت پر پورے گھر کا بوجھ ڈال دینا کہاں تک مناسب بات ہے؟ اگر اس پر بھی وہ کچھ موڈ آف کرے تو ہم اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بجائے الٹا اس کے خلاف محاذ بنانے لگتے ہیں۔''

فامیہ کو افسوس ہوا کہ اسے خود سے سویرا بھابھی کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ آخر وہ پریگننٹ ہی تو تھی خدا نا خواستہ معذور تو نہیں۔ مہمان ایک دن ہوتا ہے یا دو دن تیسرے دن تو زحمت ہی ہوتا ہے۔ اپنی پریشانی میں وہ بھابھی کو کتنا پریشان کر رہی ہے اس بات کا اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔

''یہ سویرا کچھ زیادہ نخرے نہیں دکھا رہی؟'' امی نے سخت تاثرات کے ساتھ کہا۔

''نہیں امی، سویرا بھابھی بہت اچھی ہیں۔ اتنی ساری ذمہ داریاں ایک ساتھ نبھا رہی ہیں، مجھے ہی چاہیے کہ میں ان کا بوجھ کم کروں نہ کہ اپنے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال کر ان کی ذمے داریوں میں اضافہ کروں، مجھے سمجھنے میں دیر ہوئی مگر میں سمجھ گئی ہوں۔ اپنے گھروں میں موجود بھابھیوں کو ہم خلائی مخلوق سمجھ لیتے ہیں، ان سے کام کرائیں، ان کو طعنے دیں۔ ان کو برا بھلا جانیں مگر وہ پھر بھی ہماری خدمت میں حاضر ہیں، بہت زیادتی کر دیتے ہیں ہم لوگ۔ یہاں تک کہ ہمیں خود بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم کسی انسان کے صبر کو کتنا آزما رہے ہیں۔''

شاہ ویز اسے دن میں چار بار کال کرتے تھے۔ ہفتے میں دو بار تین بار باہر لے جاتے۔ تھوڑی دوری تھوڑی قربت نے دونوں کے درمیان ایک عجیب سی کشش پیدا کر دی تھی۔ فامیہ گھر کے حالات کے بارے میں ان سے کچھ نہ پوچھتی، ان کے دل میں جو آتا وہ خود سے بتا دیتے۔

''شازیہ کی نند کی شادی ہو رہی تھی۔ وہ بہت خوش ہے آج کل۔ امی کے لیے بھی اپنے جیسے جوڑے بنوا رہی ہے۔''

وہ دونوں خواتین خوش ہیں، ان دونوں میں

www.pklibrary.com

فامیہ کی بھی گنجائش نکل ہی نہ سکی، لاکھ فامیہ نے چاہنے پر وہ فرحانہ بیگم کے نزدیک نہ جا سکی۔ شازیہ یہ جگہ کسی اور کو دینے کو تیار ہی نہیں تھی۔ فامیہ جب بھی ان رشتوں کے بارے میں سوچتی اس کا دل کڑواہٹ سے بھر جاتا۔

☆☆☆

فامیہ نے پھر بھی خود کو کمپوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گھر کے کاموں میں بھابھی کی بہت زیادہ مدد نہیں کر سکتی تھی مگر چھوٹے چھوٹے کاموں سے ان کی مددگار بن سکتی تھی۔ امی کی ہدایت پر اپنے لیے خود ہی کچھ نہ کچھ بنا لیتی۔

راحمہ پڑھائی میں زیادہ تنگ کرتی۔ وہ اسے طریقے طریقے سے اپنے ساتھ لگائے رکھتی اور پڑھائی بھی۔

''بھابھی، شادی سے پہلے بھی میں آپ کے لیے سر درد تھی اور اب جب میری شادی ہو گئی تو اب بھی میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں۔'' فامیہ اور سویرا چائے کے کپ تھامے ٹیرس پر موجود تھیں۔ جب فامیہ نے کہا۔

''فامیہ، کبھی ایسا سوچنا بھی مت، میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔ تمہارے لیے اپنے گھر اور دل کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے ہیں۔ اگر کبھی میرے کسی رویے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو یقین کر لو ایسا کچھ بھی لاشعوری طور پر ہوا ہوگا۔ اس میں میرا ارادہ قطعاً شامل نہیں ہو سکتا۔ کبھی کبھی ذمے داریوں کا اضافی بوجھ ہمیں اور ہمارے رویوں کو عجیب سا کر دیتا ہے۔ ہم ویسے ہوتے نہیں جیسا حالات ہمیں پورٹریٹ کر دیتے ہیں، بس تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔'' فامیہ نے چائے میز پر رکھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

☆☆☆

ایک ماہ بعد اس نے صحت مند شہزادے کو جنم دیا تو ہر جانب جیسے خوشیوں کی برسات ہو گئی۔ فرحانہ بیگم، شازیہ اس کے شوہر اور بچے سب ملنے آئے تھے۔ فرحانہ بیگم پوتے کو گود میں لے کر بہت خوش تھیں۔

کچھ ہی دنوں میں شازیہ کے شوہر کا تبادلہ پنڈی ہو گیا۔ فامیہ بھی چلے کے بعد گھر واپس آ گئی۔ اس نے آتے ہی فرحانہ بیگم کا دل جیتنے کے جتن شروع کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اور ننھا شہزادہ حتان ان کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے۔ شاہ ویز کو بھی کچھ قلبی سکون حاصل ہوا۔

آج عقیقے پر سب لوگ ان کے گھر جمع تھے۔ فامیہ کی بھابھی اس کے ساتھ ہر کام میں شریک تھی۔ ان دونوں کا پیار دیکھ کر شازیہ کو غصہ آ رہا تھا۔

فامیہ نے اس کی الجھن محسوس کی مگر اسے ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ نظر انداز کر دیا۔

قرآن پاک میں جیسا کہ لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ برائی کو نیکی سے رفع کرو۔ جو بہترین ہو، تو اس نے بھی یہی کیا۔ بھابھی نے اشارے سے شازیہ کے رویے کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔

''کچھ لوگوں کی فطرت کبھی نہیں بدلتی اور نہ ہی ہمیں اس کے بدلنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ کچھ رشتے اور رویے وقت کے ساتھ ہی ٹھیک ہوتے ہیں جیسے کی شازیہ۔ کوئی رشتہ برا نہیں ہوتا بس اس کی ٹریٹمنٹ بری ہوتی ہے۔ ہر رشتے کو اس کی جگہ رکھا جائے تو کبھی ان کا توازن نہ بگڑے۔ سوچ کا بگاڑ رویوں میں تبدیلی لاتا ہے اور پھر رشتوں کو غیر متوازن کر دیتا ہے۔ رشتے بھی راستوں کی طرح ہموار ہی اچھے لگتے ہیں۔ ٹیڑھے میڑھے اور خراب راستہ لوگ بہت جلد چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے رشتے میں سب سے زیادہ ضروری ایلیمنٹ احساس کا ہے، پہل جس جانب سے بھی ہو، دوسرا اسے فوری طور پر محسوس کر لیتا ہے۔ ہر رشتے سے پہلے ہم دونوں نند بھابھی کا رشتہ بھی احساس کا رشتہ ہے۔'' بھابھی نے محبت سے اسے دیکھا اور فامیہ نے آسمان پر بکھرے بادلوں کی طرف نظر دوڑائی اور ٹھنڈی ہوا کے سنگ مسکرانے لگی۔

☆☆

www.pklibrary.com

مہوش افتخار

دامنِ سحاب

اٹھائیسویں قسط

تیرے لیے، بنو میری تیرے لیے
حنا گوندھ لائی ہیں پریاں
ماتھے پہ تیرے چمکے تاروں کی لڑیاں
تیرے لیے، بنو میری تیرے لیے

پھولوں سی مہکتی خوب صورت شام اپنی تمام تر رعنائی لیے خلیل غوری کے آنگن میں اتری ہوئی تھی۔ نہ کوئی بھیڑ تھی اور نہ ہی کوئی پر تکلف قسم کی محفل۔ بس اک چھوٹی اور سادہ سی گھریلو تقریب تھی جس میں ہادی اور ایلیا کو ایک دوسرے سے منسوب کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سب ہی قریبی رشتے دار موجود تھے۔ ایسے میں جب کلیوں سی نازک اور پریوں سی چھب رکھنے والی ایلیا کو، دلہناپے کے ہلکے پھلکے رنگوں سے سجا کر، ہادی کے پہلو میں لا کر بٹھایا گیا تو ہادی کا چہرہ اندرونی خوشی سے جگمگا اٹھا تھا۔ نگاہیں جھکائے بیٹھی ایلیا کے لبوں پر بھی بڑی دل فریب اور جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ قسمت اتنی آسانی سے ان دونوں پر مہربان ہوگئی تھی انہیں یقین نہیں آ

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

رہا تھا۔ بلکہ ایک وہی کیا، وہاں موجود ہر شخص ہی حالات کی اس نئی کروٹ پر حیران تھا۔

میمونہ کے گھر والوں سے لے کر زینب کے میکے والوں تک سب ہی نے اپنے اپنے طور پہ اس فیصلے پر اعتراض کیا تھا۔ خود میمونہ اور بسیط بھی پہلے پہل اس رشتے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے لیے اپنی اکلوتی بیٹی کو گردیزی ہاؤس میں بیاہنے کا خیال ہی خاصا پریشان کن تھا۔ لیکن جب اس معاملے میں حاتم صاحب نے خود انہیں تسلی دی تب کہیں وہ جا کر مطمئن ہوئے تھے۔ ان کے لیے حاتم گردیزی کی ذات اور ان کی بات ہمیشہ ہی بے حد معتبر رہی تھی۔ خلیل غوری کے گزر جانے کے بعد جس طرح سے انہوں نے میمونہ اور ان کے دونوں بچوں کی سرپرستی کی ذمہ داری سنبھالی تھی وہ قابلِ تحسین تھا۔

زینب کے لیے اس رشتے کو دل سے قبول کرنا اب بھی بے حد مشکل تھا۔ آقا جان کے سمجھانے کے بعد انہوں نے بیٹے کی پسند کے آگے خاموشی ضرور اختیار کر لی تھی مگر اس رشتے پر ان کی دلی آمادگی اور رضامندی نہ ہونے کے برابر تھی۔ حیا کے ساتھ بھی ان کا رویہ کچھ ایسی ہی نرم گرم صورت حال لیے ہوئے تھا۔ ان دونوں کے درمیان موجود تناؤ میں کمی ضرور آئی تھی لیکن گریز کی دیوار تا حال قائم تھی۔ ان کی ذات کا جوڑ اور خوف بچپن سے حیا کے دل میں بیٹھا ہوا تھا اس سے پیچھا چھڑانا اس کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ لیکن اس ہچکچاہٹ کے باوجود وہ پچھلے چند دنوں میں ان کے کئی چھوٹے چھوٹے کئی کام اپنے ذمے لے چکی تھی اور اس کے لیے یہی بہت تھا کہ زینب نے اسے ٹوکا نہ تھا۔ اس کی ان کوششوں کو سب ہی دیکھ رہے تھے۔ شاہ مخدوم کو اپنے فیصلے پر اب دلی اطمینان محسوس ہونے لگا تھا۔ ناگزیر حالات میں ہی سہی لیکن انہوں نے اپنے لاڈلے کے لیے بہترین لڑکی کا انتخاب کیا تھا جو رشتوں کی اہمیت اور ان کی قدر کرنا جانتی تھی۔ جو گھر کو جوڑنے اور اپنے بڑوں کی عزت کرنے والی تھی اور فی زمانہ یہ دونوں ہی خوبیاں لڑکیوں میں تقریباً ناپید ہو چلی تھیں۔

حاتم اور سبحان صاحب نے بھی حیا کو اپنے اپنے طور پہ سراہا تھا۔ باقی ہادی اور خولہ تو ویسے ہی اس کی سلجھی ہوئی فطرت کے معترف تھے۔ بس اک جرار تھا جو دن بدن اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا۔ اسے جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ اس نے حیا پر طنز کے تیر چلانا، سختی کرنا حتیٰ کہ اپنا حق جتانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ واضح طور پہ اس سے گریزاں تھا۔ اور اس کے گریز نے حیا کو بری طرح الجھا دیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن اس بات کی منتظر تھی کہ حالات کی یہ مثبت تبدیلی کہیں نا کہیں جرار کے مزاج پر بھی ضرور اثر انداز ہو گی۔ لیکن اس کے ردِعمل نے حیا کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر کٹھور نکلا تھا اتنا کہ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑ ڈالے۔ اس سے پوچھے کہ آیا وہ انسان بھی ہے یا نہیں؟ اسے رہ رہ کر ہادی پر بھی غصہ آ رہا تھا جو نجانے اپنے بھائی میں کون سی تبدیلی دیکھ رہا تھا؟ اسے تو یہاں دور تک ایسے کوئی آثار رونما ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"حیا۔" وہ ہاتھ میں پکڑی مٹھائی کی پلیٹ ٹیبل پہ رکھ رہی تھی جب میمونہ کی آواز پہ اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"جی مامی۔"

"بیٹا! میری الماری میں سامنے ہی میرا کالا پرس رکھا ہے، وہ لے آؤ۔"

ان کی بات پہ وہ اثبات میں سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ چونکہ فنکشن کا ارینجمنٹ باہر لان میں تھا اس لیے اندر کا سارا پورشن اس وقت تقریباً خالی پڑا تھا۔ وہ تیز قدموں سے لاؤنج میں چلی آئی۔ اس کا رخ میمونہ کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ اپنے دھیان میں تھی جب لاؤنج میں کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے چونکا دیا۔ اس نے بے اختیار رخ موڑ کر اپنے دائیں طرف دیکھا۔ جرار اس کی جانب پشت کیے کھڑکی میں کھڑا کسی سے

www.pklibrary.com

فون پر بات کر رہا تھا۔ اس کے قدم اپنے آپ سست پڑ گئے۔ نظریں نا چاہتے ہوئے بھی اس کے اونچے لمبے سراپے سے جا الجھیں جو کاٹن کے سفید کڑکڑاتے شلوار سوٹ میں کچھ اور بھی ناقابلِ تسخیر لگ رہا تھا۔ وہ اپنی نگاہوں کو چھڑاتی آگے بڑھنے کو تھی جب جرار کے الفاظ نے اس کے اٹھتے قدموں کو روک لیا۔

"اسٹاپ اٹ نادیہ۔ بچوں کی طرح بی ہیومت کرو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ تمہارے پاس اب پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

حیا کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ وہ کس لڑکی سے بات کر رہا تھا؟

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔" وہ سختی سے بولا۔ "اپنے پیرنٹس کو راضی کرنا تمہارا کام ہے۔ کل تم ہر حال میں۔۔" اپنی جھونک میں بات کرتا وہ اچانک پلٹا تو جہاں حیا گڑبڑا گئی وہیں جرار بھی چونک گیا۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" اس پر نظریں جمائے اس نے کال کاٹ دی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس نے بھنویں سکیڑے ناگواری سے حیا کو دیکھا۔ اس کا غصہ حیا کے اندر سے اپنے پکڑے جانے کی ساری خفت مٹا گیا۔

"کال کیوں کاٹ دی؟" اس نے بنا کسی پس و پیش کے دوبدو سوال کیا تو جرار کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اس لیے کیونکہ تم میری باتیں چھپ کر سن رہی تھیں۔"

حیا کا روم روم سلگ اٹھا۔

"ہونہہ۔ اتنے امپارٹنٹ نہیں ہیں آپ جو میں آپ کی باتیں چھپ کر سنوں گی۔ اپنے بھائی کی منگنی چھوڑ کر یہاں بیچ چوراہے آپ اپنے مسائل لیے کھڑے ہیں، میں نہیں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تو جرار کی پیشانی کے بل مزید گہرے ہو گئے۔

"میں اپنے بھائی کی منگنی چھوڑوں یا اٹینڈ کروں اٹس نن آف یور بزنس۔" اس کی جانب دیکھتا وہ سرد مہری سے بولا۔

حیا کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔ وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھ آئی۔

"آپ کی موجودگی سے بھلے میرا کوئی لینا دینا نہ ہو جرار صاحب لیکن اپنی عزت سے ہے۔ آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ اس وقت میرے میکے میں کھڑے ہیں اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ اپنی کسی منگی کے والدین کو منانے کا کام گھر جا کر انجام دیں۔" وہ چیخ کر بولی تو جرار بے اختیار چونک اٹھا۔

"واٹ؟" اس نے الجھ کر حیا کو دیکھا۔ وہ تو اپنی یونیورسٹی فیلو سے اس کی جاب کے متعلق بات کر رہا تھا اور حیا نجانے کیا سمجھی تھی۔ اس کی غلط فہمی جرار کا سارا غصہ بہا لے گئی۔ اس نے محظوظ نظروں سے حیا کو دیکھا جس کی پی پی سی گوری رنگت انارکی رنگ کے سوٹ میں دہک رہی تھی۔

"کیوں آپ کو کیا لگا تھا کہ میں سمجھ نہیں پاؤں گی؟" اس نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

جرار نے بامشکل تمام اپنی ایڈی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔

"مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟"

وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اچانک اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے حیا کے چہرے پہ جھولتی لٹ کو اپنی انگلیوں سے چھوا تو اس کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہو گیا۔

"جلن ہو رہی ہے کیا؟" اس کی جانب جھکتا وہ مخمور سے لہجے میں بولا تو حیا کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔

"جلن..... اور اس بدنصیب سے؟" وہ دل گرفتہ سا مسکرائی۔ "نہیں جرار صاحب، مجھے ترس آ رہا ہے اس

www.pklibrary.com

نادان اور بے وقوف لڑکی یہ جو آپ جیسے بے حس اور سنگ دل انسان سے محبت کر بیٹھی ہے۔ کیونکہ وہ شاید یہ نہیں جانتی کہ آپ کے سینے میں تو دل ہی نہیں ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو جرار اپنی جگہ پر ساکت رہ گیا۔ اس کی خاموش نظریں ایک ٹک حیا کو دیکھے چلی گئیں۔ یہاں تک کہ اسے لگا کہ وہ شاید اب کچھ نہیں کہنے والا۔ تب ہی اس کے لبوں میں دھیرے سے جنبش ہوئی۔

"اور اگر میں کہوں کہ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے جو نا صرف دھڑکنا بلکہ محبت کرنا بھی جانتا ہے تو؟"

"تو میں کہوں گی کہ میں نے آپ سے بڑا جھوٹا اور منافق انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔"

وہ بنا کسی توقف کے پلٹ کر بولی تو جرار کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ اس کی نگاہیں حیا کے چہرے پہ جم سی گئیں جو اس پل ہر تاثر، ہر جذبے سے عاری ایک بالکل سردو سپاٹ سلیٹ کی مانند لگ رہا تھا۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اس لڑکی کا چہرہ تھا جو اپنا ہر رشتہ، ہر فرض بڑی محبت سے نبھانے کی قائل تھی۔ جو اتنی نرم خو اور حساس تھی کہ اس کے لیے کسی اپنے کی تکلیف برداشت کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

تو کیا وہ اس کے دل سے اپنے لیے ہر طرح کی گنجائش ختم کر چکا تھا؟ اس نے خود سے سوال کیا تو اضطراب کی اک منہ زور لہر نے اسے سر تا پا اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جرار نے بے چینی سے کچھ کہنے کے لیے لفظ تلاشنا چاہے لیکن اس کی سوچیں اور احساسات اس بری طرح آپس میں الجھ گئے تھے کہ زندگی میں پہلی بار اس کے پاس الفاظ کا جیسے کال پڑ گیا تھا۔

حیا چند لمحے کھڑی اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر پلٹ کر بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔

جرار کا دل چاہا کہ وہ لپک کر اسے تھام لے، روک لے۔ اپنی کہے بنا کہیں نہ جانے دے۔ مگر یہ ان باتوں کا وقت نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی برداشت کو آزمانا ترک کھینچے باہر چلا آیا جہاں رونق اپنے عروج پر تھی۔ وہ خود کو سنبھالتا سب کے درمیان آ بیٹھا۔ کچھ ہی دیر میں رسم کا شور اٹھا تو اسے ناچار سارے گھر والوں کے ساتھ اٹھ کر آگے آنا پڑا۔ شاہ صاحب کی اجازت سے ہادی نے ایلیا کا حنائی ہاتھ تھام کر اس کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی تو فضا مبارک سلامت کی آوازوں سے لبریز ہو گئی۔ ہادی نے جگر جگر کرتی نظروں سے اپنے برابر میں بیٹھی ایلیا کو دیکھا جو آف وائٹ اور ریڈ کلر کے انارکلی فراک میں کسی دور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ ایلیا کے سامنے کر دیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے جونہی ہادی کی انگلی میں انگوٹھی پہنائی اس نے شرارت سے اس کا لرزتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا۔ چاروں طرف ہوٹنگ اور شور مچ گیا۔ آقا جان نے مسکراتے ہوئے اپنے نٹ کھٹ سے پوتے کے سر پہ چپت لگائی تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

ان زندگی سے بھرپور لمحوں میں جرار کے دل کا سونا پن کچھ اور بھی شدت اختیار کر گیا۔ اس کی بے چین نظریں حیا پر آ ٹھہریں جو میمونہ اور طیبہ کے برابر میں کھڑی بظاہر مسکرا رہی تھی لیکن اس کے چہرے کا پھیکا پن وہ دور سے بھی با آسانی محسوس کر سکتا تھا۔

اس کی نظروں کے ارتکاز نے حیا کو بھی پلکیں اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تو اک پھریری سی حیا کے جسم و جاں میں دوڑ گئی۔ کچھ تھا جرار گردیزی کی آنکھوں میں جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ سی گئی۔

اس کے کلیوں سے کھلتے لبوں کو بے جان ہوتا دیکھ کر جرار کے اندر پھیلی بے چینی دو چند ہو گئی۔ وہ اسے تھامنے، اسے اپنا حالِ دل سنانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ مگر نجانے وہ اسے یہ موقع دینے والی بھی تھی یا نہیں؟ کر سے سوچتے ہوئے اس نے اضطرابی کیفیت میں اپنے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ ملال تھا کہ ہر گزرتے

www.pklibrary.com

لمحے کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ وہ اپنے ساتھ کیا کر بیٹھا تھا؟

☆☆☆

اپنے کمرے میں سویا اسفند گہری نیند میں تھا جب عجیب سی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سر اٹھاتے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے اپنے اطراف میں دیکھا اور سلوئی کو اپنے پہلو میں نہ پا کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ باتھ روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اٹھ کر اس جانب لپکا۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی اس کے قدم دہلیز پر جم گئے۔ سلوئی واش بیسن پر جھکی ابکائیاں لے رہی تھی اور پاس ہی زمرد کھڑی اس کی پیٹھ مل رہی تھی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے اٹھ کر آئی تھی۔ نجانے کس وقت سلوئی نے اسے فون کر کے بلایا تھا؟ اسفند لب بھینچے چند لمحے اس منظر کو دیکھتا رہا اور پھر چپ چاپ پلٹ کر کمرے میں واپس چلا آیا۔ لائٹ جلا کر وہ بیڈ پر جانے کے بجائے صوفے پر آ بیٹھا۔ زمرد کی موجودگی میں اسے اپنا سلوئی کے برابر بیڈ پر بیٹھنا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد زمرد، سلوئی کو تھامے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ غیر ارادی طور پہ سیدھا ہو بیٹھا۔ آج یہ پہلا موقع تھا جب صرف وہ تینوں ایک ساتھ ایک جگہ پر موجود تھے۔ احتیاط سے سلوئی کو بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے زمرد نے اس کی کمر کے پیچھے تکیے درست کیے۔

"تھوڑا سا جوس پی لے۔ دل ٹھہر جائے گا تیرا۔"

"بس آدھا گلاس۔"

اس کے کہنے پر زمرد روم فریج میں سے جوس نکال لائی اور گلاس میں ڈال کر اسے تھما دیا۔ اسفند خاموش سا اس ساری کارروائی کو دیکھے چلا گیا۔ سلوئی نے چند گھونٹ لے کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔ تم جا کر سو جاؤ۔"

اس کے نرمی سے کہنے پر زمرد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ویسے بھی اسفند اب اٹھ چکا تھا اور اس کی موجودگی میں زمرد کو اپنا آپ ان دونوں کے درمیان اس کمرے میں نہایت فالتو اور بے کار لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چبھن سی ہونے لگی۔ اس نے جھکی پلکوں کے ساتھ سلوئی پہ مکمل برابر کیا اور پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کے کمرے سے جاتے ہی اردگرد گہری خاموشی چھا گئی۔

سلوئی کی نظریں بے اختیار سامنے صوفے پر بیٹھے اسفند پہ جا ٹھہریں جو لبوں پر مٹھی جمائے گم صم سا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

اس کے سوال پہ اسفند نے اک گہری سانس لی۔

"یہی کہ تم دونوں ایک دوسرے کے خاصی قریب آ گئی ہو۔"

"کیوں آپ کو اچھا نہیں لگ رہا کیا؟" سلوئی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اچھا لگنے کا تو پتا نہیں لیکن عجیب ضرور لگ رہا ہے۔ تمہاری پرینسی کی خبر کو زمرد جیسی اکھڑ لڑکی اتنے حوصلے اور اعلیٰ ظرفی سے قبول کرے گی مجھے امید نہیں تھی۔۔"

اس کی بات پہ سلوئی دھیرے سے مسکرا دی۔

"وقت کے ساتھ انسان بدلتا ہے اور زمرد نے بھی اپنے آپ کو بہت بدلا ہے۔ اب وہ پہلے جیسی تیز مزاج اور جذباتی نہیں رہی۔ اس کے اندر بہت ٹھہراؤ، بہت سمجھداری آ گئی ہے۔ آپ بھی اس کے ساتھ بات کر کے تو دیکھیں۔"

"میرے پاس اس کے ساتھ بات کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" وہ بے تاثر سے لہجے میں بولا تو سلوئی نے اسے تاسف سے دیکھا۔

www.pklibrary.com

"پلیز اسفند، ایک غلطی تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ آپ زمرد کو ایک موقع دے کر تو دیکھیں۔" وہ نرمی سے بولی۔ اسفند نے استہزائیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"تمہیں پتا بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اس کی بات پہ سلوی کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی۔

"جانتی ہوں۔ لیکن آپ کی ذات کو بانٹنے کا درد شاید اس اذیت اور شرمندگی سے کئی درجہ کم ہے جو ہر بار مجھے زمرد کا سامنا کرنے پر محسوس ہوتی ہے۔ مجھے اپنا آپ اس کا مجرم لگتا ہے اسفند۔ پلیز خود کو اور مجھے اس کا گنہگار نہ بنائیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اللہ اس کا صبر مجھ پر یا میری اولاد پر ڈال دے۔ میرے دل پر اپنے ماں باپ کی نافرمانی کا پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔ پلیز مجھے مزید زیر بار مت کریں۔" اس کی جانب دیکھتی وہ التجائیہ لہجے میں بولی تو اسفند کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سلوی کے الفاظ کا اثر تھا یا زمرد کے مزاج میں آنے والی تبدیلی کا اعجاز، مگر آج پہلی بار اسے اپنی غلطی کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔ کچھ شک نہ تھا کہ وہ زمرد کی جانب سے لاتعلقی اختیار کر کے، اسے یوں بیچ منجھدار لٹکا کے اپنے رب کی ناراضی مول لے رہا تھا جو اس کے لیے دنیا اور آخرت میں پکڑ کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ ایک جیتی جاگتی انسان تھی۔ جس کے سینے میں بھی ایک امنگوں بھرا دل تھا۔ ایسے میں اگر وہ بھی بھٹک جاتی تو وہ اپنے اللہ کو کیا جواب دیتا؟ اس کے لبوں سے اک بوجھل سانس برآمد ہوئی۔

"ٹھیک ہے، میں زمرد سے رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ دھیرے سے بولا تو سلوی کے چہرے پر خوش گوار سی بے یقینی پھیل گئی۔ اس کے تاثرات دیکھ کر اسفند بے اختیار نگاہیں چرا گیا۔

"چلو اب سو جاؤ۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر لائٹ آف کرتا اپنی جگہ پر آ لیٹا۔ نجانے کیوں لیکن وہ اس وقت خود میں سلوی سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

اندھیرے میں اس کی پشت پر نگاہیں جمائے بیٹھی سلوی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا دل اس پل بڑی متضاد سی کیفیت کا شکار تھا۔ ایک طرف سینے میں اٹھتا درد تھا جو بڑھتا چلا جا رہا تھا اور دوسری طرف ضمیر پہ دھرا بوجھ تھا جو ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے بے اختیار اپنی آنکھیں سختی سے میچ گئی۔ اوروں کا تو پتا نہیں مگر اسے تو محبت سچ میں بڑی مہنگی پڑی تھی۔

☆☆☆

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ حاتم گردیزی سمیت سبحان صاحب، جرار، ہادی اور ان کی فرم کے تقریباً سب ہی سینئر ہیڈز حاتم صاحب کے آفس میں بیٹھے ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھے۔ ان کی کنسٹرکشن کمپنی کو ایک بہت بڑا پراجیکٹ ملا تھا اور وہ سارے اسی کی ڈیٹیلز پر کام کر رہے تھے۔ ان کا کام اختتامی مراحل میں تھا جب حاتم صاحب کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر حیا کا نام دیکھ کر انہوں نے بے اختیار فون اٹھا لیا۔

"وعلیکم السلام۔ ہاں بیٹا کہو۔"

ان کی توجہ بٹتی دیکھ کر جرار نے اپنے سامنے پڑی فائل بند کر کے ایچ آر مینیجر کو دی۔

"نعیم صاحب، آپ یہ ساری تفصیلات کل رانا نوید کو بھیج دیجیے گا۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔"

"ٹھیک سر۔" مینیجر نے سر ہلاتے ہوئے فائل تھامی۔

"اور تو کچھ نہیں رہ گیا ناں؟" اس نے سب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

www.pklibrary.com

"فی الحال تو نہیں۔"

"چلیں پھر کل ملتے ہیں ان شاء اللہ۔"

اس کے کہنے پر سب اسٹاف ممبرز الوداعی کلمات کہتے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ اس دوران حاتم صاحب بھی کال سے فارغ ہو چکے تھے۔

"کس کا فون تھا؟" سبحان صاحب نے بھائی کو دیکھا۔

"حیا کا۔" حیا کے نام پر جرار بے اختیار چونک اٹھا۔

"کہہ رہی تھی کہ واپسی پر اسے میمونہ بھابھی کی طرف سے پک کر لوں۔ بسیط کو اچانک ہاسپٹل جانا پڑ گیا ہے اور اب وہ وہاں منتظر بیٹھی ہے۔"

تفصیل سن کر جرار کے اندر نا گواری کی اک لہر دوڑ گئی۔ اسے حیا کا یوں خود کو نظر انداز کر کے حاتم صاحب کو کال کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"لیکن ہم دونوں کو تو مشتاق کی طرف ڈنر پر جانا ہے۔" سبحان صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ہاں یاد ہے مجھے۔ تب ہی تو سوچ رہا ہوں کہ....."

"میں چلا جاتا ہوں پاپا۔" ہادی نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں۔

"ہاں، تا کہ تمہیں لانے کے لیے مجھے کسی تیسرے کو بھیجنا پڑے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولے تو سبحان گردیزی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ جرار بے اختیار سیدھا ہوا۔

"آپ چھوڑیں پاپا۔ میں خود جاتا ہوں۔"

وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو تینوں کی نگاہیں اس پر آ ٹھہریں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ نظریں چرا گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" حاتم صاحب سنبھل کر بولے۔ ان کے لیے جرار کا یوں خود کو حیا کے کسی کام کے لیے پیش کرنا خاصا غیر متوقع اور حیران کن تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سبحان صاحب کی بھی تھی۔ بس اک ہادی تھا جو اولین جھٹکے کے بعد اب منہ ہی منہ میں مسکراتا شریر نظروں سے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

"بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔"

وہ گنگنایا تو جرار نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ حاتم اور سبحان صاحب دونوں نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کو لب دبا لیے۔ جرار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے پاپا میں چلتا ہوں۔"

"ہاں بیٹا جاؤ۔" وہ چہرے پہ سنجیدگی طاری کرتے ہوئے بولے۔

"بھائی، بھابھی کو واپسی پہ آئسکریم ضرور کھلائیے گا۔ اور گجرے بھی پہنوایئے گا۔ وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔" اس کے آگے بڑھتے ہی ہادی نے پیچھے سے ہانک لگائی تو اب کی بار حاتم اور سبحان گردیزی دونوں کھل کر ہنس پڑے۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟" سبحان صاحب نے اپنے بھتیجے کو دیکھا۔

"تنگ کہاں کر رہا ہوں چاچو، سکھا رہا ہوں۔ رومینس میں بالکل کورے ہیں۔"

"ہاں تم نے جو پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔"

حاتم صاحب کی مسکراتی آواز کمرے سے باہر نکلتے جرار کی سماعتوں سے ٹکرائی تو بے اختیار اک مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھو گئی۔ اس کے اندر پھیلا تناؤ اپنے آپ کم ہونے لگا اور قدموں میں تیزی در آئی۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

بیل کی آواز پہ کچن میں سلاد کاٹتی حیا کا ہاتھ بے اختیار رک گیا۔

"میرے خیال میں پاپا آ گئے ہیں۔"

وہ چھری رکھ کر تیزی سے باہر کی جانب لپکی۔ ایلیا بھی دوپٹا درست کرتی اس کے پیچھے آئی کہ اب تو وہ اس کے بھی سسر تھے۔ لاؤنج پار کر کے جونہی حیا نے صحن میں قدم رکھا گن من کرتی پھوار نے اس کا استقبال کیا۔ آج صبح سے ہی بادل چھائے ہوئے تھے وہ اور بات تھی کہ برسنے کی نوبت اب جا کر آئی تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی گیٹ تک آئی اور بنا پوچھے ہی دروازہ کھول دیا۔ لیکن آنے والے پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے ہی بلیک سوٹنگ میں ملبوس جرار گردیزی اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اسے حیران کرنے کو کھڑا تھا۔ تب تک پیچھے آتی ایلیا بھی گیٹ تک آ پہنچی تھی۔ جرار کو دیکھ کر اسے بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا لیکن اس نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔

"السلام علیکم جرار بھائی۔"

وہ خیر مقدمی مسکراہٹ لیے آگے بڑھی تو جرار کی نظریں حیا کے بھونچکے چہرے سے ہوتی ایلیا پر آ ٹھہریں۔

وعلیکم السلام۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟" وہ قدم بڑھا کر اندر چلا آیا۔

حیا کو ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے بچا۔ اس کا اس گھر میں آنا ہی کسی انہونی سے کم نہ تھا کجا کہ یہاں بسنے والے اپنے ازلی دشمنوں سے اخلاق نباہتا! اس نے ایلیا کے ساتھ آگے بڑھتے جرار کی پشت کو یوں گھورا جیسے اس کے سر پہ سینگ نکل آئے ہوں۔ وہ دروازہ بند کرتی ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔ لاؤنج میں داخل ہوئی تو میمونہ بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ انہیں محبت سے جرار کا استقبال کرتا دیکھ کر اس کی جان جل گئی۔ وہ پیر پٹختی کچن میں چلی آئی اور اپنا سارا غصہ گاجر مولیوں پر نکالنے لگی۔ پانچ منٹ بعد ایلیا تقریباً پشتم پشتم کچن میں بھاگی چلی آئی۔

"حیا، فٹافٹ فریزر میں سے کباب نکالو۔ امی نے کہا ہے کہ جرار بھائی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

اس کی بات پر حیا کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ تنک کر بولی۔

"کیوں ضرورت نہیں؟" ایلیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "انہوں نے امی کو بتایا ہے کہ وہ سیدھا آفس سے آئے ہیں۔"

"ہاں تو؟" وہ بچوں کی سی ہٹ دھرمی سے بولی۔

ایلیا اسے گھورتی خود ہی فریج کی جانب بڑھ گئی۔

"فضول باتیں مت کرو۔ جب حاتم انکل کے لیے اہتمام ہو سکتا ہے تو ان کے لیے کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ حاتم انکل ہمیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ ایلیا بے اختیار مسکرا دی۔

"ہاں لیکن آج تو ان کے سُر بھی خاصے بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔ کافی اخلاق سے پیش آ رہے ہیں محترم۔"

"ہونہہ! سب ڈرامے ہیں۔" حیا نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔

"چلو ڈرامہ ہی سہی۔ لیکن کہیں نہ کہیں کچھ تو بدلا ہے، ورنہ آج سے پہلے تو انہیں کبھی ڈرامہ کرنے کی

www.pklibrary.com

ضرورت پیش نہیں آئی۔" وہ شوخی سے بولی تو حیا نے تپ کر کمر پر ہاتھ رکھا۔
"پتا نہیں کون سی تبدیلی نظر آرہی ہے تمہیں اور تمہارے اس سگے کو؟ مجھے تو ایسا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"
"کس کی بات کر رہی ہو؟" ایلیا ہاتھ میں کباب لیے پلٹی۔
"محترم ہادی گردیزی کی اور کس کی؟"
"اوگاڈ کتنے ملتے جلتے خیالات ہیں ہمارے۔" ایلیا کی باچھیں کھل اٹھیں۔
حیا کے لبوں پہ اک طنزیہ مسکراہٹ آٹھہری۔
"خیالات ملتے ہیں تب ہی ہی تو تم جیسے نمونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا ہے۔"
"یہ جلنے کی بو کہاں سے آرہی ہے یار؟" ایلیا نے اچانک اس کے قریب جھکتے ہوئے سونگھنے کی ایکٹنگ کی

حیا نے دانت پیستے ہوئے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ تب ہی میمونہ کچن میں داخل ہوئیں۔
"یہ تم دونوں کن کھیل تماشوں میں لگی ہوئی ہو؟ کھانا لگانے والی بات کرو بیٹا۔" وہ فہمائشی انداز میں بولیں تو ناچار حیا کو ایلیا کا ہاتھ بٹانا پڑا جو مزید وقت ضائع کیے بنا خاصی مستعدی سے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔
کھانا خاصے خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ جرار نے نا صرف ہر چیز چکھی تھی بلکہ ایلیا کی کوکنگ کی بھی بہت تعریف کی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ، یہ رواداری حیا کو ہارٹ اٹیک کروانے کے لیے کافی تھی۔ اسے جرار گردیزی کا یہ روپ کسی طور ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد سبز چائے کا دور چلا تھا جس کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"اچھا آنٹی، اجازت دیں۔"
"ہاں بیٹا، خیر سے جاؤ۔ گھر میں سب کو سلام کہنا۔" میمونہ نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے حیا کو پیار کیا۔ وہ اسے ساتھ لیے گاڑی میں آبیٹھا۔ دونوں ایلیا اور میمونہ انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں۔
گاڑی کے آگے بڑھتے ہی حیا کا صبر جواب دے گیا۔ وہ شکن آلود پیشانی لیے جرار کی جانب پلٹی۔
"اس ڈرامے کا مقصد پوچھ سکتی ہوں؟" وہ کھردرے لہجے میں بولی۔
"تمیز سے بات کرو۔ اور میں نے کوئی ڈرامہ نہیں کیا۔ صرف خود سے جڑے رشتوں کو اچھے طریقے سے نبھانے کی ایک کوشش کی ہے۔"
"واہ! بہت خوب۔ تو آخر کار آپ کو احساس ہو ہی گیا کہ آپ سے بندھے لوگ کوئی بے جان چیز نہیں بلکہ جیتے جاگتے انسان ہیں جنہیں آپ کی عزت اور توجہ کی ضرورت ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائی تو جرار ایک پل کو خاموش ہوگیا۔
"میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں حیا لیکن۔۔۔"
"یہی تو رونا ہے کہ آپ تو کیا کوئی بھی میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتا....." وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے بولی۔ "آپ کی نفرت، آپ کا غصہ، آپ کی دی ہوئی ذلت اور آپ کے چلائے ہوئے نشتر ایک دو دن کی بات نہیں جرار صاحب، یہ سالوں پر محیط ایک ایسا کانٹوں بھرا سفر ہے جس نے صرف میرے پیروں کو ہی نہیں بلکہ میری روح تک کو لہولہان کر دیا ہے۔ میرے پاس آپ کی ذات سے وابستہ کوئی اچھی یاد، کوئی اچھی بات نہیں، ہاں درد سے بھرے لمحے بے شمار ہیں۔ ایسے میں اب اگر آپ کو اپنے رشتوں کو اچھے طریقے سے نبھانے کی سوجھی ہے تو یقین جانیں مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ آپ بس پلیز مجھے اس صف میں شامل کرنے کی کوشش مت

www.pklibrary.com

کریں۔"

واشگاف الفاظ میں کہتی وہ ایک جھٹکے سے اپنا رخ موڑ گئی تو جرار کو لگا جیسے اس کے اردگرد زندگی خاموش ہو گئی ہو۔ چند جملے۔ فقط چند جملے اور حیا نے اس کے اخلاق و کردار کا پورا خلاصہ بنا کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ نہ کوئی امید رہنے دی تھی اور نہ ہی کسی خوش فہمی کی کوئی گنجائش۔ اور اس کے لیے وہ کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتا تھا سوائے اپنی ذات کے۔ اپنی شدت مزاجی اور اپنی تنگ دلی کے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں سے اپنی زندگی کو لے کر کس سمت میں آگے بڑھے؟ ایسا کیا کرے جو وہ مان جائے۔

"آئی ایم سوری۔ آئی ایم رئیلی ویری ویری سوری حیا۔"

گاڑی میں چھائی بوجھل سی خاموشی کو اچانک جرار کی دل گرفتہ اور نادم سی آواز نے توڑا تو حیا کا پورا وجود ایک لمحے کو سن ہو گیا۔ وہ جرار گردیزی سے بہت سی باتوں کی توقع کیے بیٹھے تھی لیکن اس جیسا اکھڑ اور مغرور انسان اس سے سیدھے سادھے اور واضح الفاظ میں معافی مانگ لے گا اس بارے میں تو اس نے گمان بھی نہیں تھا۔

جرار نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ حیا کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ لب بستہ سا ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جما گیا جس پر گرتے بارش کے قطروں نے لمحوں میں سامنے کا منظر دھندلا دیا تھا یوں کہ منزل اور نشانِ منزل دونوں ہی نہیں کھو گئے تھے۔

"میں نہیں جانتا کہ روٹھے ہوؤں کو کیسے منایا جاتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو کیسے جوڑا جاتا ہے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں اس پل جس کرب اور جس شرمندگی سے دوچار ہوں وہ لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ میں نے تمہارے ساتھ جو رویہ روا رکھا اس کی اخلاقی طور پر کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اس لیے میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا سوائے اس کے کہ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔"

وہ دھیرے سے بولا تو حیا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی گرداب کی لپیٹ میں آ گیا۔ جرار کی آنکھوں میں آرزو کی اتر آئی۔ حیا خود کو سنبھالتی دھیرے سے اس کی جانب پلٹی۔

"اور۔ اور اگر میرے لیے یہ ممکن نہ ہوا تو؟"

اور جرار گردیزی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس "تو" کا کیا جواب دے۔ لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ اپنی ذات سے حیا سکندر کو مزید دکھ دینے والا نہیں تھا۔

"تو میں تمہیں زبردستی کے اس بندھن سے آزاد کر دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

حیا چند لمحے اس کے چہرے پر پھیلی سچائی کو دیکھے چلی گئی اور پھر دھیرے سے اثبات میں سر ہلاتی رخ موڑ گئی۔ ان دونوں کے درمیان ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔

جرار کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔ اس نے دکھ سے اپنے برابر میں بیٹھی اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا جو آج سے پہلے اسے خود سے بھی اتنی دور اور بیگانہ نہ لگی تھی۔ بے اختیار اک تھمی ہوئی سانس اس کے لبوں سے ٹوٹ کر فضا میں بکھر گئی۔ ان کے درمیان چھائی یہ خاموشی بڑی ہی جان لیوا تھی۔ جرار کو اس سے وحشت سی ہونے لگی۔ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر آڈیو پلیئر آن کر دیا۔

اعتبار بھی آ ہی جائے گا
ملو تو سہی، راستہ کوئی مل ہی جائے گا
چلو تو سہی، چلو تو سہی
اعتبار بھی آ ہی جائے گا، آ ہی جائے گا۔۔

www.pklibrary.com

دھیمے سروں پہ جنید جمشید کی خوبصورت آواز ماحول پہ اپنا جادو بکھیرنے لگی تو جرار کا سارا دھیان اس جانب مبذول ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دل کی آواز کو لفظوں کا روپ دے ڈالا ہو۔ اس کا تن من سلگنے لگا۔

دھوپ میں کھڑا جل رہا ہوں میں
سایہ دو مجھے
یہ میرا جنوں، یہ میری جلن
ہے میری سزا
میری یہ تھکن کہہ رہی ہے کیا
سنو تو سہی، سنو تو سہی
اعتبار بھی آ ہی جائے گا، آ ہی جائے گا۔

حیا کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسو موتیوں کی صورت برسنے لگے۔

کیا ہوا اگر زندگی ذرا الجھ سی گئی
سوچو تو ذرا
جنگلوں میں بھی راستے تو ہیں
ہمیں بھی کوئی مل ہی جائے گا
چلو تو سہی، چلو تو سہی
پیار و یار بھی ہو ہی جائے گا
ملو تو سہی
راستہ کوئی مل ہی جائے گا
چلو تو سہی، چلو تو سہی
اعتبار بھی آ ہی جائے گا، آ ہی جائے گا۔

جرار کا حوصلہ، اس کا ضبط جواب دینے لگے۔ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر حیا کی گود دھرا اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اگلے ہی پل بہت نرمی سے اس کی ہتھیلی پہ لب رکھ دیے۔

آ ہی جائے گا۔

حیا سر تا پا لرز اٹھی۔ اس کی جان جیسے سمٹ کر اس کی ہتھیلی میں آ سمائی۔ نہ کوئی زور تھا اور نہ ہی کوئی زبردستی۔ مگر پھر بھی نجانے کیوں حیا کے لیے جرار کی محبت بھری اس گرفت سے رہائی پانا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی لرزتی پلکیں اٹھائیں۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تو اک پھریری سی حیا کے جسم و جاں میں دوڑ گئی۔ اس کی نظریں بے اختیار جرار کے مضبوط ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ پر آ ٹھہریں۔ وہ چند لمحے بغور اس بندھن کو دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے نگاہیں جھکا گئی۔

جرار گردیزی کی آنکھوں میں خوش گوار سی بے چینی پھیل گئی۔ حیا کا فیصلہ اس کی جھکی پلکوں اور سرخ ہوتے چہرے سے عیاں تھا۔ اس نے بے اختیار اس کا نازک سا ہاتھ کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ اب یہ ہاتھ اور یہ ساتھ تا عمر چھوڑنے والا نہ تھا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

دروازے پر دستک کی آواز نے اس کی سوچوں کا تانا بانا بکھر دیا تو اس نے سنبھل کر سیدھا ہونا چاہا۔ جرار کے چہرے پر بدمزگی پھیل گئی۔

"کم ان۔" وہ سیدھا ہونے کو تھا کہ ہادی کی آواز سن کر اس نے قصداً اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"انھیں، کیا کر رہے ہیں؟" حیا نے گھبرا کر اس کا سر اپنی گود سے ہٹانا چاہا لیکن وہ ڈھیٹ بنا اپنی جگہ پر لیٹا رہا۔ تب ہی ہادی اندر چلا آیا۔

"اوہو۔ یہاں تو ٹھیک ٹھاک رومینس چل رہا ہے۔"

اس نے سیٹی کے انداز میں لب سکیڑتے ہوئے معنی خیز نظروں سے انہیں دیکھا تو حیا کا چہرہ گل رنگ ہو گیا۔ وہ بے اختیار اپنا سر تھامے رخ موڑ گئی۔

"ہاں تو کیا رومینس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری صرف تم نے لے رکھی ہے۔" جرار نے شرارت سے ابرو اچکائے تو ہادی نے دلچسپی سے اپنے بھائی کا بدلا ہوا روپ دیکھا۔

"ہاں گمان تو یہی تھا لیکن اب لگ رہا ہے کہ....."

"نہیں۔ فوراً نہیں!"

حیا سے مزید برداشت نہ ہو سکا تو وہ اسے پوری طاقت سے دھکیلتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی خفت اور جرار کی شامت دونوں ہی ہادی کو مزا دے گئیں۔ وہ محظوظ سا مسکرا دیا۔ جرار نے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھتی حیا کو دیکھتے ہوئے پاس کھڑے بھائی کو گھورا۔

"کباب میں ہڈی نا ہو تو۔ کیا تکلیف آئی تھی جو آپ یہاں آدھمکے؟"

"حد ہے، نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔ ایک تو میں بڑے بھائی کی عیادت کے لیے خاص طور پہ چل کر آیا ہوں اوپر سے یہ صاحب فرما رہے ہیں کہ۔۔"

"ج۔ جرار!"

اچانک حیا ڈریسنگ روم کی دیوار تھامے اپنی جگہ پر رک گئی تو دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی اور وہ سر تھامے باقاعدہ جھول رہی تھی۔ لیکن اس پہلے کہ وہ زمین بوس ہوتی جرار ایک ہی جست میں اس تک آ پہنچا اور اس کے بے جان ہوتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

☆☆☆

بڑے سرکار کی حویلی میں آج ان کے سب بہن بھائی جمع تھے اور اس کی وجہ ان کے بہنوئی نصر گردیزی کی اپنی بیوی کے ساتھ انگلینڈ سے آمد تھی۔ ماضی میں جب شاہ مخدوم کے باغات پہ ان کا اپنے تایا کے گھرانے سے تنازعہ ہوا تھا تب ان کے والد نے بھی ان سے قطع تعلق کر لی تھی۔ اس واقعے کے چند سال بعد ہی وہ اپنے حصے کی زمینیں ملک دلاور کو بیچ کر اپنی فیملی سمیت انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ اس دوران ان کا پاکستان آنا جانا لگا رہا تھا لیکن اب کی بار وہ تین سال بعد آئے تھے۔

"بھابی جی، ایک بات تو بتائیں۔" سب سے ملاقات اور کھانے سے فراغت کے بعد انہیں ملک دلاور کی بیٹھک میں ان کے ساتھ تنہا بیٹھنے کا موقع ملا تو وہ اپنے ذہن میں کلبلاتے سوال کو زبان دینے سے خود کو روک نہ پائے۔

"بول۔" انہوں نے اپنا حقہ گڑگڑایا۔

"یہ اپنے بہادر کی جو دوسری بیوی ہے۔ یہ کون ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟" وہ چہرے پہ الجھن

www.pklibrary.com

لیے بولے تو بڑے سرکار ایک پل کو خاموش ہو گئے۔
"کیوں کیا ہوا؟" انہوں نے جانچتی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"ہونا کیا ہے۔ لیکن وہ بچی مجھے بڑی جانی پہچانی سی لگی ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"
"وہم ہے تیرا۔" انہوں نے حقے کی نال ایک بار پھر لبوں سے لگائی۔
"ہوسکتا ہے لیکن فیروی پتا تو چلے۔" وہ جاننے کو مصر تھے۔ ملک دلاور نے اک گہری سانس لی۔ اس سے پہلے کہ وہ بہادر سے پوچھتے اور سلویٰ کی حقیقت کے ساتھ ساتھ ان کی گردیزیوں سے دشمنی کی ساری داستان بھی ان کے لاڈلے پر عیاں ہو جاتی بہتر یہی تھا کہ وہ خود ہی انہیں ساری بات بتا دیتے۔
"تیری پڑیویں (بھانجی) ہے وہ۔ منیرہ اور سجان گردیزی کی بیٹی۔"
"کیا؟" نصر اپنی جگہ سے یوں اچھلے جیسے کسی کرنٹ نے چھولیا ہو۔
"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ م۔ میرا مطلب ہے تایا جی کیسے مان گئے؟"
"او نئیں اوئے۔ ان دونوں نے چھپ کر ویاہ کیا ہے۔ تیرے تائے کو تو خبر ہی نئیں تھی کہ اس کی پوتری (پوتی) نے کس منڈے (لڑکے) کے ساتھ نس (بھاگ) کر ان کا منہ کالا کیا ہے۔ وہ تو بعد میں، میں نے فون کر کے اس کمینے پہ پہاڑ توڑا تھا۔" انہوں نے انکشاف در انکشاف کیا تو نصر گردیزی کا سر چکرا گیا۔
"تو کیا یہ لڑکی بہادر کی اصلیت کے بارے میں جانتی ہے؟"
"نئیں۔"
"اور بہادر؟"
"وہ بھی کج نئیں جانتا۔ اور اسے کج پتا لگنا وی نئیں چاہیے۔ سمجھے!" وہ تنبیہی لہجے میں بولے لیکن اس سے پہلے کہ نصر مزید کچھ کہتے بیٹھک کے کھلے دروازے سے بہادر اندر چلا آیا۔
"کسے کیا نہیں پتا لگنا چاہیے ابا جی؟" اور بڑے سرکار کو لگا جیسے ان کی ساری محنت پر پانی پھر گیا ہو۔ ان کی رنگت ایک پل کو متغیر پڑ گئی اور پیشانی پر پسینہ آٹھہرا۔

☆☆☆

"از ایوری تھنگ آل رائٹ ڈاکٹر؟" جرار نے پریشانی سے اپنے مقابل کرسی سنبھالتی لیڈی ڈاکٹر کو دیکھا۔
گھر میں حیا کو ہوش دلوانے کے بعد وہ لمحے کا توقف کیے بنا طیبہ اور ہادی کے ہمراہ اسے بسیط کے ہاسپٹل لے آیا تھا۔ جہاں اس نے حیا کے بنیادی چیک اپ کے بعد اسے وہاں موجود لیڈی ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا تھا۔
"پریکٹیکلی۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ کی مسز پریگننٹ ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اسے مطلع کیا تو جرار ایک پل کو اپنی پلکیں جھپکنا بھول گیا۔
"واٹ؟" اس کے چہرے پر خوش گوار سی بے چینی در آئی۔ تب ہی حیا، طیبہ کے سہارے چلتی ہوئی ایگزامینیشن روم سے باہر آئی۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تو حیا کے عارض رنگین ہو گئے۔ وہ لبوں پہ شرمیلی سی مسکان لیے پلکیں جھکا گئی اور جرار کو لگا جیسے اسے رب تعالیٰ نے آج دونوں جہانوں کی نعمتوں سے نواز دیا ہو۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

صبا زین

ایک تھی سنڈریلا

کسی سینڈریلا کی طرح اس کے خوابوں کا محور سفید گھوڑے پر بیٹھا شہزادہ اور اس کا محل تھا۔ مگر اس کو نہیں معلوم تھا کہ ہر سینڈریلا کو اس کی پیپی اینڈ تک نہیں ملتی۔ اس کی پسندیدہ پریوں کی کہانی، سینڈریلا کی کہانی تھی۔

یہ اس کی زندگی کی سب سے پہلی کہانی تھی، جس کو اس نے آخری مان لیا تھا۔ پھر اس کی ماں چلی گئی، اور اس کی نئی ماں آ گئی۔ پھر اگلے سال ایک تھی سی گڑیا ان کے گھر آ گئی تو اس کا ذہن خود بخود اپنے گرد کہانی بنتا گیا۔

ایک کہانی جس میں ایک سوتیلی ماں تھی ایک سوتیلی بہن تھی، بہت سارے خواب تھے۔

اور ایک تھی سینڈریلا۔

☆☆☆

یہ جاڑے کے جاتے ہوئے دن تھے، موسم جیسے لکا چھپی کھیل رہا تھا۔ کبھی گرمی لگتی تو کبھی ٹھنڈ آ کر جھک دکھلا جاتی۔ ایسے بدلتے موسم کے دنوں میں اس کی گلابی ایڑھیاں ٹھنڈے فرش پر اپنی چھاپ چھوڑتے اس کیبنٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں، جس میں اس کی سوتیلی ماں نے اس کی سوتیلی بہن کے لیے خشک میوہ جات مہوش سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ سدا سے کھانے کی شوقین یہ برداشت نہ کر سکی کہ کسی اور کے لیے سردی کی سوغات رکھی جائے اور وہ خود محروم رہ جائے۔

وہ اچھل کر اسٹول پر کھڑی ہوئی اور سب سے اوپر والے کیبنٹ سے خشک میوہ جات کا جار نکالا جس میں صرف چند بادام ہی رہ گئے تھے۔ یہ تقریباً خالی جار بھی اس کی سابقہ کارروائی کا نتیجہ تھا۔

اس کے والد کی تنخواہ محدود تھی، اس طرح کی عیاشیاں ان کے گھر نہ ہونے کے برابر تھیں۔ یہ سوغات بھی اس کی سوتیلی ماں کے بھائی اپنی بھانجی کے لیے لے کر آئے تھے، کیونکہ اس کو ڈاکٹر نے خون کی کمی بتائی تھی۔ مگر مہوش کو اس سے کیا؟

مہوش کی نظر میں اس کو اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ اس کو ہر اچھی چیز کا حق دار ٹھہرایا جائے۔ جو چیز نہ ملے تو اس کو چھین لیا جائے۔

گھر میں بدحالی نہ تھی مگر زیادہ خوش حالی بھی نہ تھی۔ کئی خواہشوں کو لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑنا پڑتا تھا۔ شیشے کی دیواروں میں سجے لوازمات،

www.pklibrary.com

جواہرات و ملبوسات، غرض ہر شے ہی دل لبھاتی تھی۔ اس کے دل کو لبھاتی تھی۔ جیب میں اتنی گنجائش تو تھی کہ مزید نوٹ رکھے جاسکیں، مگر نوٹ اتنے نہ تھے کہ جیب کو بھر سکیں۔ تو وہ دل کو کیسے بھر سکتے تھے؟

کبھی کبھار مہوش کا دم گھٹتا اپنے گھر پر، ایسی بھی کیا مفلسی کہ انسان اچھا کھانے کو بھی ترسے؟

دنیا کی ساری اچھی چیزیں صرف شیشے کے پار والی دکانوں پر ہی سجی ملیں؟ مگر پھر وہ شیشے سے ہٹ کر آئینے میں دیکھتی تو دل میں تسلی پاتی۔ وہ دل جو الٹا پلٹتا رہتا ہے، انسان کے اندر اچھل پھل کر کے رکھتا ہے۔ وہ دل آئینے کے عکس سے باتیں کرتا تو مہوش مسکرا دیتی۔ اس کا حسن ایسا تھا کہ اس کو چاہا جائے بلکہ پرستش کی جائے۔

سینڈریلا کی کہانی میں کچھ تھا تو سینڈریلا کا حسن تھا۔ اس کا نظروں کو خیرہ کر دینے والا حسن۔ ایسا حسن جو مہوش کو آئینہ میں دکھتا تھا۔ اب انتظار تھا تو بس ایک شہزادے کے آنے کا۔ بلکہ نہیں سینڈریلا کی کہانی میں تو شہزادے کے پاس سینڈریلا خود جاتی ہے۔ پورے لوازمات کے ساتھ، دل لبھانے والا جادو لے کر۔ وہ دل لبھانے والا جادو پری اس پر کرتی ہے۔ مہوش کو انتظار تھا تو اس پری کا۔

☆☆☆

پری تو نہیں آئی مگر رشتہ آ گیا۔

"لڑکا شہزادہ ہے شہزادہ۔ اور گھر کیا ہے محل ہے۔ زیادہ سوچو مت، فوراً سے ہاں کہہ دو۔"

اس نے ایک دن محلے کی وچولن کو اس کی سوتیلی ماں کو کہتے ہوئے سنا۔ دل الگ ہی لے پر دھڑکا۔ جس شہزادے کا انتظار تھا وہ تو اس کے گھر کا راستہ دیکھ چکا تھا۔ مگر اس کی سوتیلی ماں ایک اچھے ولن کی طرح تذبذب کا شکار تھی۔

"بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ رشتہ اپنے جیسے لوگوں میں کرنا چاہیے۔"

"یہ کیا پرانی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو؟ آج کل تو ماں باپ ایسے رشتوں کو ترستے ہیں۔"

"ہاں مگر بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کی کیسے کر دوں؟"

سوتیلی ماں کی بات پر اس کے دل میں غصے کا آتش فشاں پھٹا۔ بھلا اس میں بڑی چھوٹی کا کیا کام؟ لڑکا شہزادہ تھا تو رشتہ مہوش کے لیے تھا۔ شہزادہ سینڈریلا کے لیے آتا ہے، یہی اصول تھا۔ اس سے آگے بات ختم۔

"انہوں نے جب سے نرمین کو اپنی بہن کے گھر کے میلاد پر دیکھا ہے تب سے وہ پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ سوچ لو، ایسے رشتے بار بار نہیں ملتے۔"

وچولن کی بات پر جیسے کسی نے اس پر ٹھنڈا پانی گرا دیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے حسن کو دیکھ کر کوئی اس کی چھوٹی بہن کو پسند کرلے؟

"پھر بھی ان کو بولو کہ ہمارے گھر سے کوئی رشتہ لیتا ہے تو پہلے مہوش کو دیکھ لو۔" اس کی ماں نے رسان سے جواب دیا۔

"دیکھو، نرمین کی تو انہوں نے تربیت دیکھی ہے۔ جو بھی ہے مہوش تمہاری سگی بیٹی نہیں ہے۔"

"مگر تربیت تو ایک ہاتھ کی ہے ناں؟"

"چلو، میں کہتی ہوں۔" وچولن نے بات سمیٹی۔

☆☆☆

پھر رشتے کروانے والی تو نہیں آئی مگر رشتے والیاں خود ہی آگئیں۔ ایسی بڑی بڑی گاڑیاں جن کے نام بھی مہوش نے کبھی نہیں سنے تھے اس کے گھر کے سامنے کھڑی تھیں۔

ان میں سے تین ماڈرن لباس والی خواتین نخوت سے ہر چیز کو دیکھتے ان کی بیٹھک میں بیٹھی تھیں۔

"میں بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کا رشتہ نہیں کروں گی، رضیہ باجی کو بھی میں نے یہی پیغام دیا تھا۔" اس کی سوتیلی ماں نے محل سے جواب دیا۔

"ہاں، مگر ہمیں نرمین بہت پسند آئی ہے۔"

www.pklibrary.com

"میری تو دونوں ہی بیٹیاں ہیں۔"

اسی لمحے مہوش ان کے کمرے میں سلام کرتی ہوئی آئی اور کمال اداکاری سے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ جانتی ہی نہ ہو کہ وہ لوگ کون تھے اور کس مقصد سے آئے تھے؟

"یہ میری بڑی بیٹی مہوش ہے۔" اس کی سوتیلی ماں نے اس کا تعارف کروایا۔

رشتہ لے کر آنے والیاں خواتین جز بز ہو گئیں۔ ایسا اجلا حسن انہوں نے کہاں دیکھا تھا؟ غزالی ساخت کی سرمئی آنکھیں، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، بھرے بھرے ہونٹ اوپر سے دودھ سے دھلی رنگت... گندمی رنگت والی نرمین تو اس کے آگے جیسے پانی بھرتی تھی۔

لڑکے کی عام سی شکل وصورت کی بہنوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اور ماں نے حقیقی طور پر انگلیاں دانتوں میں دبالیں۔

تھوڑی دیر بعد جب سحر ٹوٹا تو لڑکے کی ماں نے کہا، "آپ کی بڑی بیٹی بہت پیاری ہے مگر ہمیں تو چھوٹی کا ہی رشتہ چاہیے۔"

اس کی سوتیلی ماں نے اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں کی تحریر چہرے سے پڑھ لی تھی۔

"پھر ہماری طرف سے معذرت۔"

پھر انہوں نے دو دن بعد دوبارہ پیغام بھجوایا، مگر اس کی سوتیلی ماں کا وہی جواب تھا۔

"مہوش سے پہلے نرمین کی نہیں۔"

اس کے بعد ادھر سے مکمل خاموشی ہو گئی تو کچھ دنوں کے لیے مہوش بھی مایوس ہو گئی۔

شاید سینڈریلا کی کہانی میں شہزادہ اس کا نصیب تھا ہی نہیں۔ یا شاید ہر سینڈریلا کے نصیب میں شہزادہ نہیں ہوتا۔ ایک دن اس نے مایوسی سے سوچا۔

پھر کچھ دن بعد مہوش اس مایوسی سے نکل کر اپنی پکی سہیلی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ اپنی پکی سہیلی کے دولہے کو دیکھ کر تو اس کی مانو جان نکل ہی گئی۔ اس کی پھول جیسی سہیلی کے ساتھ پکی عمر کا آدھا گنجا مرد۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے جھٹکے سے سنبھل کر اپنی دوست کے کان میں سرگوشی کی؟

"پھر کیا کرتے؟ ہم جیسے لوگوں کو جدی پشتی امیر تو ملنے سے رہے؟ تو پھر ہمارے یہاں مردوں کو اسٹیبلش ہوتے ہوئے اتنی عمر تو لگ ہی جاتی ہے۔" سہیلی کا اداس لہجہ اس کو بھی اداس کر گیا۔

اس کی سہیلی خوب صورت تھی، مہوش جیسی خوب صورت نہ سہی مگر خوب صورت تھی۔ پڑھی لکھی تھی، سلیقہ مند تھی اور ان کا گھرانہ مہوش کے گھرانے سے زیادہ خوش حال تھا۔ پھر بھی ایسی قسمت؟ اس نے دانت کچکچا کر سوچا۔ پھر واپسی کے پورے راستے میں وہ یہی سوچتی آئی تھی۔ یا تو پھر محل کا خواب تیاگ دیا جائے یا پھر شہزادے کا؟

اس کی سہیلی نے اس کو گاڑی میں چھوڑ دیا تھا، جو کہ اس کو گلی کے کونے میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ اسی خیال میں اس کا پاؤں مڑ گیا۔ چیخ کی آواز کے ساتھ ہی اس کے بائیں پاؤں کے جوتے کی ہیل ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے ایک آہ بھری اور سڑک کو غصے سے گھورا۔

سڑک کے اگر کندھے ہوتے تو وہ اچکا کر کہتی، "بھلا اس میں میرا کیا قصور؟ میں تو حکومت کی لاپروائی کا نتیجہ ہوں۔ میری یاد تو انہیں الیکشن کے الیکشن آتی ہے۔"

اس نے پاس کے گھر کے باہر بنی سیڑھی پر بیٹھ کر ٹوٹی ہوئی ہیل کا جوتا اپنے پاؤں سے آزاد کیا۔

اس کے سرمئی رنگ کے جوتوں پر نفیس کرسٹل کا کام ہوا تھا۔ دور سے دیکھنے میں جوتے بالکل کانچ کے لگتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے ضد کر کے اپنے ابو سے یہ جوتے لیے تھے۔ حالانکہ اس کی سوتیلی ماں نے دبے الفاظ میں کہا تھا کہ اتنے میں ان جیسے لوگوں کے تین جوڑے آجائیں، جتنے میں اس نے پیروں میں پہننے والی شے خریدی ہے۔

www.pklibrary.com

اس کی سوتیلی ماں کو کیا معلوم کہ دنیا میں اتنے مہنگے جوتے بھی پائے جاتے ہیں جتنے میں ان کے جیسے لوگوں کے گھر گاڑی سب آجائے۔

مگر یہ سب خواب وخیال کی باتیں تھیں۔ اب یا تو شہزادہ ملے گا یا پھر محل...

اس نے افسوس سے ٹوٹی ہوئی ہیل کو دیکھ کر آہ بھری۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کیا جائے، ایک ہاتھ اس کا باہیں پیر کی طرف بڑھا، جو ثابت جوتے میں مقید تھا۔ اس ہاتھ نے اس کے دوسرے پاؤں کے جوتے کو جھٹکا دیا، اور اس کی ہیل بھی جدا کردیں۔

یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ اس کو ایک پل کے لیے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے؟

"یہ کیا کیا؟" وہ جو اگلے انسان کو دیکھ کر احتجاج کرنے والی تھی، ہاتھ کے مالک کو دیکھ کر اس کے سارے الفاظ ہونٹوں پر منجمد ہوگئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہوئی اور وہ لمحہ شہزاد اور مہوش کے درمیان حجاب ہوگیا۔

شہزاد اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ وہ تو اس گلی میں کسی اور کا رشتہ لینے آیا تھا، اور دل کسی اور کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

مہوش نے دوسرا جوتا بھی پہن لیا ٹوٹی ہوئی ہیلز وہی چھوڑ کر تیزی سے اپنے گھر کو بھاگی۔ جتنی تیزی سے وہ مڑے ہوئے پاؤں کے ساتھ بھاگ سکتی تھی۔ جاتے جاتے وہ دروازے پر کھڑے ہوکر پیچھے دیکھنا نہ بھولی تھی۔

وہ وہیں کھڑا تھا، آنکھوں میں کسی جادو کیے جانے والے انسان کا تاثر لے کر...

جادو تو اس پر ہوگیا تھا۔

☆☆☆

پھر جو کام اس کی سوتیلی ماں کے جوابات نہیں کرسکے، وہ مہوش کی ایک جھٹکے نے کر دکھایا۔

کچھ سینڈریلا کے نصیب میں شہزادہ اور محل دونوں ہی ہوتے ہیں۔ مہوش نے شہزاد کا ہاتھ تھامے ہوئے اپنے سامنے محل نما بنگلے کو دیکھ کر سوچا۔

شروع کے کچھ مہینے پر لگا کر اڑ گئے۔ سہولتوں کا نشہ، عیاشیوں کے مزے، مہوش کا حسن... اس دوران تو نئے جوڑے کو ایک دوسرے کے علاوہ کچھ دکھائی اور بجھائی نہ دیتا تھا۔ پھر سب خوشی خوشی رہنے لگے۔ سینڈریلا کی کہانی یہی ختم ہوجاتی ہے۔

ایک منٹ...

اس سینڈریلا کی کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

جہاں سے سیکھنے کا عمل شروع ہوتا ہے، کہانیاں وہیں سے شروع ہوتی ہیں۔

دونوں طرف سے حسن و دولت کی خماری کا نشہ اترا تو ایک دوسرے کی خصلت ایک دوسرے پر کھلنے لگی۔

مہوش کھانے پینے کی شوقین تھی، اب جب دنیا جہاں کے لوازمات اس کے سامنے ہوتے تو خوب کھاتی۔ اس کی نندیں پہلے اس کو معنی خیزی سے دیکھتی رہتی تھیں، پھر زبان سے اظہار کرنے لگی۔

"بھابھی یہ لیں نا! آپ نے کہاں کھایا ہوگا ایسا کچھ؟" وہ بظاہر مسکرا کر جھینگوں کی پلیٹ اس کو پیش کرتیں۔

شروع میں مہوش کچھ سمجھ نہیں پاتی، مگر آہستہ آہستہ ذومعنی باتوں کے در پردہ مفہوم، آنکھوں کا استہزاء اس سے چھپنا مشکل ہوگیا۔

"دو، دو پلیٹیں کون کھاتا ہے؟"

"اچھا ہے جلدی فگر خراب کرلے گی تو شہزاد کے دل سے اتر جائے گی۔"

"میں نے تو اس کی چھوٹی بہن میں اس کی ماں کی تربیت دیکھی تھی۔ لگتا ہے ماں نے سوتیلی ہونے کا حق نبھایا اور اس کو کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔"

یہ الفاظ سننے کے بعد وہ سن رہ جاتی۔

وہ کیسے کہتی کہ اس کی سوتیلی ماں نے تو بہت کوشش کی تھی کہ وہ کچھ سیکھ جائے، مگر وہ کچھ سیکھنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔

www.pklibrary.com

آخر میں اس نے یار مان کر کہا تھا، "جو لوگ خود کچھ نہیں سیکھتے مہوش، انہیں زندگی سکھاتی ہے۔"

انہوں نے غلط کہا تھا۔ جو لڑکیاں خود کچھ نہیں سیکھتیں، ان کو سسرال سکھاتا ہے۔

ویسے سیکھنے والیاں تو ہر جگہ سبق سیکھ جاتی ہے مگر اس نے کوئی سبق نہ پڑھا۔ وہ اس گمان میں ہی رہی کہ یہ اس کی پبی اینڈنگ ہے۔

شہزادہ اس کا تھا، محل اس کا تھا۔ وہ اس کہانی کا مرکزی کردار تھی۔ اور مرکزی کردار کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوتا، مرکزی کردار کبھی غلط نہیں ہوتا۔ مگر وہ غلط تھی۔

اس محل میں ایک بادشاہ تھا، ایک ملکہ تھی اور دو شہزادیاں تھیں۔

اور وہ خود کیا تھی؟ ایک عام سے گھرانے سے آئی ہوئی عام سی مخلوق۔

وہ شہزادی نہ تھی اور اس کو ملکہ بننے سے پہلے کانٹوں کی سیج سے گزرنا پڑے گا۔ تخت اسی کو ملتا ہے جو اس کو جیتنے کے لیے محنت کرتا ہے۔ کیونکہ بے وقوف رانی ساری شطرنج کی بساط پلٹ دیتی ہے۔ وہ رانی نہ تھی مگر بے وقوف ضرور تھی۔ مگر جب زندگی ٹھان لے تو وہ ہر بے وقوف کو عقل مند بنا کر دم لیتی ہے۔

اس کی زندگی میں تبدیلی اس وقت آئی جب اس کے شہزادے کے اوپر سے اس کے حسن کا جادو اترا تھا۔

اس کا حسن "نارملائز" ہو گیا تھا، روز روز کے دیکھنے کی چیز...

شہزادہ سینڈریلا کے چند لمحوں کے لیے دکھنے والے حسن کے جلووں پر مرا تھا۔ اس نے نہ اس کے کردار کو پرکھا تھا، نہ ہی وہ اس کی شخصیت کی گہرائی میں اترا تھا۔ وہ تو ظاہر سے محبت کر بیٹھا تھا، وہ ظاہر جو ایک دن فنا ہو جاتا ہے۔ پیچھے رہ جاتا ہے تو باطن... کھوکھلا باطن... جس کو علم کے سکوں سے بھرا ہی نہیں گیا تھا۔ جس کو عقل کا شربت پلایا ہی نہیں گیا تھا۔

دوسری طرف شہزاد صرف نام کا نہیں شخصیت کا بھی شہزادہ تھا۔ وہ اپنی پرستش چاہتا تھا۔

کھٹکی مہوش اس وقت تھی، جب اس نے اس کو اپنے ساتھ باہر لے جانے سے انکار کر دیا۔

"مہوش! تمہاری شخصیت عجیب سی ہے۔ اتنا بے ڈھنگا پن ہے، بغیر سوچے سمجھے بولتی ہو۔ (شروع میں تو اس کو یہ باتیں اس کی ادائیں لگتی تھیں) میں اپنے دوستوں کے درمیان اپنا مزید مذاق نہیں بنوانا چاہتا۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے عجلت میں بولا۔

مہوش اپنی جگہ سن رہ گئی۔

مذاق...؟ کیا وہ مذاق تھی؟

پھر آہستہ آہستہ اس پر نئے در کھلنے لگے۔ وہ غور کرنے لگی تو شیرے میں ڈوبے ہوئے ذومعنی باتوں کے معنی سمجھ آنے لگے۔ وہ معنی خیز نظروں کے تبادلے سمجھنے لگی تھی۔ نظروں سے اوجھل باتیں بھی نظروں میں آنے لگی تھیں۔ نہ جانے کیا ہوا تھا؟ تبدیلی اس کے اندر آئی؟ باہر آئی تھی یا پھر نہیں آس پاس آئی؟ مگر تبدیلی اس سے آملی تھی۔

اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے پاس لوگوں کے لیے محض ایک مذاق تھی۔ اور تو کچھ نہیں ہوا مگر اس کا دل کیا کہ وہ ڈوب کر مر جائے۔ وہ جو سوچتی تھی کہ ہر اچھی چیز پر صرف اس کا حق ہے، پھر دنیا کی ساری اچھی چیزیں یا کروہ اپنے آپ کو دنیا کا بدنصیب ترین انسان کیوں سمجھتی تھی؟ وہ کون سا جذبہ تھا جو اس کے اندر کچوکے لگاتا تھا۔ وہ اس کو تھامنے کی کوشش کرتی مگر وہ ہاتھ نہیں آتا۔

☆☆☆

ان باتوں کے جواب اس کو کچھ دن بعد ملے تھے۔

یہ ان دنوں کی بات تھی کہ نرمین کی شادی کی بات چلی تھی۔ غرور ابھی ٹوٹا نہیں تھا، دل نہیں یقین اور گمان کے درمیان تھا۔ تبدیلی اس سے آ ضرور ملی تھی مگر اس نے اس کو گلے نہیں لگایا تھا۔ شہزاد نے

www.pklibrary.com

اس کو موٹی سی رقم اپنے گھر والوں کو دینے کے لیے دی تھی۔ خود وہ بھی اپنی سوتیلی ماں اور بہن کو دکھانا چاہتی تھی کہ شہزاد اور محل اس جیسی مہوشوں کے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

وہ اپنا مہنگا ترین جوڑا اور جیولری زیب تن کر کے، تحائف سے لدی پھندی اپنی بہن کی شادی میں گئی تھی۔ تحفے اس کی سوتیلی ماں نے قبول کر لیے تھے، رقم واپس کر دی تھی۔

"امی! رکھ لیں، شہزاد نے خاص طور پر نرمین کی شادی کے لیے بھیجے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ شادی ان کے شایانِ شان ہو۔"

اس کی سوتیلی ماں دھیمے سے مسکرا دی، اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب سا تھا جسے وہ سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ کم ظرف کا احسان نہیں لینا چاہیے۔ میں اگر یہ رقم قبول کر لیتی ہوں تو تمہارے سسرال والے کبھی نہ کبھی ہمیں جتا دیں گے۔ زبان سے نہ بھی جتائیں تو آنکھوں سے جتائیں گے۔ جب ہم ان سے ملیں گے تو ان کی آنکھوں میں ہمارے لیے تمسخر ہوگا۔ ہم نے ان سے رشتہ شان بڑھانے کے لیے نہیں جوڑا، مگر وہ یہی سمجھیں گے اور وہ یہ ہمیں جتائے بغیر نہیں رہیں گے۔ تو بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق ہی سارا کچھ کریں تاکہ ہماری عزتِ نفس اور خودداری دونوں زندہ رہیں۔"

عزتِ نفس اور خودداری... یہی تو وہ جذبات تھے جس کو تھامنے کی کوشش میں وہ ہلکان ہو رہی تھی اور چاہ کر بھی تھام نہیں پا رہی تھی۔ خودی اور عزتِ نفس... یہ وہ جذبات ہیں جس سے انسان کو سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ مگر انسان نے محبت کرنے کے لیے دوسرے پیمانے رکھے ہوئے ہیں، ایسے پیمانے جس میں خواہشوں اور حسرتوں کا پانی بھرا ہوا تھا۔ ان میں عزتِ نفس اور خودداری جیسے پرانے جذبات کہیں نیچے کی طرف دبے پڑے ہوئے تھے۔

رات کو وہ اپنے بستر پر لیٹی تو تبدیلی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ مگر ابھی بھی کچھ ایسا تھا جو اس کو اس تبدیلی کو گلے لگانے سے روک رہا تھا۔ اس کے کھوکھلے دولت پا کر خوش رہنے کے دعوے یا پھر اپنی ذات کی خودنمائی کی چاہ۔

☆☆☆

تابوت میں آخری کیل کچھ دنوں بعد ہی لگ گئی تھی۔

کچھ عرصے بعد کسی دعوت کے سلسلے میں وہ نرمین کے سسرال گئی تھی۔ خودنمائی کی چاہ ابھی بھی زندہ تھی۔ وہ بڑی شان سے اس کے سسرال پہنچی تھی۔

ایک ایک چیز کو نخوت سے دیکھ کر دیکھنے والے کو پوری طرح احساس دلایا گیا تھا کہ دیکھو میری طرفیں ہوں وہ اعلیٰ مخلوق جسے دنیا کی امارت میسر ہے۔ تم لوگوں سے نہیں اعلا کہ یہ میری کرم نوازی ہے کہ میں نے تمہارے غریب خانے کو عزت بخشی ہے۔ تمہاری حیثیت ہی میرے آگے کیا ہے؟ میں معاشرے کے اعلیٰ مقام پر ہوں اور تم ادنیٰ پر۔

دراصل احساسِ برتری بھی احساسِ کمتری کا ہی ایک پہلو ہے۔ کچھ لوگ اپنے احساسِ کمتری کو دبانے کے لیے ہی احساسِ برتری کا سہارا لیتے ہیں۔

شہزاد کے گھر میں وہ ایک ادنیٰ مخلوق تھی۔

مگر باہر کی دنیا اس کو رشک سے دیکھتی تھی یا پھر حسد سے۔ وہ نظروں کے مفہوم سمجھنے لگی تھی، گھر والوں کے بھی اور باہر والوں کے بھی۔ مگر اس دن یہ رشک و حسد اس کے اندر جنم لیا تھا، اپنی سوتیلی بہن کے لیے...

ہزاروں کے کپڑے پہن کر لاکھوں کی جیولری چڑھا کر، کروڑوں کے گھر میں رہ کر بھی وہ کتنی خالی ہاتھ تھی، اس نے یہ اس دن جانا تھا۔

نرمین کے شوہر کی آنکھوں میں اس کے لیے

www.pklibrary.com

مٹھاس تھی، والہانہ پن تھا۔ اس کے ساس سسر کو اس کا احساس وقدر تھی، اس کی نندیں اس کی دوستیں تھیں اور اس کا دیور، اس کا بھائی۔ مہوش ان کے لیے معتبر تھی کیونکہ وہ نرمین کی مہمان تھی، اس کی بہن تھی۔

اس دن اس کو احساس ہوا کہ نرمین کے لیے شہزاد کا رشتہ اس کی سوتیلی ماں نے رد کیوں کیا تھا۔ اپنے جیسے لوگوں میں اس کی قدر تھی۔

اپنے سے اونچے لوگوں میں مہوش صرف شو پیس تھی۔

مگر وہ کیا کر سکتی تھی؟ وہ تو سینڈریلا تھی۔ سینڈریلا کی کہانی شہزادے سے شادی پر ختم ہو جاتی ہے۔

کسی نے اس کو سکھایا ہی نہ تھا کہ کہانی ختم ہونے کے بعد کیا ہوتا ہے؟

اس دن اس نے انٹرنیٹ سے لے کر کتابیں تک چھان ماریں، سینڈریلا کی کہانی کو ہر سرے سے پڑھ کر دیکھ لیا۔ کوئی سرا پھر بھی ہاتھ نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ زندگی کی حقیقتیں کہانیوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ پھر اس سینڈریلا کے بھیس سے نکل کر اس نے مہوش بننے کا سوچا، کہانی سے نکل کر حقیقت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔

☆☆☆

ہے تو بہت گھسا پٹا جملہ مگر ہے حقیقت: زندگی سے بڑھ کر کوئی استاد نہیں ہوتا۔ مگر زندگی بھی انہی کو سکھاتی ہے جو سیکھنا چاہے۔ جو سیکھنا نہیں چاہتے، ان کے لیے لامتناہی سزا ہے زندگی...

ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر جن کے لیے وہ مذاق تھی، بے عزتی کا سامان تھی۔ اس نے سیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا گھر ٹوٹ رہا تھا، اس کے پاس خوب صورتی کے سوا کچھ نہ تھا اور دولت کے لیے خوب صورتی پانا کچھ مشکل نہ تھا۔ اس کا گھر ٹوٹ جاتا تو صرف گھر والوں کے لیے ہی نہیں دنیا والوں کے لیے بھی وہ مذاق بن جاتی۔ اب تک خدا نے اس کا بھرم رکھا ہوا تھا، آگے بھی اسی نے رکھنا تھا، مگر اب اس نے خود بھی رکھنا سیکھنا تھا۔

اس لیے اس نے زندگی کو استاد مان لیا۔ اس نے آہستہ آہستہ دیکھنا شروع کیا کہ اس کی ساس نندیں کیسے رہتی ہیں؟ پہلے پہل اس نے ان کو کاپی کرنا شروع کیا، مگر جب اس کی نندوں نے اس چیز کا نوٹس لیا تو وہی تمسخر بھری نظروں کے تبادلے شروع ہو گئے۔ طنزوں کے تیر اچھالے گئے، مہوش بھی جواب میں آپ کہنا چاہتی تھی مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئی۔

اس نے اپنی ساس کی طرف دیکھا، وہ نزاکت سے چائے کا کپ پکڑے، ہونٹوں سے لگا کر بے آواز چائے پیے جا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر اپنی بیٹیوں اور بہو کے درمیان ہونے والے متوقع جنگ کے لیے ناگواری تھی۔ مہوش کی حرکتیں بھی ان کو ناگوار گزرتی تھیں، مگر وہ کبھی بھی گھٹیا طنز کر کے اپنی سطح سے نیچے نہیں آئی تھیں۔

ہمیشہ اپنا وقار قائم رکھا۔

مہوش کو سینڈریلا کی کہانی پھر سے یاد آئی۔ اس کا اختتام غلط تھا۔ سینڈریلا شہزادے سے شادی کر کے شہزادی نہیں بنتی، بلکہ اس کو تو مستقبل کی ملکہ بننا ہوتا ہے۔ ایک ملکہ بننے کے لیے ظرف بڑا ہونا چاہیے۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی چائے پیتی ملکہ کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کی جھریاں، ان کے انداز کا وقار بتا دیتا تھا کہ وہ بھی یہاں تک مشکلیں پار کر کے پہنچی ہیں۔

"ماضی میں جب آپ کی نندیں آپ پر طنز کرتی تھی تو آپ ان کو کیا جواب دیتی تھیں؟" اس نے براہ راست اپنی ساس سے پوچھا۔

اس کے سوال پر دونوں نندیں ایک دم خاموش ہو گئیں۔ اس کی ساس کی آنکھوں میں ایک پل کو حیرت اتری، پھر وہ کسی یاد کے تحت چمکیں اور مسکرائیں۔

"میں خاموش ہو جاتی تھی۔ کیونکہ عقل مند کا یہ شعار نہیں کہ کوئی انسان اس پر کیچڑ اچھال رہا ہو تو وہ

www.pklibrary.com

اس کے مقابل آکر اپنا آپ گندہ کرے۔"

"اور یہ آپ کیسے کرتی تھیں؟"

"صبر سے"... انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے کچھ دیر بعد جواب دیا۔

اس دن وہ صبر کا سبق پڑھ کر چپ ہوگئی۔

پھر اس نے بہت سے اسباق پڑھنا شروع کر دیے۔

انٹرنیٹ بہت بڑی دنیا تھی۔ اس کو بولنے کا ڈھنگ نہیں تھا، وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ آواز میں بولنے کی مشق کرتی۔ چلنے کا ڈھنگ نہیں تھا، وہ کمر باندھ کر کے سر پر کتابیں رکھ کر چلنا سیکھتی۔ اس کو ہنسنے کا ڈھنگ نہیں تھا، اس نے ہنسنا چھوڑ کر مسکرانا شروع کر دیا۔ ویسے بھی زندگی نے ہنسنے کے مواقع تقریباً ختم ہی کر دیے تھے۔

انٹرنیٹ پر دیکھ دیکھ کر اس نے میز پر بیٹھنے کے آداب سیکھ لیے تھے، محفل میں بولنے کے، ہر قسم کے ایونٹ میں تیار ہو کر جانے کے...

کبھی کبھار وہ تنگ آجاتی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دل کرتا کہ بھاگ جائے۔ زندگی بوجھ لگتی اور زندگی کے سبق عذاب...

پھر وہ اپنے آپ کو یاد دلاتی کہ زندگی سبق نہ پڑھنے والے کو سزا دیتی ہے۔

اس کو سبق پڑھنا تھا کہ سزا کا حق دار بننا تھا، فیصلہ اس کا تھا۔ فیصلہ اس نے کر لیا تھا۔

صبر کے بعد اس نے برداشت کا سبق پڑھنا تھا۔

☆☆☆

سبق تو زندگی کے ساتھ ہی تھے، مگر ان اسباق کا نتیجہ نظر آنے لگا تھا۔

اس کے اندر کی تبدیلیاں باہر والے نوٹ کرنے لگے تھے۔ اس کی ساس اس سے مسکرا کر بات کرتیں، کبھی وہ کوئی غلطی کر بھی جاتی تو اس کو نرمی سے سمجھاتیں اور مہوش کی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ وہ غلطی دوبارہ نہ دہرائے۔

اس کی نندوں کو جواب نہ ملنے کی صورت میں طنز کم ہوگئے تھے۔ شہزاد کا رویہ ابھی بھی دھوپ چھاؤں جیسا تھا، کبھی اتنا والہانہ پن، کبھی بالکل ہی بے زاری...

اس نے ایک دن ڈرتے ڈرتے اپنی ساس سے اس کے رویے کی شکایت کی تو وہ مسکرا دیں۔

"میٹھا بولا کرو۔"

"اب تو میں کچھ بولتی ہی نہیں۔" اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"لڑکی مت بنو، مہوش عورت بنو۔" اس کو اپنی ساس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کی ساس نے اس کے چہرے پر سوال لکھا ہوا دیکھا تو وضاحت دینے لگیں۔ "تم نے نہیں لکھا ہوا دیکھا ہے لڑکی کی طاقت کے بارے میں؟ ہمیشہ عورت کی طاقت کی بات کی جاتی ہے کیونکہ عورت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔"

"یہ عورت کیا ہوتی ہے؟"

ابھی مہوش کو بہت سے رمز پڑھنے تھے۔

بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ عورت تو زیادہ عمر کی لڑکی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیا وہ اتنی بڑی ہوگئی ہے؟ مہوش نے تشویش سے سوچا۔

"عورت طاقت اور وقار کا پیکر ہوتی ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر منہ نہیں بناتی، وہ اف نہیں کرتی۔ وہ طاقت کا وہ سمندر ہوتی ہے جس کو چھوٹی چھوٹی باتوں سے فرق نہیں پڑتا۔ اور اگر پڑتا بھی ہے تو وہ اپنی ذات کے وقار کو قائم رکھتی ہے۔ وہ اپنی عزت نفس اور خودی کو بلند رکھتی ہے۔"

"مرد تو عورت کی خودی سے ڈرتا ہے۔" اس نے حیرت سے اپنی ساس سے پوچھا۔ اتنی رمز تو اس کو بھی سمجھ میں آنے لگ گئی تھی۔

"مرد بہت ہوشیار ہوتا ہے، وہ پہلے محنت کر کے عورت کو اپنا اسیر کر لیتا ہے، جب اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے کہیں نہیں جانا تو وہ محنت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف عورت کو مرد کو اپنا

www.pklibrary.com

اسیر رکھنے کے لیے پوری زندگی محنت کرنی پڑتی ہے۔"

"عورت مرد کو اپنا اسیر کیسے کرتی ہے؟"

"اداؤں سے! نجانے تمہاری جنریشن کی لڑکیوں نے نسوانیت پیچھے کیوں چھوڑ دی ہے؟" اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک ادا سے اپنے بال پیچھے کیے۔

"ان کو تو اب میری ادائیں بھی اچھی نہیں لگتیں۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ مرد کو محکوم عورتیں اچھی لگتی ہیں۔"

"نفسیاتی مردوں کو محکوم عورتیں اچھی لگتی ہیں۔ مرد کو وہ عورت اچھی لگتی ہے جو سمجھے کہ وہی اس کی دنیا ہے، جو پرستش کی حد تک اس کو چاہے۔ مگر جو اس کی محکوم نہ ہو، اس کی اپنی شخصیت ہو۔ جو انمول ہو گی وہی مرد سے اپنی ویلیو کروائے گی۔"

"بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ یا تو انسان کسی کی چاہ میں اپنے آپ کو ختم کر دیتا ہے یا اپنی ہستی کو اونچا کر کے دوسرے انسان کی چاہ ختم کر دیتا ہے۔" مہوش کو اب یہ بحث مزا دینے لگی تھی۔

"ہر چیز کا درمیانہ راستہ ہوتا ہے مہوش! جو عورت اس درمیانی راستے کو پا جاتی ہے، وہ قلوپطرہ بننے سے بچ جاتی ہے اور عورت کی کاملیت کو پا جاتی ہے۔"

مہوش کو قلوپطرہ کے بارے میں زیادہ تو نہیں معلوم تھا، مگر وہ اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک خوب صورت عورت تھی جس کا انجام خوب صورت نہ تھا۔

مہوش نے سینڈریلا بن کر دیکھ لیا تھا۔ اب ایک فرضی کہانی سے تاریخ کی کہانی کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس نے جھرجھری لے کر سوچا۔ پھر اس کے خیالات کی رو اس کی ساس کی باتوں کی طرف گئی تو اب کی بار اس نے عورت بننے کا سوچا۔

☆☆☆

ان دنوں وہ اپنے میکے گئی ہوئی تھی، جہاں نرمین بھی آئی ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ اس کی ساس کا اصرار تھا کہ یہی وہ وقت تھا کہ وہ اپنے اوپر ہنسنے والوں کا منہ بند کر دے۔

وہ اپنی شادی کی سالگرہ کی دعوت دینے میکے جانے لگی تھی تو پتہ چلا کہ نرمین بھی وہیں پر ہے۔

نرمین ان دنوں امید سے تھی، وہ چھوٹے بچے کا سامان لے کر گئی تھی مگر اس بار مقصد دکھاوا نہ تھا بلکہ محبت تھی۔ نرمین نے آنکھوں میں حیرت بھر کر اپنی سوتیلی بہن کو دیکھا۔ جو جتانے کا، دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔

تبدیلی کبھی قطرہ قطرہ شبنم کی صورت برستی ہے، تو کبھی ساون بھادوں بن کر برس پڑتی ہے۔ نرمین نہیں جانتی تھی کہ مہوش نے تبدیلی کے یہ دونوں رخ دیکھ لیے تھے۔ اب وہ کسی سیراب زمین کی طرح شانت ہو گئی تھی، جس سے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آتی تھی۔

اس دن وہ پہلی بار کسی بھی کدورت کے بغیر اپنی بہن کو بہن بن کر ملی۔ اس کو کھڑے ہونے میں مدد دی، اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے لیے کھانا بنایا۔

"تم نے کہاں سے یہ سب سیکھ لیا؟" نرمین نے سوجھے ہوئے پاؤں صوفے کے پائنتی پر رکھ کر ہاتھ میں کھیر کا پیالہ لے کر اس سے پوچھا۔

"کچھ سبق سسرال نے سکھائے تو کچھ زندگی نے ... سب نے مل ملا کر میری بگڑی شکل سنوار دی۔" وہ سادگی سے کندھے اچکا کر مسکرا کر بولی۔

نرمین اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سے ایک پل کے لیے مسحور ہو گئی۔

"تمہیں معلوم ہے، میں اکثر تمہاری خوب صورتی سے جلا کرتی تھی۔ بابا ہمیشہ تمہیں مجھ پر فوقیت دیتے تھے، ہمیشہ تمہاری فیور لیتے تھے۔ ان کو ڈر تھا کہ بن ماں کی بچی کا کہیں دل نہ دکھ جائے، اوپر سے تمہاری خوب صورتی۔" نرمین پیالہ گود میں رکھ کر ہاتھ لہرا لہرا کر بتانے لگی۔ "مجھے لگتا تھا کہ تمہارا غرور،

www.pklibrary.com

تمہارا نخرا، اسی خوب صورتی کا مرہون منت ہے۔ تمہاری وجہ سے میں کہیں پس منظر میں چلی جاتی تھی۔ پھر جب شہزاد بھائی کا رشتہ آیا تو مجھے لگا کہ ہاں میری بھی کہیں اہمیت ہے۔" نرمین نے ایمان داری سے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھا۔

"کیا تمہیں کوئی افسوس ہے؟" مہوش اس کی آخری بات پر چونکی۔

"نہیں۔ میں پہلے بھی اس رشتے کے حق میں نہیں تھی۔ میں عام سی لڑکی ہوں مہوش... مجھے شہزادے سوٹ نہیں کرتے۔ شہزاد بھائی خوب صورت ہیں اور اوپر سے امیر بھی... ان کے ساتھ میں پھر کسی پس منظر کا حصہ بن جاتی۔ خاص لوگوں کے درمیان پس منظر کا حصہ بنے رہنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے جیسے لوگوں کے درمیان رہوں، جہاں کم از کم میری کوئی اہمیت تو ہو۔" اس نے ایک لمبی سی انگڑائی لی اور بات جاری رکھی۔ "ویسے قسمت اور امی کا فیصلہ ٹھیک تھا، کم از کم تمہاری خوب صورتی شہزاد بھائی کو باندھ تو سکتی ہے۔"

نرمین کی بات پر وہ تلخی سے مسکرا دی۔

"تمہیں معلوم ہے نرمین، شادی کے بعد میں شہزاد کے ساتھ کئی خوب صورت مقامات پر گئی ہوں۔ ان میں سے کئی ایسے بھی مقامات تھے جن پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ سیاح دور دور سے ان مقامات کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ مگر ان کی خوب صورتی کسی سیاح کے قدم نہیں باندھ سکتی۔ کچھ دن بعد خوب صورتی کا چارم ختم ہو جاتا ہے تو انسان کو اپنا گھر کا سکون یاد آجاتا ہے۔ اب مجھے خوبصورت سینڈریلا نہیں بننا، بلکہ کسی کے لیے گھر کا سکون بننا ہے۔" اس نے اس دن نرمین کو ہی نہیں اپنے آپ کو بھی یاد دلایا تھا۔

☆☆☆

پھر وہ دن بھی آگیا، جب اس کے باطن کی تبدیلی کی گواہی اس کے ظاہر نے دینی تھی۔

اگر شہزادے کا منعقد کردہ کوئی بال ہوتا تو وہ وہی ہوتا، فرق صرف اتنا تھا کہ یہ شاندار دعوت سینڈریلا نے خود دی تھی۔ دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ شہزادے کی تلاش ختم ہو چکی ہے۔ اس کے پاس اب سینڈریلا ہے، لہٰذا ساری چڑیلیں اس سے اپنے بچے دور رکھیں۔ پھولوں کی سجاوٹ سے لے کر میز پوش تک، ہر چیز کا خیال رکھا گیا تھا۔ وہ کسی کو بھی اپنے اوپر بولنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اگر شہزاد کوئی ٹرافی تھا تو وہ دنیا کو دکھانا چاہتی تھی کہ وہ اس ٹرافی کی حق دار تھی۔

پھر اس کے ظاہر کو سجانے کی ذمہ داری اس کی ساس نے لے لی تھی۔

"میں آج تمہاری فیری گاڈ مدر ہوں۔" اس کی ساس ایک ادا سے مسکرائیں۔

پارٹی ریڈ اینڈ بلیک تھیم کی تھی، مگر اس کی ساس نے اس کے لیے سفید انارکلی فراک اور چوڑی دار پاجامہ بنوایا تھا، ساتھ میں گوٹے کے کام کا سرخ دوپٹہ۔

"سفید کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارا آج خاص دن ہے۔ تمہیں ممتاز لگنا چاہیے نہ کہ کسی جھنڈ کا حصہ۔" انہوں نے اس کا دوپٹا صحیح کرتے ہوئے کہا۔

پھر سب نے دیکھا کہ سینڈریلا کس شان سے سیڑھیوں سے نیچے اتری تھی۔ ریلنگ پر اپنا نازک ہاتھ ٹکائے، لمبے گھنے بال پشت پر پھیلائے، کرسٹل کے رنگوں کے جوتے پہنے، اس کا ایک ایک قدم ایسے اٹھ رہا تھا، جیسے وہ پانی پر چل رہی ہو۔ جیسے وہ کوئی مچھلی ہو یا پھر جل پری...

سیڑھی کے آخری کونے میں کھڑے سیاہ رنگ کا سوٹ پہنے شہزاد نے جیسے پہلی بار اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔ وہ ناز و ادا کا پیکر، وقار سے سجا سراپا؟ پہلے کہاں تھا؟

آخری سیڑھی پر قدم رکھ کر اس نے ایک ادا سے اپنا ہاتھ شہزاد کے ہاتھ پر رکھا، اور اسی ادا سے مسکرا دی۔

www.pklibrary.com

ہال میں آرکسٹرا کے دھیمے سر بکھرے ہوئے تھے، شہزاد مہوش کا ہاتھ پکڑ کر مہمان کا استقبال کرنے گیا تھا۔ آج اس کو اسکا تعارف کرواتے ہوئے کوئی شرمندگی، کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی۔ اس شاندار جوڑے کو کسی نے حسرت سے دیکھا تو بہت سو نے رشک سے...

اس نے ایک نظر شہزاد کی طرف دیکھا اور جان گئی کہ ان آنکھوں میں اسیری تھی۔

ایک سال پہلے شہزاد نے مہوش کی ہیرے جیسی خوب صورتی کو دیکھا اور اپنا دل ہار بیٹھا۔ مگر تب اس ہیرے پر گرد تھی، وہ کوئلے سے ڈھکا ہوا تھا، وہ بن تراش تھا۔ اب وہی ہیرا تراش کے مرحلے سے گزر چکا تھا، سنور چکا تھا۔ اب اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی تھی، بلکہ آنکھوں کو سکون دیتی تھی، ٹھنڈک پہنچاتی تھی۔

وہ اس گرد آلود ہیرے کی چمک پر فدا ہوا تھا، تو کیسے اس تراشی ہوئی، نکھری ہوئی روشنی کا اسیر نہ ہوتا؟

شہزاد کی آنکھوں کی چمک نے اس کے ہونٹوں کو چھوا تو وہ مسکرا دی۔ اس مسکراہٹ میں کامیابی کی خوشی تو تھی مگر غرور نہ تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ محبت ہو یا خوب صورتی ہر چیز فانی ہے۔

شام آہستہ آہستہ رات میں ڈھل رہی تھی۔ دعوت سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے کمرے میں گئی تو گھڑیال بارہ کا گھنٹہ بجا رہی تھی۔ ایک بار پھر سے سینڈریلا کی کہانی یاد آنے پر وہ مسکرا دی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھ کر آہستہ آہستہ اپنا میک اپ اتارنے لگی۔

شہزاد اپنے دوستوں کے ساتھ نیچے تھا، اس کو ابھی آنے میں دیر تھی۔ اس نے اس کو کوئی آواز نہیں دی تھی۔ اس کو اسپیس کی ضرورت تھی، اور وہ اسپیس کی اہمیت کو اچھے طریقے سے جانتی تھی۔

وہ سکون سے اپنا کام کرنے لگی۔

بارہ کا گھنٹہ بج چکا تھا، سینڈریلا کو اپنے اصل روپ میں آنا تھا۔ اس کے خیال میں سینڈریلا کی پوری کہانی غلط تھی، اس کا پیغام غلط تھا۔

سینڈریلا کی کہانی میں امید تھی، پر وہ امید غلط تھی۔ وہ امید معجزے کے انتظار میں تھی۔ کسی ایسے وجود کے، جو شاید آپ کی زندگی میں کبھی نہ آئے۔ سینڈریلا شہزادے سے وہ بن کر ملی تھی، جو وہ تھی ہی نہیں... اس حد تک تبدیلی کے ساتھ کہ کوئی اس کو اس روپ میں پہچان نہ پایا تھا۔ اور اس کا اصل روپ شہزادہ پہچان نہ پایا تھا۔ اس کو سینڈریلا کو ڈھونڈنے کے لیے ایک جوتے کا سہارا لینا پڑا تھا۔

تبدیلی اچھی ہوتی ہے، اگر مضبوط ہو، مثبت ہو... اور دھوکا نہ ہو...

لوگوں کو چاہیے کہ اپنی بچیوں کو یا تو سینڈریلا کی کہانی سنانا چھوڑ دیں، یا تو سینڈریلا کی کہانی بدل دیں۔

کیا وہ ایک نئی سینڈریلا کی کہانی لکھے؟

اس کی سرمئی آنکھوں نے آئینہ میں سے شرارت سے سوال کیا۔ وہ اپنے عکس کو دیکھ کر مسکرائی۔

کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا۔

اگر تو میں سینڈریلا ہوتی تو کسی معجزے کے انتظار میں، تہہ خانے میں بیٹھ کر نہ روتی، اگر تو میں سنڈریلا ہوتی، تو حیا کا آنچل اوڑھ کر، وقار کا لباس پہنتی، عقل کو اوڑھنا، بچھونا بنا کر، صبر کے گھونٹ پیتی اگر تو میں سنڈریلا ہوتی، تو کسی کانچ کے جوتے کو اپنے پیروں کی زنجیر نہ بننے دیتی، اپنے روپ پر بہروپ نہ بھرتی،

اگر تو میں سنڈریلا ہوتی، اپنی داستان محنت کے قلم سے لکھتی، اس کی شروعات خواب سے کرتی تو اختتام حقیقت پر ہوتا، اگر تو میں سنڈریلا ہوتی، تو سینڈریلا خواب نہ بنتی، سینڈریلا حقیقت میں امید کا رنگ ہوتی، تو پھر دنیا کہتی، کہ... ایک تھی سینڈریلا ایک تھی سینڈریلا...

☆☆

www.pklibrary.com

مکمل ناول

اُمِ ثوبیا

زحالِ مسکیں مکن تغافل

وہ کلاسز کے بعد لائبریری میں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی جب کرسی کھینچ کے کوئی اس کے مقابل آبیٹھا۔ اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھائی تو ایک قطعی اجنبی خوبرو سے مرد کو دیکھ کے اس کے ماتھے پہ شکن سی ابھری۔ اس نے آس پاس خالی میزوں کو دیکھا اور پھر ایک ابرو اٹھا کے نوارد کو دیکھا جو اس کے تاثرات بخوبی سمجھ رہا تھا جب ہی مبہم سا مسکرایا۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے تب ہی ساری خالی ٹیبلز چھوڑ کر یہاں آ کے بیٹھا ہوں۔ میرا نام میران ہے۔ ملک میران وجاہت۔"

وہ اتنا کہہ کے رکا جبکہ وہ ہنوز اسے سپاٹ چہرے کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ میران دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے جیسے الفاظ اکٹھے کر رہا تھا۔

"سوچ کے تو بہت کچھ آیا تھا کہ آپ سے یہ کہوں گا، ایسے اپنا مدعا بیان کروں گا لیکن......" اس نے پھر سے وقفہ دیا اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔ "میں...... آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ کچھ پل تو سن کے بھی سمجھ ہی نہ سکی جبکہ وہ دھیرے دھیرے بولتے اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"میں آپ کو کیسے جانتا ہوں، کب سے آپ کو فالو کر رہا ہوں، یہ سب بھی بتاؤں گا لیکن پہلے آپ کی اجازت سے اپنی والدہ کو آپ کے پیرنٹس سے ملوانا چاہتا ہوں...... اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اپنی والدہ کا کانٹیکٹ نمبر دے دیں تاکہ امی کی ان سے بات کروا دوں۔"

وہ جواب تک بدلتے تاثرات کے ساتھ اس کو خاموشی سے سن رہی تھی، اس کے چپ ہونے پہ ایک گہری سانس لے کے گویا ہوئی۔

"اگر آپ مجھے فالو کر رہے تھے تو آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے تھی کہ...... میں انگیجڈ ہوں......" میران کے یک بیک تاریک پڑتے چہرے کو دیکھ کے وہ ایک پل کو رکی پھر کہنا شروع کیا "اور...... آپ کا اندازِ گفتگو آپ کی خاندانی نجابت کی عکاسی کرتا ہے سو میں امید کرتی ہوں کہ اب میں اس بات کا چرچا نہیں سنوں گی اور نہ ہی اس انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کے آپ دوبارہ میرے راستے میں آئیں گے کیونکہ مجھے اپنی عزت اور کردار اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں...... مجھے یقین ہے میں آپ کو اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہوئی ہوں؟" وہ ایک روبوٹ کے سے انداز میں کہتی چلی گئی، اس کے آخری جملے پہ میران نے ایک نظر اسے بغور دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے اٹھ کے چلا گیا۔ وہ پھر سے اپنی کتاب پڑھنے لگی تھی۔

☆☆☆

ایک زوردار تھپڑ اس کی گدی پہ پڑا، اس نے بلبلا کے دیکھا تو نزہت تائی خوں خوار تیور لیے اسے گھور رہی تھیں۔

"کیوں ری، تو نین مٹکے سے باز نہیں آئے گی؟ مردوں کے بغیر تیرا جی نہیں لگتا؟"

www.pklibrary.com

وہ ہکا بکا سی انہیں دیکھ رہی تھی تب ہی روحینہ اس کی مدد کو آئیں۔

"کیا ہوا ہے بھابھی؟ کیا کیا ہے اس نے؟"

"ارے بھئی، مجھ سے پوچھنے کے بجائے اس کے کرتوتوں پہ نظر رکھو، آئے دن کسی نئے لڑکے کے ساتھ نظر آتی ہے۔"

"یہ آپ مجھ پہ کیسے بے بنیاد الزام لگا رہی ہیں تائی اماں؟ وہ سب میرے اسٹوڈنٹ ہیں، میں انہیں ٹیوشن پڑھاتی ہوں" وہ تڑپ کے بولی تو روحینہ نے بے بسی سے اسے دیکھ کے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کی استدعا کی۔

"یہ لو، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے....." نزہت چمک کے بولیں "تیرے تمام یاروں نے میرا بیٹا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور کڑھ کے رہ جاتا ہے۔ لیکن میں کہے دے رہی ہوں میں اتنی نرم دل نہیں ہوں کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل لوں..... اپنی

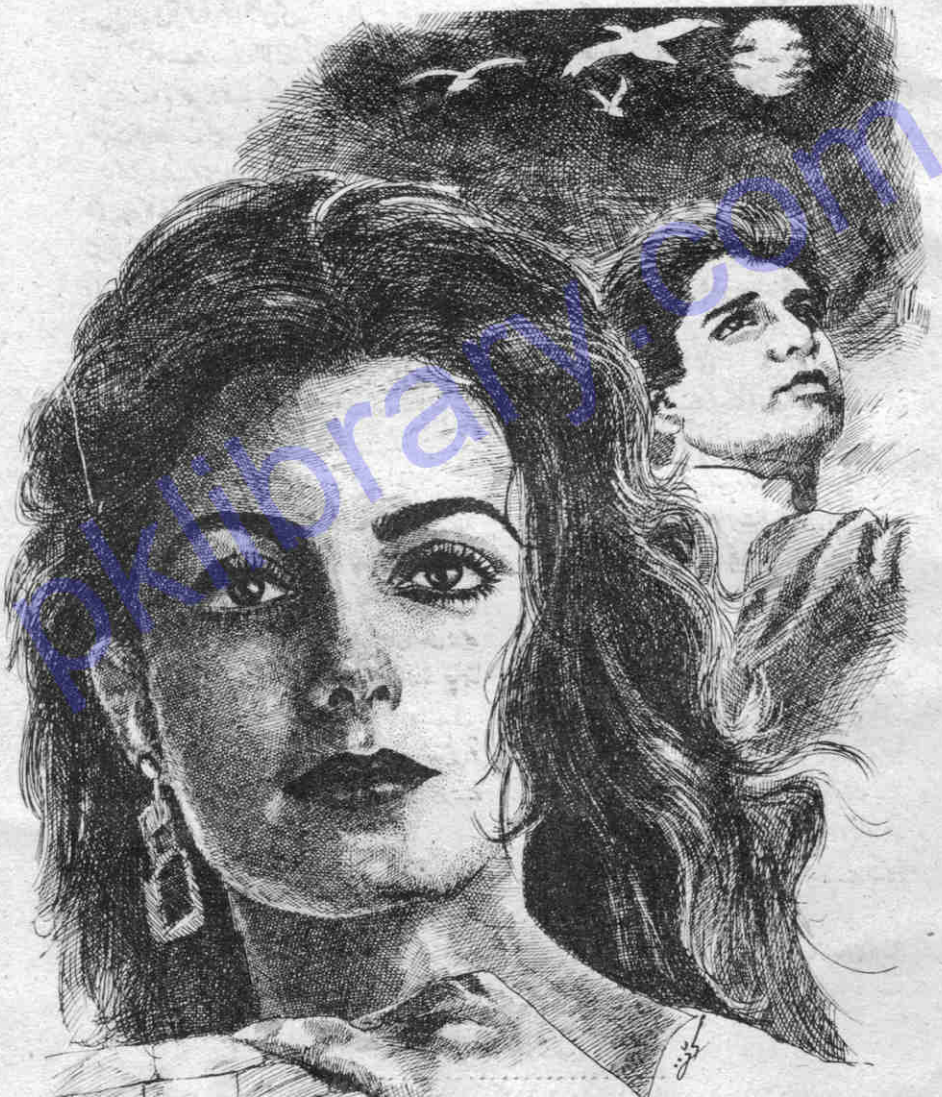

pklibrary.com

www.pklibrary.com

عیاشیوں کو لگام ڈال ورنہ میں کسی قیمت پہ تجھے اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔"

"ارے نہیں بھابھی، ایسے مت کہیں۔"

روحینہ کے گڑگڑا کے کہنے پہ اس نے اذیت سے ماں کو دیکھا جو اس گھٹیا عورت کی منتیں کر رہی تھی۔

"بچی ہے، نادان ہے، آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی کرے گی، بس رشتہ توڑنے کی بات نہ کریں، یہ اس کی ابا کی آخری خواہش تھی۔"

"ارے مرنے والا اپنا گند ہمارے سر پہ ڈال گیا۔" وہ ہاتھ جھٹک کے بولیں تو اسے خود سے نفرت سی ہونے لگی۔

"زارا! تائی سے معافی مانگو اور آئندہ انہیں شکایت کا موقع نہ دینا۔" روحینہ نے کمزوری آواز میں اسے تنبیہ کی تو فقط ایک شکوہ کناں نگاہ ماں پہ ڈال کر وہ ان سے معافی مانگنے لگی جبکہ اس ایک نگاہ نے روحینہ کو اندر تک چیر کے رکھ دیا تھا۔

معافی تلافی کے بعد روحینہ گھر کے تمام کام نمٹا کے جب کمرے میں پہنچیں تو وہ سوچ میں گم تھی۔ وہ اس کے پاس جا کے بیٹھیں تو وہ چونکی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

امی! کیا آپ کو بھی تائی کی باتوں پہ یقین ہے؟" اس کی آنکھیں خشک لیکن الفاظ نوحہ کناں تھے، روحینہ نے تڑپ کے اسے گلے لگا لیا۔

"پوری دنیا بھی تمہارے خلاف گواہی دے تب بھی تم پہ میرا یقین کبھی نہ ڈگمگائے گا زارا۔"

ان کے محبت سے کہنے پہ وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

"تو پھر آپ تائی کے سامنے.....؟ آپ کیوں ان سے میرے رشتے کی بھیک مانگتی ہیں؟ میں آپ پہ اتنی بھاری ہوں؟؟" وہ اہانت کے احساس سے مچل مچل کے رو رہی تھی، روحینہ کا خونِ دل بھی بے رنگ پانی کی صورت گالوں پہ لڑھکنے لگا۔

"میری جان، جب تک تمہاری پڑھائی مکمل نہیں ہو جاتی، میں ان سے بیر مول نہیں لے سکتی، تمہارے ابا کی چھوڑی ہوئی ہر چیز پہ ان کا قبضہ ہے، مجھے اپنی فکر نہیں بس تمہاری تعلیم پہ میں سمجھوتا نہیں کر سکتی اسی لیے ان کی ہر بات بلا چوں چرا مانتی ہوں اور انہیں تمہاری تعلیم سے زیادہ اس کے بعد ملنے والی جاب کا لالچ ہے تاکہ ان کا نکھٹو آوارہ بیٹا ساری عمر بیٹھ کے کھائے۔"

"تو امی۔ کیا واقعی آپ اکبر سے میری....."

"شی۔ چپ۔" روحینہ نے دہل کے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ "زندگی نے ہمارے بڑے کڑے امتحان لیے ہیں لیکن تمہیں اس جیتے جاگتے جہنم میں، میں کسی قیمت نہیں جھونکوں گی۔ بس تم ان شاءاللہ جلد سے جلد اپنی ڈگری لو اور ہم دونوں اپنی الگ چھوٹی لیکن خوب صورت سی دنیا بسا لیں گے۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے خلا میں نظریں جمائے سالوں سے پلتی خواہش کا ایک بار پھر اظہار کر رہی تھیں۔

☆☆☆

ناداں یقین کر لے محبت اب نہیں ہوگی
قیامت آ چکی ہم پر قیامت اب نہیں ہوگی
جسے اپنا بنایا تھا جو رگ رگ میں سمایا تھا
بہت بے درد نکلا وہ سو چاہت اب نہیں ہوگی

تقریباً چھ مہینے ہونے کو آئے تھے لیکن تاحال وہ اپنے دل کے خالی پن کا علاج نہ ڈھونڈ پایا تھا یا یوں نہیں کہ وہ اس درد کو بھولنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب اس کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اپنے استاد کو حج کی مبارک باد دینے یونی ورسٹی گیا تھا، وہ اسے اپنے ساتھ آڈیٹوریم میں ہونے والے مشاعرہ میں لے گئے تھے اور وہیں پہلی بار اس نے اس پری وش کو دیکھا تھا جسے بنتِ وقار کے نام سے اسٹیج پہ مدعو کیا گیا تھا۔ پیازی قمیص کے ساتھ سفید شلوار دوپٹے میں ملبوس اس طالبہ کا نام پکارے جانے پہ سر بلال میران سے اس کی تعلیمی قابلیت اور سادگی کی تعریف کرنے

www.pklibrary.com

لگے۔ وہ سرسری سا ان کو سن رہا تھا جب اس نے نظم پڑھنی شروع کی۔

کوئی مجھ کو میرا بھرپور سراپا لادے
میرے بازو، میری آنکھیں، میرا چہرہ لادے
ایسا دریا جو کسی اور سمندر میں گرے
اس سے بہتر ہے کہ مجھ کو میرا صحرا لادے
کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے میری عمرِ رواں
میرا بچپن، میرے جگنو، میری گڑیا لادے
جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہوں
کوئی چہرہ تو میرے شہر میں ایسا لادے
کتنی جاں تو بھنور میں ہے کئی برسوں سے
اے خدا اب تو ڈبودے یا کنارہ لادے

اس کے رکتے ہی ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا لیکن میران ہنوز اس کی اداس آنکھوں اور پرسوز انداز کے طلسم میں محو بیٹھا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کون سی کشش تھی جو اسے اس لڑکی سے نظر ہٹانے نہ دے رہی تھی، سماعتیں پھر سے اسے سننے کو خواہاں تھیں۔ وہ جیسے خود کو بمشکل گھسیٹ کے آڈیٹوریم سے باہر آیا تھا لیکن آنے والے دنوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے دھیان کی سب ہی کڑیاں وہیں چھوڑ آیا تھا۔

وہ وقتی کشش سمجھ کے قصداً اسے بھلانے کے جتن کرتا رہا مگر تھک ہار کے ایک بار پھر یونیورسٹی جا پہنچا، ذہن میں یہی خیال تھا کہ اتنے ہجوم میں اسے کہاں ڈھونڈے گا لیکن قسمت سے وہ اسے لائبریری جاتی نظر آ گئی تھی، وہ جیسے ٹرانس میں چلتا اس کے پیچھے ہولیا۔ اس دن وہ لائبریری میں ڈیڑھ گھنٹہ اپنے نوٹس بناتی اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ کوئی اپنے سارے معمولات یکسر فراموش کیے دو ٹیبل کے فاصلے پہ بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

اور پھر یہ میران کا معمول بن گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت وہ لائبریری میں ہی ہوتی تھی سو وہ اپنی ساری مصروفیات پس پشت ڈال کے کشاں کشاں اسے دیکھنے کے لیے چلا آتا۔ اور جس دن اسے یہ یقین واثق ہو گیا کہ یہ ہی وہ لڑکی ہے جس کے سنگ وہ سفرِ زیست کی ہمراہی کا خواہاں ہے، وہ اس کے پاس جا پہنچا تھا لیکن قسمت کے کاری وار نے اس کی نوخیز محبت کو سمو پانے سے پہلے اجاڑ ڈالا تھا۔

ہر چیز بنا مقابلے بن مانگے حاصل ہوتی رہی لیکن بساطِ دل پہ پہلی ہی چال پہ انجانے ان دیکھے مخالف نے اسے ایسی شکست سے دوچار کیا تھا کہ میران کا جذبوں بھرا دل کھنڈر ہو کے رہ گیا تھا۔ بظاہر کاروبار دنیا رواں دواں تھا لیکن اس کے اندر گھور جمود طاری تھا۔ میران کوئی ٹین ایجر نہیں ایک مجبور مرد تھا اور زندگی میں پہلی بار کوئی ایسی ہستی ملی تھی جس کے لیے اس کے دل نے خود کو اڑ کھولے تھے اور وہ اس خاموشی سے وہاں اپنا سنگھاسن جما بیٹھی تھی کہ اب اس کے اپنے جسم میں دل پرایا ہو چکا تھا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک بس گھڑی کی سوئیوں کی طرح اس کی دھڑکنیں ایک میکانکی انداز میں چلتی رہتیں اور وہ روبوٹ کی طرح معمولاتِ زندگی نمٹاتا رہتا۔

ابھی بھی آفس سے گھر آ کے وہ ماں کو سلام کرنے چلا آیا تھا جو اپنے آس پاس سوٹ کیس میں سامان پھیلائے بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم امی۔''

''وعلیکم السلام میری جان۔'' وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں ''آؤ بیٹھو، چائے بنواؤں؟''

''نہیں ابھی نہیں، آپ بتائیں تیاری کہاں تک پہنچی؟''

''ارے تمہاری بہن نے تو مجھے پاگل کر دیا ہے، لوگ دبئی سے شاپنگ کر کے یہاں لاتے ہیں اور اس کو ہر چیز یہاں سے منگوانی ہے، فلاں ہال سے یہ لے آئیں، فلاں ٹیلر سے یہ سلوالیں'' وہ خفگی سے بتانے لگیں تو میران دھیرے سے ہنس دیا۔

''سارا دن اتنی کالز کرتی ہے، مزے کی بات سنو کہ کہتی بھی جائے گی امی آپ کو میں نے بہت تنگ

www.pklibrary.com

کیا ہوا ہے، میں دل رکھنے کو جیسے ہی کہتی ہوں نہیں کوئی بات نہیں تو کھٹ سے ایک اور فرمائش.....''

میران کی بہن علینہ کی پریگننسی میں کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے ڈاکٹر نے اسے چھٹے مہینے سے ہی بیڈ ریسٹ کہہ دیا تھا، اب آٹھواں مہینہ تھا، شاپنگ وہ خود تو کر نہیں سکتی تھی سو ماں کو صبح سے مصروف کیا ہوا تھا، وہ اس کی ڈلیوری کے لیے دبئی جانے والی تھیں اور انہی تیاریوں میں مصروف تھیں لیکن علینہ کی فرمائشوں نے انہیں واقعی عاجز کر دیا تھا جب ہی میران سے شکایت کر رہی تھیں۔

''پتا ہے اب تک پورے دو سوٹ کیس بھر چکے ہیں صرف بے بی کے سامان سے، آج بھی کچھ سوٹ لائی ہوں، رکو تمہیں دکھاتی ہوں.....'' وہ الماری سے کپڑے نکال کے مڑیں کہ ان کا فون بجنے لگا، انہوں نے بے چارگی سے میران کو دیکھا

''دیکھ لو اب پھر کوئی آرڈر آ گیا ہے، تم سنتا پہلا جملہ یہی ہوگا امی آپ تھکی تو نہیں۔'' میران ہنسنے لگا تو انہوں نے سر نفی میں ہلا کے ہنستے ہنستے اسپیکر آن کیا۔

''خالہ.....امی چلی گئیں.....ہمیں چھوڑ کے چلی گئیں امی.....''

بے تحاشا روتے ہوئے وہ نسوانی آواز جانے کس کے مرنے کی اطلاع دے رہی تھی کہ میران نے اپنی زندہ ماں کے وجود پہ مردنی چھاتے دیکھی تھی۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا جو سفید چہرہ لیے ساکت کھڑی تھیں۔

☆☆☆

''ارے یہ تو پیدائشی منحوس ہے، بچپن میں ہی باپ کھا گئی اور اب ماں بھی ہضم کر لی.....''

تدفین کے وقت بھی نزہت کی زبان اس کے لیے فراٹے سے چل رہی تھی جبکہ وہ ثمینہ کے بازوؤں کے حلقے میں سہمی سی بیٹھی تھی۔ اسے اب تک یقین ہی نہیں آیا تھا کہ معمولی سا بخار بھی یوں جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ دو دن سے انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہ رہی تھی لیکن نزہت کے ہنگامے کے ڈر سے روحینہ ٹالے جا رہی تھیں۔ زارا کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رات کو اس کے برابر سونے والی، صبح کو اس سے اتنی دور جا چکی ہوں گی۔ شدید صدمے نے اس کے آنسو تک منجمد کر دیے تھے۔

جبکہ ثمینہ پہ تو دہرا غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ ناگزیر وجوہات کی بناء پہ وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے سے فون پہ رابطہ کرتی تھیں لیکن کبھی روحینہ نے اپنے حالات ثمینہ پہ افشا نہ ہونے دیے تھے بلکہ ان کے پوچھنے پہ بھی ٹال ہی دیا کرتی تھیں کہ اب ان کے گھر والے بہت سدھر گئے تھے۔ پر آج اس گھر کے مکین اور ان کا زارا کے ساتھ رویہ دیکھ کر ثمینہ جیسے جلتے الاؤ میں آ کھڑی ہوئی تھیں، یہ سوچ ہی ان کا دل پارہ پارہ کیے دے رہی تھی کہ ان کی پھولوں جیسی نازک بہن ان متقی القلب لوگوں میں ساری زندگی گزارتی رہی اور لب سے شکوہ تک نہ کیا۔ انہوں نے خود سے چمٹی ہولے ہولے لرزتی زارا کے سر پہ چہرہ ٹکایا تو ان کے کتنے ہی آنسو اس کے بالوں میں جذب ہوئے تھے۔

☆☆☆

وہ کچھ فائلز اسٹڈی کر رہا تھا جب ثمینہ ناک کر کے اندر داخل ہوئیں، میران نے انہیں دیکھا جو ایک ہی دن میں صدیوں کی بیمار لگ رہی تھیں، وہ فکرمند سا ان کی طرف بڑھا

''امی مجھے بلا لیتیں، آپ کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

''دل گھبرا رہا تھا، سوچا تمہارے پاس ہی آ جاؤں۔''

''امی۔ مانا یہ دکھ آپ کے لیے بہت بڑا ہے لیکن.....قضائے الٰہی کے آگے تو ہم سب بے بس ہیں نا، آپ اتنا اسٹریس مت لیں پلیز.....ایسی حالت میں، میں آپ کو علینہ کے پاس بھی نہیں جانے دوں گا۔''

''تم کیا جانو میرو۔ میرے دل اور روح پہ کتنا

www.pklibrary.com

بوجھ ہے، جن لوگوں کے بیچ مجھے چند گھنٹے گزارنا محال ہوگیا، میری شہزادی جیسی بہن اور اس کی معصوم بچی نے کیسی زندگی گزاری ہوگی..... سوچتی ہوں تو روح کانپ جاتی ہے کہ یہ زندان میری وجہ سے اس کا نصیب بنا تھا۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھیں جو پریشانی سے ان کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''امی..... امی!!'' اس کے بار بار پکارنے پہ وہ چونکیں۔

''ہوں''

''امی! آپ تو بہت اسٹرانگ ہیں، میں نے کبھی آپ کو اتنا ٹوٹا بکھرا نہیں دیکھا، آپ پلیز خود کو سنبھالیں..... مجھے بتائیں، مجھ سے شیئر کریں، ایسے خاموشی کے خول میں نہ بند رہیں پلیز.....'' وہ حد درجہ پریشان ہو رہا تھا تب ہی ایک کوندا سا ثمینہ کے ذہن میں لپکا تھا اور انہوں نے بڑی بے چینی سے میران کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''میرو میری جان، تم..... زل سے شادی کرلو.....'' انہوں نے بڑی آس سے کہتے میران کی سماعتوں پہ دھماکا کیا تھا، ماں کے ہاتھوں پہ اس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔

''میں مانتی ہوں کہ میں تم سے ممتا کا بہت مہنگا خراج وصول کر رہی ہوں لیکن..... میں بہت مجبور ہوں..... وہ لوگ انتہائی سفاک اور ظالم ہیں، میری بہن نے بے حد سخت زندگی گزاری ہے، وہ اکثر اپنی بیٹی کی طرف سے فکر مند رہتی تھی۔ اور اب جو میں اس گھر کے لوگوں کا زل کے ساتھ رویہ دیکھ کے آئی ہوں، روحینہ کی تو روح بھی بیٹی کے لیے تڑپتی رہے گی۔'' وہ بولتے بولتے رونے لگیں تو میران انہیں بے بسی سے دیکھ کے رہ گیا۔ وہ ماں کو کیا بتاتا وہ تو خود مریضِ عشق تھا، کسی کے لیے کیا مرہم بنتا۔

''لیکن امی، کبھی آپ نے ہمیں خالہ کے بارے میں بتایا کیوں نہیں؟ ایک ہی آپ کی بہن تھیں اور ہم ان سے کبھی ملے بھی نہیں..... ان فیکٹ ہم تو ننھیال کے نام پہ کسی سے بھی واقف نہیں۔'' میران نے انجانے میں ہی ماں کے پرانے زخموں کو ہرا کر دیا تھا، وہ اذیت سے لب دانتوں میں بھینچ گئیں۔

''بس بیٹا، پرانی رنجشوں نے ہمارے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں ورنہ تمہاری پیدائش پہ جتنی خوشی تمہاری خالہ نے منائی تھی، تم سنو تو حیران رہ جاؤ، تمہیں گودوں میں اٹھائے پھرتی تھی، رات رات بھر تمہارے ساتھ جاگتی.....'' وہ بولتے بولتے ماضی کے کواڑ کھول بیٹھیں۔ ''بس پھر غم کی آندھی نے سب کچھ برباد کر ڈالا۔'' ایک آہ ان کے لبوں پہ ابھر کے ٹھہری گئی۔

میران نے ان کے آنسو پونچھے تو وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''تم نے..... جواب نہیں دیا میرو..... تم اپناؤ گے زل کو؟''

''امی۔ آپ اسے کسی اور طرح سپورٹ کر دیجیے گا، یہاں لے آئیں یا ہاسٹل میں ایڈمیشن کروادیں، میں سارا خرچ اٹھاؤں گا لیکن شادی..... میں ابھی ذہنی طور پہ تیار نہیں ہوں۔'' وہ سر جھکائے دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔ ثمینہ مایوس سی ہوگئیں۔

''تین دن بعد مجھے علینہ کے پاس جانا ہے، وہاں جانے کتنا ٹائم لگ جائے تب تک تو..... وہ بھی نہیں بچے گی، مرجائے گی اس کالے پانی کی قید میں۔'' وہ گویا بالکل ہی ڈھے گئی تھیں، سر پہ ہاتھ رکھے رونے لگی تھیں۔

میران کے لیے ماں سے بڑھ کے کوئی نہ تھا، چند صبر آزما لمحوں میں اپنے دل کو روندتے ہوئے اس نے ایک انتہائی مشکل فیصلہ کیا تھا۔

''ٹھیک ہے امی..... میں تیار ہوں۔'' اس کے بے جان تھکے ہارے الفاظ نے ثمینہ میں نئی روح پھونک دی تھی۔ انہوں نے بے یقینی سی میران کو دیکھا اور اسے اپنے سینے سے لگا کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

"یہ میں کیا سن رہا ہوں نزہت؟"

باقر علی کے پوچھنے پہ وہ تیکھے چتونوں سے انہیں گھورتے ہوئے کمالِ بے نیازی سے بولیں۔

"آپ کے کان ہیں، مجھے کیا پتا کیا کیا سنتے رہتے ہو۔"

ان کے انجان بننے پہ باقر علی نے جھنجلا کے کہا۔

"زارا اکبر کے بچپن کی منگ ہے، اسے کیسے ہم کسی اور سے بیاہ دیں؟"

"ارے ہٹو جی، اس نحوست کی پوٹلی کے عوض اس کی امیر خالہ ہمیں اتنا پیسہ دے رہی ہے کہ کبھی خواب میں بھی سوچا نہ ہوگا۔" نزہت کے کمینگی سے کہنے پہ باقر کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"مطلب..... تم نے.....؟"

"مطلب وطلب چھوڑو جی، اور بیٹھ کے مزے کرنے کی عادت ڈال لو، وہ اکبر بھی ناکام عاشقوں کی طرح منہ لپیٹے پڑا ہے، اس کے بھی کان کھینچ کے سیدھے کرتی ہوں..... ارے انسان سودا وہ کرے جس میں نفع ہی نفع ہو، ان اس منحوس سے جان بھی چھوٹی اور بنا ہاتھ ہلائے لاکھوں کے مالک بن بیٹھے ہم۔"

☆☆☆

ملک وجاہت حسین جدی پشتی رئیس اور بالا کوٹ کے جانے مانے زمیندار تھے، ان کی دو ہی اولادیں تھیں۔ میران اور علینہ۔ شادی کے فقط تین سال بعد جب میران دو اور علینہ ایک سال کی تھی، ملک وجاہت کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی ایک ہی بہن قمر النساء پڑوسی گاؤں کے چودھریوں کے ہاں بیاہ کے گئی تھیں۔

ثمینہ نے بھری جوانی میں بیوہ ہونے کے باوجود دوسری شادی نہ کی اور ساری زندگی بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دی۔ بچے ذرا سمجھ دار ہوئے تو حویلی کو چند قابلِ بھروسا ملازمین کے حوالے کر کے وہ اسلام آباد چلی آئیں تاکہ بچوں کی تعلیم بہترین اداروں سے جاری رکھ سکیں۔

قمر النساء نے آبائی حویلی کے یوں ویران ہو جانے پہ خوب ہی برا مانا لیکن یہاں ثمینہ نے اپنی اولاد کی بھلائی کی خاطر ان کی کڑوی کسیلی بھی صبر و تحمل سے برداشت کر لی۔ نتیجتاً قمر النساء اپنے شوہر کے ساتھ حویلی میں آ کے رہنے لگی تھیں۔ ان کی ایک ہی بیٹی وانیہ تھی جو علینہ سے تین سال چھوٹی تھی۔

وقت کا منہ زور گھوڑا اونچے نیچے ان دیکھے راستوں کی پروا کیے بغیر سرپٹ بھاگتا رہا، بچے جوان ہو گئے تھے، علینہ کی شادی اس کی دوست کے بھائی سے ہو گئی تھی اور وہ دبئی میں سیٹل تھی۔ میران ایگریکلچر انجینئرنگ میں ماسٹرز کر کے اب اپنا کاروبار سنبھال رہا تھا۔ قمر النساء کئی بار ثمینہ سے میران اور وانیہ کے رشتے کا واضح عندیہ دے چکی تھیں جسے ثمینہ ہر بار کسی بہانے سے ٹال جاتیں۔

ادھر حویلی میں قمر النساء نے کہرام مچایا ہوا تھا۔ بس نہ چلتا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دیں۔ وانیہ نے رو رو کے آسمان سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔

"امی! میں کچھ کھا کے مر جاؤں گی، میں میران کو کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ چیزیں اٹھا اٹھا کے پھینک رہی تھی۔

قمر النساء کچھ دیر تو پیار سے اسے سمجھاتی رہیں لیکن وہ تو جیسے اپنے آپے میں ہی نہیں تھی مجبوراً انہوں نے اسے ایک زوردار تماچا رسید کیا تو وہ یک بیک چپ ہو کے گال پہ ہاتھ رکھے پتھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔

"ہوش کرو، کیوں اپنا تماشا بنوانا چاہتی ہو، جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا نا، ثمینہ نے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے ڈالے بڑی گہری چال چلی ہے۔"

"کیسی ماں ہیں آپ، آپ کی بیٹی کے حق پہ کسی نے ڈاکا ڈال دیا اور آپ اطمینان سے بیٹھی ہیں؟"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ میں چین سے

www.pklibrary.com

بیٹھوں گی....." ان کے لہجے میں سرد سی آنچ تھی۔"
ثمینہ نے بہن کی موت اور گم وقت کو آڑ بنا کے جیسے بالا ہی بالا سارے فیصلے کر کے میران کو ہم سے چھینا ہے نا، ایسا کاری وار کروں گی کہ جب تک زندہ ہے تڑپتی رہے گی، بڑے چاؤ سے بھانجی بیاہ کے لا رہی ہے نا، اسے میران کی بیاہتا بننے دیا تو میرا نام نہیں۔"
آتشیں لب ولہجہ ان کے اندر پلتے جوار بھاٹے کی عکاسی کر رہا تھا۔

☆☆☆

"ملک میران وجاہت! آپ کو زارا وقار علی ولد وقار علی سکہ رائج الوقت پانچ لاکھ مہر کے عوض قبول ہیں؟" قاضی صاحب کے پوچھنے پہ وہ بری طرح چونکا تھا۔
"یہ نام!!"
اس نے بے اختیار ساتھ کھڑی ماں کو دیکھا، انہوں نے اس کے کندھے پہ دباؤ ڈال کے فقط سر اثبات میں ہلایا تھا۔
وہ بجھے دل سے سر ہلا گیا اور پھر ایجاب وقبول کب ہوا، کس نے مبارک باد دی، اسے کوئی سروکار ہی نہ تھا، وہ اتنے دنوں سے جن دریچوں سے نظریں چرائے ہوئے تھا، اس نام کی پکار پہ ایک جھٹکے سے یادوں کا ریلا انہیں پھلانگ کے دل کی وادی کو زیرو زبر کر گیا تھا۔
ثمینہ نے فوراً ہی رخصتی کروالی تھی کہ وقت ان کے پاس بہت کم تھا اور انہیں دلہن کو سسوں کی آبائی حویلی لے جانا تھا جو اسلام آباد سے ڈھائی تین گھنٹے کے فاصلے پہ بالا کوٹ کے قریب ایک گاؤں میں واقع تھی۔
حویلی میں ان کا بڑا شاندار استقبال ہوا تھا۔ قمر النساء نے اتنے کم وقت میں بہترین انتظامات کروائے تھے۔ خود ثمینہ بھی ان کی آؤ بھگت دیکھ کر حیران تھیں۔ ورنہ انہیں یہ توقع تھی کہ نند صاحبہ نکاح میں شریک نہ کرنے پہ خاصی ناراض ہوں گی لیکن وہ تو بڑے شائستہ طریقے سے میزبانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں، وانیہ چپ چپ اور اداس تھی لیکن ان سے اور زمل سے بڑی محبت سے ملی۔
میران کی دل کی تو حالت ہی عجیب تھی۔ دل پہ ایسا سناٹا طاری تھا کہ ماں کے کہنے کے باوجود اس نے سارے راستے بیوی کو مخاطب تو دور کی بات اس کا چہرہ تک دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔ دل جس کا خواہاں تھا، جب وہ نہ ملی تو اب کوئی بھی اور کیسی بھی ہوتی، اسے بس زندگی" گزارنی" تھی۔

☆☆☆

وہ بیٹھا خود کو آنے والے لمحات کے لیے ذہنی قلبی طور پر تیار کر رہا تھا۔ ثمینہ زمل کو دلہن کے مخصوص کمرے میں تیار کروا رہی تھیں۔ تب ہی قمر النساء میران کے کمرے میں داخل ہوئیں۔
میران نے انہیں احترام سے صوفے پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔
"اب تک انابی نظر نہیں آئیں پھوپھی بیگم؟"
میران نے حویلی کی سب سے پرانی ملازمہ کے بارے میں پوچھا۔
نوری بی بی پندرہ سال کی عمر میں اس حویلی میں آئی تھیں، یہیں رہیں۔ پھر ان کی شادی ہوئی لیکن بدقسمتی سے شادی کے پانچ سال بعد ہی بیوہ ہو کے واپس یہیں آ گئی تھیں۔ انہوں نے ملک وجاہت کو گودوں میں کھلایا تھا اور انہیں گھر کے ایک بزرگ کی سی حیثیت حاصل تھی۔ میران میں تو جیسے ان کی جان تھی اور وہ بھی ان سے بے حد والہانہ محبت رکھتا تھا۔ جب ہی اپنی شادی کے موقع پر ان کی غیر موجودگی پہ حیران ہو رہا تھا۔
"ہاں وہ ان کی کوئی بھانجی وغیرہ دو گاؤں چھوڑ کے رہتی ہے، اس کے پاس گئی ہوئی ہیں..... اس عمر میں بھی انہیں چین نہیں ہے۔" وہ منہ بنا کے بولیں تو میران دھیرے سے مسکرا دیا۔
"تم بتاؤ بیٹا، خوش تو ہو؟ انہوں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔" خیر خوش کیوں نہ ہو گے، یقیناً تمہاری رضامندی سے ہی ثمینہ نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہو گا

www.pklibrary.com

ورنہ اس خاندان کی لڑکی کو اس حویلی کی بہو بنانا.....
ہا.....'' وہ ایک دکھ بھری سانس لے کے بولیں تو میران الجھ سا گیا۔

''اس خاندان کی لڑکی سے کیا مطلب پھوپھی بیگم؟'' وہ پوچھ بیٹھا تو وہ نظر چرا گئیں۔

''چھوڑو بیٹا، اب اگر تم نے سب معاف کر کے ان لوگوں سے ایسا اٹوٹ تعلق جوڑ ہی لیا ہے تو اب میں کچھ کہہ کے بری نہیں بننا چاہتی۔'' وہ اٹھنے لگیں تو میران نے انہیں روکا۔

''پلیز پھوپھی بیگم۔ مجھے صاف صاف بتائیں، میں زمل کو پہلے سے نہیں جانتا تھا، لیکن آپ کی باتوں سے لگ رہا ہے جیسے آپ کچھ چھپا رہی ہیں، یہ کیا ماجرا ہے؟'' وہ واقعی انجان تھا جبکہ قمر النساء نے دونوں ہاتھ گالوں پہ رکھ لیے تھے۔

''ہائے ثمینہ نے یہ کیا ظلم ڈھایا۔ اتنا بڑا فیصلہ تمہیں اندھیرے میں رکھ کے تو نہ کرتی۔ جب ہی میں حیران تھی کہ تمہارے اندر کے غیور ملک خون کو کیا ہو گیا کہ اپنے باپ کے قاتلوں سے ساری زندگی کا ناتا جوڑ بیٹھے۔''

میران کے حواس پہ جیسے کوئی بم پھٹا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے گیا جواب چہکوں پہکوں رونے میں مصروف تھیں۔

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' میران کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی۔

''تم نے سوچا نہیں کہ یہ کون سی خالہ تھی جو اچانک ہی نمودار ہو گئی، تمہارے ننھیالی انتہائی چالاک اور لالچی لوگ تھے۔ یہ ہمیں وجاہت کی شادی کے بعد معلوم ہوا، لیکن ہم نے بھائی کی خوشی کی خاطر سب برداشت کیا کیونکہ ثمینہ عادتاً و فطرتاً ان سب سے بالکل مختلف تھی۔ لیکن وجاہت نے ثمینہ کو ان لوگوں سے کوئی بھی تعلق رکھنے پہ پابندی لگا دی تھی کیونکہ وہ ثمینہ کی سادہ لوحی کا فائدہ اٹھا کے اس سے پیسہ اینٹھتے تھے، ان سب کا رہن سہن تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی آئے ہو نا.....'' انہوں نے اسے تائیدی نظروں سے دیکھا جو ساکت بیٹھا سب سن رہا تھا۔

''ثمینہ چھپ چھپ کے ان سے ملتی رہی، ایک دن وجاہت نے اس کا پیچھا کیا اور وہاں پہنچا تو پتا چلا اس کی چھوٹی بہن روحینہ کی شادی کے معاملات چل رہے تھے..... میرا بھلا مانس بھائی ان کی ساری چالاکیاں معاف کر کے بیوی کو بہن کی شادی میں شرکت کی اجازت دے بیٹھا..... شادی سے چند دن قبل سارے گھر والوں کی غیر موجودگی میں وجاہت نے روحینہ کو اس کے ہونے والے شوہر کے ساتھ..... اکیلے میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا..... بجائے وہ دونوں اپنے گناہ پہ شرمندہ ہوتے، بدنامی کے ڈر سے اس بدبخت نے میرے وجاہت کو مار ڈالا..... تب بھی ثمینہ ایسے ہی بنا کچھ بتائے میرے گبرو بھائی کا جوان لاشہ لیے واپس آئی تھی۔''

انہوں نے دوپٹا منہ پہ ڈال کے ہچکیوں سے رونا شروع کر دیا تھا اور میران کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں اسے یوں بھی اندھیرے میں رکھ سکتی ہیں۔ اور وہ پھوپھی کی باتوں پہ شک کرتا بھی کیوں جبکہ ساری گتھیاں سلجھتی جا رہی تھیں۔ کیوں بھی اس کے سامنے ننھیال کا کبھی ذکر نہیں ہوا، کیوں ثمینہ نے اتنی آناً فاناً شادی کروائی تاکہ میران ان تمام بھیانک حقیقتوں سے انجان رہے۔ ایسے بنا ملے ہی اس لڑکی سے جو اس کی بیوی بنا دی گئی تھی، سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

اسے اپنی ماں سے صرف یہ شکایت تھی کہ انہوں نے اس سے اتنی بڑی حقیقت چھپائے رکھی، وہ تو بچپن سے یہ ہی جانتا تھا کہ اس کے بابا کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تھا۔ وہ بپھر کے اٹھا تو پھوپھی بیگم نے اسے روکا۔

''کہاں جا رہے ہو بیٹا؟''

''انجانے میں کی گئی غلطی کا سدِ باب کرنے، اس لڑکی کو ابھی کے ابھی فارغ کر کے امی سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اندھیرے میں کیوں

www.pklibrary.com

رکھا؟'' وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

''بیٹا! ہوش سے کام لو، تمہاری ماں ابھی بہن کے غم سے نڈھال ہے، کل اسے بیٹی کے پاس جانا ہے، اور پھر جب اسے معلوم ہوگا کہ تم سب جان چکے ہو تو وہ مجھ سے بدگمان ہو جائے گی۔ میں تو آج تک لب سے بیٹھی تھی لیکن اس بدقماش قاتل کی لڑکی کو یہاں راج کرتا دیکھنے کا سوچ کے اپنے بھائی کی خون میں لت پت لاش آنکھوں میں گھومنے لگی ہے۔''

وہ بھرائے لہجے میں بولیں تب ہی ملازمہ نے میران کو پیغام دیا کہ ثمینہ اسے دلہن کے کمرے میں بلوا رہی ہیں۔ وہ دانت پہ دانت جمائے برفیلے تاثرات لیے باہر نکلا تو ایک شاطر فاتحانہ مسکراہٹ قمر النساء کے ہونٹوں پہ آ کے ٹھہر گئی۔

☆☆☆

ثمینہ اسے کمرے کے باہر ہی مل گئی تھیں، ان کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھ کے میران نے بڑی مشکل سے خود کو کسی باز پرس سے روکے رکھا تھا، ثمینہ نے اسے منہ دکھائی کے لیے کنگن دیے کہ وہ زمل کو پہنا دے، میران ان سے کیس لے کے کمرے میں داخل ہوا۔ دروازہ بند کر کے پلٹا تو نظر بیڈ کے وسط میں گھونگٹ نکالے بیٹھی زمل پہ گئی۔

غیض و غضب کی ایک لہر اٹھی تھی کنگن کا کیس سائیڈ پہ پھینک کے وہ طیش میں تیزی سے آگے بڑھا دوپٹا زمل کے سر سے کھینچا۔ دوپٹا کئی پنوں کے ذریعے بالوں پہ ٹکا تھا اور وہ اس حملے کیلئے قطعی تیار نہ تھی جب ہی ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی اور وہ ہکا بکا سی میران کو دیکھنے لگی جو اس پہ ایک نگاہ ڈالتے ہی پتھر کا ہو گیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار دل نے جس لڑکی کے تا عمر ساتھ کی خواہش کی تھی، وہ آج اس کے نام سے منسلک اس کے سامنے بیٹھی تھی لیکن وہ جس حوالے سے اس سے متعارف ہوئی تھی، میران کے احساسات جھلس سے گئے تھے۔ اسے یاد تھا نکاح ہوتے ہی اس کے پوچھنے پہ ماں نے اسے بتایا تھا۔

''میں نے اس کی پیدائش پہ اس کا نام زمل رکھا تھا لیکن..... ان لوگوں نے ضد کر کے زارا رکھ دیا، تو میں ہمیشہ اسے زمل ہی پکارتی ہوں۔''

''اسے تو زمل نے یونیورسٹی میں یہی بتایا تھا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ جھوٹ اور دھوکے سے اسے سخت نفرت تھی جب ہی سرد لہجے میں زمل سے استفسار کیا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم انگیجڈ ہو؟''

اور زمل تو یونیورسٹی میں ملنے والے نرم خو اور شائستہ سے میران کا یہ یکسر بدلا روپ دیکھ کر پہلے تو ششدر اور اب خوف زدہ سی ہو رہی تھی۔

''وہ..... میرے ابو نے تایا کے بیٹے کے ساتھ میری بات طے کی تھی لیکن خالہ نے.....''

''لیکن جب تمہاری امیر خالہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کا نام لیا تو تم دولت کے لالچ میں باپ کا جوڑا ہوا رشتہ توڑ کر حویلی کی مالکن بننے کے خواب سجائے یہاں چلی آئیں۔'' اس کے تنفر سے کہنے پہ زمل سناٹے میں آ گئی تھی۔

''ایسا بالکل نہیں ہے، آپ..... آپ غلط سمجھ رہے ہیں.....''

''میں تم کو بہت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں لیکن تم نے مجھے بہت غلط سمجھا.....'' وہ غراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو زمل سہمی ہوئی ہرنی کی طرح ہولے ہولے لرزنے لگی تھی۔

''وقت کی کمی نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں، اگر امی کو کل ہی نہ جانا ہوتا تو ابھی اسی وقت تم کو فارغ کر کے تمہاری اوقات یاد دلا دیتا کیونکہ ملک میران وجاہت کبھی جھوٹا نہیں کھایا کرتا۔''

وہ اس پہ ایک حقارت بھری نظر ڈال کے کمرے سے باہر چلا گیا اور زمل..... وہ ایک ٹک بیٹھی اپنی ہتھیلیوں کو تکے جا رہی تھی جن کی لکیروں میں جانے ابھی اس کے لیے اور کتنے امتحان رقم تھے۔

زندگی اب کہ میرا نام نہ شامل کرنا

www.pklibrary.com

گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہوگا

☆☆☆

اگلی شام ثمینہ کی روانگی تھی۔ میران ان کو اسلام آباد ائرپورٹ تک چھوڑنے جانے والا تھا۔

"میرو، زمل کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں، مجھے سی آف کر کے تم دونوں گھومنے پھرنے نکل جانا۔"

وہ ناشتا کرتے ہوئے میران سے بولیں تو وہ سنجیدگی سے نفی میں سر ہلا گیا۔

"ابھی نہیں امی، آج کل موسم صحیح نہیں ہے، جگہ جگہ لینڈ سلائیڈنگ اور پل ٹوٹ رہے ہیں۔"

"تو پھر اس کو اپنے ساتھ گھر لے جانا۔"

میران کی تیوریوں پہ بل نمودار ہوئے لیکن اس سے پہلے ہی قمر النساء بول پڑیں۔

"ثمینہ! کیوں ایک دن کی بیاہی دلہن کو یوں اکیلے گھر میں بھیج رہی ہو۔ اللہ رکھے اتنی بڑی حویلی ہے یہاں رہے آرام سے، ابھی بچی ماں کے غم سے نڈھال بھی ہوگی، اچھا ہے سب کے ساتھ رہے..... میرو تم ماں کو بھیج کے واپس یہیں آجانا۔"

ثمینہ قمر النساء کی فطرت سے واقف تھیں، ان کی اس قدر اچھائی پہ بھی وہ کھٹکی ہوئی تھیں جب ہی تذبذب سے بولیں

"آپا بیگم! شہر کی بچی ہے، یہاں گاؤں میں مشکل نہ ہو اسے، میرو تم....."

"پھوپھی بیگم کی بات درست ہے امی، ابھی ہم یہیں رک جاتے ہیں۔"

اس نے دوٹوک لہجے میں کہہ کے بات ہی ختم کر دی، ثمینہ چپ سی ہو گئیں۔

وہ جانتی تھیں میران ابھی شادی کے لیے تیار نہ تھا اور صرف ان کے کہنے پہ رضامند ہوا تھا جب ہی اس کے گریز اور خاموشی کو جائز سمجھ رہی تھیں۔ نہیں جانتی تھیں کہ انجانے میں ہی سہی وہ زمل کو ایک قید خانے سے نکال کے دوسری انتقام گاہ میں چھوڑ کے جا رہی تھیں۔

شام کی فلائٹ سے ثمینہ دبئی چلی گئی تھیں۔

واپسی کے لیے ڈرائیو کرتا میران شدید ذہنی خلفشار کا شکار تھا۔

جب کوئی انسان ایک ہی ہستی سے بیک وقت بے انتہا محبت اور شدید ترین نفرت کرتا ہے تو سب سے زیادہ اذیت خود اس انسان کے حصے میں آتی ہے۔ ایک پل کو یہ احساس اسے سرور آگیں لگتا کہ اس کی اولین چاہت زمل اب اس کی ہے لیکن اگلے ہی لمحے گلاب کے ساتھ کانٹوں کی مانند اس کا لالچ، جھوٹ، فریب اور سب سے بڑھ کر اس کے باپ کا جوالہ اسے بری طرح چبھنے لگتا۔ وہ اپنے اندر اتنی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ سانس لینا بھی محال لگ رہا تھا۔

حویلی پہنچنے میں ابھی گھنٹہ باقی تھا جب ایبٹ آباد کے مقام پہ لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے گاڑیوں کے طویل ہجوم میں پھنس کے رہ گیا۔ غصے اور جھنجلاہٹ سے وہ اسٹیئرنگ پہ مکا مار کے رہ گیا۔

رینگ رینگ کے ٹریفک رواں ہوئی لیکن آگے کا راستہ بالکل بند تھا اور اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی اسے کلیر ہونے میں دو تین دن تو لگ ہی جانے تھے۔ میران نے فوری ایک فیصلہ کیا اور قریبی ہوٹل میں چلا آیا۔ اور ہوٹل پہنچ کر پہلے پھوپھی کو اطلاع دی کہ راستہ بند ہونے کی وجہ سے وہ واپس اسلام آباد جا رہا ہے۔

"بیٹا! لیکن تمہاری بیوی تو یہاں اکیلی ہے، اس کا کیا ہوگا۔" انہوں نے لہجے میں فکر بھر کے کہا تو وہ لاتعلق انداز میں بولا۔

"میرا اس سے نہ کوئی تعلق ہے نہ ایک ٹکے کی پروا، امی کے اصرار پہ وہ یہاں آئی ہے، وہ ہی آ کے اس کا فیصلہ کریں گی، آپ بھی اسے کسی فالتو سامان کی طرح حویلی میں پڑے رہنے دیں۔ اس کا خرچا میں آپ کو بھیجتا رہوں گا لیکن فی الحال میرا حویلی آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس کی بات کے اختتام تک قمر النساء کی آنکھوں میں ایسی چمک ابھر آئی تھی جیسے بھیڑیے کی

www.pklibrary.com

نگاہ کسی تنہا معصوم بھیڑ پہ پڑ گئی ہو۔

☆☆☆

انابی میران اور ثمینہ کی روانگی کے ایک گھنٹے بعد ہی آ گئی تھیں۔ زمل ان کو پہلی نظر میں ہی بے حد پسند آئی تھی۔

"جگ جگ جیئیں دلہن بی بی، میں انابی ہوں آپ کے صاحب کی۔" وہ پوپلے منہ سے مسکرا کے بولیں تو مسکرانے کی کوشش میں زمل کے ہونٹوں نے ذرا سی حرکت کی۔

"آپ کی امی کا سن کے مجھے حقیقتاً افسوس ہوا، بڑی بھلی مانس تھی۔"

ماں کی یاد پہ زمل کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ میری امی کو جانتی ہیں؟"

"بالکل، آپ کی خالہ جب بیاہ کے آئیں تو میں یہیں ہوتی تھی، اور اسی طرح آپ کی امی سے ملاقات ہوئی، دونوں بہنیں مجھے اپنی ماں کی طرح عزت دیتی تھیں۔"

وہ اسے پرانی باتیں بتانے لگیں تو زمل کو انابی کا سہارا اس اجنبی اور خوف ناک ماحول میں بہت غنیمت لگا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی آئندہ زندگی کس کروٹ بیٹھنے والی تھی۔ ثمینہ نے جاتے جاتے اسے بتایا تھا کہ ان کے آنے تک وہ یہیں رہے گی، اس نے بھی یہ سوچ کے کچھ نہ کہا کہ اگر یہاں رہنے سے انکار کرے تو جائے کہاں وہ چپ چاپ سر جھکائے سب سوچ رہی تھی جب انابی نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ چونکی۔

"جی....."

"میں پوچھ رہی تھی دلہن بی، کہ میرو بابا کب تک آئیں گے؟"

"جی۔ وہ..... پتا نہیں....." تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھول کے قمر النساء اندر آئیں تو وہ دونوں ہی چونک گئیں۔

"چلو بی بی! یہ کمرا خالی کرو اور اوپری منزل پہ جو کونے سے چوتھا کمرا ہے وہاں اپنا بوریا بستر لگاؤ۔"

حقارت بھرے انداز میں وہ زمل کو حکم دے رہی تھیں، وہ بنا ایک لفظ بولے نا سمجھی سے انہیں دیکھے گئی جبکہ انابی پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"ملکانی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ اس گھر کی بہو ہیں اور آپ انہیں نوکروں والے کمرے میں بھیج رہی ہیں؟"

"انابی! ہم اس حویلی کے کرتا دھرتا ہیں اور آپ کو بھی اپنا مقام پتا ہے سو آپ اس معاملے سے دور ہی رہیں تو اچھا ہے۔" انہوں نے ایک ہی جملے میں انابی کو ان کی حیثیت یاد دلا دی تو وہ چپ سی ہو کے سر جھکا گئیں۔

"اور تم!" ان کا مخاطب زمل تھی "اس حویلی میں ہُد حراموں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، یہ شہزادیوں کا چولا اتارو اور اپنی اوقات پہ واپس آ جاؤ، نوری تمہیں سمجھا دے گی کہ تمہیں کس کس وقت کیا کیا کام کرنے ہوں گے۔"

انہوں نے حویلی کی ملازمین کی سپروائزر کا نام لیا تو زمل بنا کوئی احتجاج کیے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دلہن بی!!" انابی نے بے چینی سے پکارا تو قمر النساء نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"انابی اپنی زندگی گزار لی، وہ مثل نہیں سنی کہ دلہن وہی جو پیا من بھائے۔"

ان کے تضحیک سے کہنے پہ زمل کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکنے لگا، ایسے لگا تھا کہ بات صرف اس کے اور میران کے بیچ تھی لیکن اب اندازہ ہو رہا تھا کہ پھوپھی بیگم بھی سب جانتی تھیں اور یقیناً میران کے ایما پہ ہی یہ سب ہو رہا تھا۔

انابی تو اب حیرت کے مارے کچھ بول بھی نہیں پا رہی تھیں، قمر النساء حکم صادر کر کے تن فن کرتے ہوئے باہر نکل گئیں تو زمل اپنا سامان اپنے ساتھ لائے سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

"یہ..... یہ سب کیا ہے دلہن بی بی؟" انابی کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی

www.pklibrary.com

''زندگی کا ایک اور امتحان'' وہ تلخی سے مسکرائی ''آپ اتنی پریشان نہ ہوں، مجھے ذلت اور نفرت کی اتنی عادت ہے کہ دو تین دن سے ملنے والی عزت اور محبت پہ میں خود بھی بے یقین تھی۔ عمر بھر ملنے والی اذیتوں اور طعنوں نے مجھے اندر سے اتنا فولاد بنا دیا ہے کہ لوگوں کے تحقیر بھرے تیر اب اتنی بھی چبھن نہیں دیتے۔'' وہ دھیرے دھیرے کہتی اپنا سامان سمیٹ چکی تھی۔ انابی ہنوز انگشت بدنداں بیٹھی تھیں۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں
کہ کاش میں غائب ہو سکتی
اس دنیا سے ان لوگوں سے
اس دنیا کے سب دھوکوں سے
آزاد فضا میں گھومنے والے
ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے
وہ جھونکے جن کو چھونے کی
کچھ خواہش میرے دل میں تھی
ان آنکھوں کے نیچے نیچے
آنسو کے بہتے قطروں سے
اے کاش میں غائب ہو سکتی
ان سرد سی گہری نظروں سے

☆☆☆

ثمینہ نے دبئی پہنچ کے کال پہ آپا بیگم کو خیریت بتائی اور میران کا پوچھا تو انہوں نے آدھی بات بتائی کہ وہ لینڈ سلائیڈنگ میں پھنسنے کی وجہ سے اب تک واپس نہیں پہنچا ہے اور نیٹ ورک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے ہی ثمینہ سے اس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے۔

ثمینہ یہی سمجھیں کہ وہ راستہ کھلتے ہی حویلی آجائے گا۔ انہوں نے زمل سے بھی بات کی، اس کی خیریت پوچھی اور اسے تاکید کی کہ میران جب شہر جائے تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی جائے۔ وہ ہوں ہاں میں ہی جواب دے رہی تھی کہ قمر النساء تو سر پہ ہی سوار تھیں۔ زمل ان کو یہ تک نہ بتا سکی کہ اس کا موبائل فون بھی اب قمر النساء کے قبضے میں تھا اور وہ اس پہ آنے جانے والی ہر کال سے باخبر تھیں۔

دو دن بعد ہی دبئی میں علینہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور اسے ایمرجنسی میں آپریٹ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ رہا تھا، ابھی اس کو نواں مہینہ بھی نہ لگا تھا، ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بچے یا ماں میں سے کسی ایک کو بچا سکیں گے۔ علینہ کے شوہر حمزہ اور ثمینہ کے پیروں تلے حقیقتاً زمین کھسک رہی تھی، قیامت خیز گھڑیاں تھیں جن سے گزر کے علینہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا لیکن اس کے بعد سے ماں اور بچہ دونوں ہی آئی سی یو میں تھے۔

ثمینہ تو دنیا و مافیہا سے بے خبر بس ہاسپٹل کی ہی ہو کے رہ گئی تھیں۔ اسی فکر میں انہوں نے کئی دن تک پلٹ کے زمل کی خبر بھی نہیں لی تھی اور پھر ان کو یہ اطمینان بھی تھا کہ میران تو حویلی پہنچ ہی گیا ہوگا۔ جبکہ میران اسلام آباد واپس آکے اس شادی کو ایک بھیانک خواب سمجھ کے بھلانے کی پوری کوشش میں لگا تھا۔

سو ادھر قمر النساء کو کھل کے کھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔ چن چن کے سارے مشکل اور مشقت طلب کام زمل کے ذمے لگائے تھے، منہ اندھیرے جانوروں کا چارہ پانی، دودھ دوہنے سے لے کر اناج کی صفائی کروا کے رکھوانا سب اسی کو کرنا تھا اور وہ بھی جانے خود اذیتی کی کون سی منزل پہ تھی کہ ان تمام کاموں سے یکسر نابلد ہونے کے باوجود بلا چوں چرا ہر حکم پہ سر تسلیم خم کیے جاتی۔

انابی ملکوں کے اکلوتے وارث کی بیوی کا یہ حال دیکھ کر کڑھتی رہتیں، کئی بار انہوں نے سوچا کہ ثمینہ کو کال کر کے سب بتا دیں لیکن زمل نے انہیں اپنی قسم دے رکھی تھی کہ ان کے واپس آنے تک ان کو کچھ پتا نہ چلے ورنہ وہ علینہ کی پریشانی میں گھری مزید فکرمند ہو جائیں گی۔ انابی اس نازک جسم اور آہنی حوصلے والی لڑکی کے صبر و ضبط پہ بھی حیران اور کبھی ملول ہونے کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔

بالآخر تین ہفتے کی انتہائی نگہداشت کے بعد علینہ اور اس کا بچہ خطرے سے باہر آگئے تھے۔ سب

www.pklibrary.com

نے ہی سکون کا سانس لیا تھا اور ثمینہ کو فراغت ملتے ہی پہلا خیال زمل کا آیا تھا۔

انہوں نے زمل کو کئی کالز کیں لیکن قمر النساء نظر انداز کرتی رہیں، پھر ایک دن اسے فون پکڑا کے اپنے سامنے بات کرنے کو کہا، وہ نپے تلے انداز میں بات کر رہی تھی پھر بھی ثمینہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا اور جب ان کو پتا چلا کہ میران اکیلا ہی شہر چلا گیا تو انہوں نے بے حد پریشان ہو کے اسے کال ملائی۔

"کیسے ہو میرو؟"

"ٹھیک ہوں امی، آپ، علینہ اور بے بی کیسے ہیں؟" وہ گھر واپسی کے لیے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے وہ دونوں اب خطرے سے باہر ہیں، میرو..... تم شہر اکیلے کیوں آ گئے؟ زمل کو وہاں کیوں چھوڑ دیا؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا تو وہ کوفت سے آنکھیں میچ کے رہ گیا۔

"امی..... آپ کے کہنے پہ میں نے شادی کے لیے ہامی بھر لی تھی لیکن ابھی ذہنی طور سے اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مجھے تھوڑا وقت درکار ہے..... اور آپ تو ایسے پریشان ہو رہی ہیں جیسے وہ کسی جیل میں ہے، بھری پری حویلی ہے، وہ آرام سے ہے وہاں۔"

"بیٹا! تم اللہ رسول کو گواہ بنا کے اسے اپنی ذمہ داری پہ لائے ہو، اس حقیقت سے تم انحراف نہیں کر سکتے نا..... ابھی یہاں سب ہی اس کے لیے اجنبی ہیں، مجھے بھی یہاں آنا پڑ گیا، تم ساتھ ہوتے تو..... اور پھر تم آپا بیگم کا مزاج جانتے ہو نا..... اتنے دن سے میری زمل سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہو سکی ہے، مجھے کچھ بھروسا سا نہیں ہے....."

"بھروسا تو امی، آج کل کسی کا بھی نہیں کر سکتے۔" وہ ان کی بات کاٹ کے ایکدم ہی تلخی سے بولا تو دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ میران کو بھی اپنے لہجے کا اندازہ ہوا تو وہ ہونٹ بھینچ کے رہ گیا۔

"کیا بات ہے میرو؟ تم اس فیصلے کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں اور وہ چاہ کے بھی ان سے سچ نہ کہہ پایا۔

"آئی ایم سوری امی، تھوڑی بزنس کی ٹینشن تھی اسی لیے آپ سے بھی روڈ ہو گیا..... میں ٹھیک ہوں اور..... آپ فکر نہ کریں..... یہاں ایک دو بہت ضروری میٹنگز ہیں، وہ اٹینڈ کر کے گاؤں جاؤں گا۔"

"خوش رہو میری جان، وہاں پہنچ کے میری زمل سے بات ضرور کروانا، ابھی تو ایسا لگتا ہے جیسے ڈرڈر کے بات کر رہی ہے۔"

"جی بہتر، اپنا خیال رکھیے گا، اللہ حافظ۔"

منتشر سوچوں کو یکجا کرنے کی ناکام کوشش کرتے اس نے پوری توجہ ڈرائیونگ پہ مرکوز کر دی۔

"تم اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کے اسے اپنی ذمہ داری بنا کے لائے ہو۔"

ماں کے اس جملے کی بازگشت سے وہ عاجز آ گیا تھا۔ وہ فطرتاً نیک دل انسان تھا اور حقوق العباد کی ادائی ثمینہ نے طبیعت میں کوٹ کوٹ کے بھر دی تھی لیکن یہاں معاملہ ایسا تھا کہ اس کی ساری نرم خوئی پہ پچھلے سیسے کی تہہ جم گئی تھی۔ لیکن ثمینہ کی اس یاددہانی نے اسے گویا جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ مجبوراً گویا کسی ان دیکھی ڈور سے بندھا بالآخر شادی کے تین ہفتے بعد گاؤں واپس پہنچا تھا۔

اسے حویلی آئے تین دن ہو چکے تھے۔ ہر طرح سے اس کی خاطر مدارات کی جا رہی تھی لیکن زمل کی اسے جھلک بھی دیکھنے کو نہیں ملی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی ذکر ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نام کا کوئی فرد اس حویلی میں رہتا ہی نہیں ہے۔ وانیہ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ لگے رہنے کی کوشش کرتی، میران لحاظ میں چپ رہتا ورنہ اسے وانیہ کا خود پہ یوں حق جمانا قطعاً ناپسند تھا اور وہ دبے دبے الفاظ میں اس کا اظہار بھی کر چکا تھا لیکن وانیہ کو ماں کی پوری شہ حاصل تھی اور وہ نسوانی وقار کی تذلیل پہ کمر بستہ میران پہ پروانہ وار منڈلاتی رہتی۔

انابی پڑوس کے گاؤں میں ایک بزرگ کے

www.pklibrary.com

عرس میں گئی ہوئی تھیں، واپس آ کے میران کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئیں۔ وہ بھی بے حد احترام سے ان کو بازوؤں کے حلقے میں لے کے حال احوال پوچھنے لگا۔

''میں تو ٹھیک ہوں میرو بابا لیکن......''

''لیکن...... لیکن کیا اماں بی؟'' وہ ان کے رکنے پہ پوچھنے لگا تو وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رازداری سے بولیں۔

''اچھا ہوا آپ آ گئے، ملکانی نے چھوٹی دلہن کے ساتھ بہت ناروا سلوک روا رکھا ہوا ہے، ہمیں تو دیکھ دیکھ کے وحشت ہوتی ہے، آپ اور بڑی دلہن نے بھی پلٹ کے خبر نہ لی کہ وہ بے چاری کس حال میں ہیں، جانے وہ کون سی دشمنی......''

وہ سرگوشی میں اسے جلدی جلدی بتا رہی تھیں کہ میران انہیں نرمی سے ٹوک گیا۔

''اسے اس گھر میں لانے کا فیصلہ امی کا تھا، یہ سب انہی کو بتایئے گا، میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اس کے دوٹوک انداز پہ حیرت سے پہلے ان کا منہ کھلا، پھر بند ہوا اور پھر ایک سرد آہ بھر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی بہتر۔'' کہہ کے وہ کمرے سے نکل گئیں اور پیچھے میران لایعنی سوچوں کے بھنور میں تنہا ڈوبتا رہ گیا تھا۔

مجھ کو کس جرم میں اتار دیا
کارزار حیات میں تنہا
پائماں دشمنوں کی زد میں ہوں
دہر کے سومنات میں تنہا
آپ اپنی تلاش ہے مجھ کو
ہوں عجب مشکلات میں تنہا

☆☆☆

وانیہ کو زنل کی صورت میں ایک چلتا پھرتا خطرہ ہمہ وقت منڈلاتا نظر آتا تھا۔ ویسے تو قمر النساء کے ڈرانے دھمکانے پہ وہ فقط اوپری منزل تک ہی محدود تھی پھر بھی وانیہ تقریباً سارا ہی وقت میران کے ساتھ رہتی کہ کہیں اس کی اتفاقاً ہی سہی زنل سے ملاقات نہ ہو جائے۔ نفرت اپنی جگہ لیکن زنل کے مسحور کن ملکوتی حسن نے وانیہ کو شدید احساسِ کمتری اور غیر تحفظ کا شکار بنا دیا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کس طرح زنل کو اس حویلی سے غائب ہی کر دے یا ایسے حالات پیدا کر دے کہ زنل خود ہی تنگ آ کے یہاں سے چلی جائے اور اس چکر میں وہ اسے جسمانی و ذہنی اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔

اس دن بھی زنل کچن میں تھی جب انٹر کام پہ وانیہ نے اسے میران کے کمرے میں دو کپ چائے لانے کا کہا۔ زنل تذبذب کا شکار ہو گئی کہ پھوپھی بیگم نے تو اسے میران کی پرچھائی تک سے دور رہنے کا حکم دیا ہوا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔

''جی اچھا میں ناصرہ کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔''

''میں نے ناصرہ سے نہیں تم سے کہا ہے......''

وانیہ چیخ کے بولی ''لگتا ہے زیادہ ہی ہڈ حرامی کی عادت پڑ گئی ہے تمہیں جو دوسروں کے سر کام تھوپنے لگی ہو...... اچھی سی چائے لے کر آؤ اور ہاں...... دروازہ ناک کر کے اندر آنا ورنہ میرو غصے میں آ جاتے ہیں۔''

زنل نے چپ چاپ اس کا اگلا سارا زہر اپنے اندر انڈیلا اور چائے بنا کے میران کے کمرے کی طرف چل دی۔ شادی کے دن کی بھیانک ملاقات کے بعد آج میران سے سامنا ہونے والا تھا۔ وہ اس گھر میں کس حوالے سے آئی تھی اور آج کس حال حلیے میں اس کے سامنے جا رہی تھی، اسے خود پہ ہی ترس سا آیا تھا۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے میران کے دروازے پہ ناک کیا۔ اندر سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار ناک کیا لیکن جواب ندارد پا کے دروازہ آہستہ سے کھولا کہ کہیں اتنی دیر میں چائے ہی ٹھنڈی نہ ہو جائے، اندر نیم تاریک ماحول میں اسے ایک دو پل تو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ

www.pklibrary.com

اسے وانیہ کی غراتی آواز آئی۔

''یو فول، اسٹوپڈ، کسی کے بیڈ روم میں آنے کے مینرز نہیں پتا تمہیں.....؟''

جبکہ زمل وحشت سے آنکھیں پھاڑے میران کے بیڈ پہ لیٹی چادر میں خود کو سمیٹتی وانیہ کو دیکھ رہی تھی، ٹی وی پہ ایک انتہائی عامیانہ گانا چل رہا تھا اور واش روم سے شاور کی آواز آرہی تھی۔ سارا منظر اسے جو کچھ بتا رہا تھا وہ دیکھ کے بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے بت کی طرح ساکت دیکھ کے گردن تک چادر اوڑھے وانیہ نخوت سے بولی۔

''اب رکھو نرے اور جاؤ یہاں سے۔ اور آئندہ ہمارے روم میں زور سے ناک کر کے آنا۔'' اس نے ہمارے پہ زور دیا تو زمل نے میکانکی انداز میں چائے کی ٹرے ٹیبل پہ رکھی اور الٹے پیروں باہر نکلی۔

دروازہ بند کر کے اس سے ٹیک لگا کے اس نے دو تین گہری سانسیں لیں لیکن اسے لگا اس کا دم گھٹ رہا ہے، اس نے بے اختیار اپنا سینہ مسلا تھا کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا، اندر کا منظر اور اس کا پسِ منظر سوچ کے وہ تیزی سے دور ہٹی جیسے کوئی عفریت دیکھ لیا ہو۔ وہ زاروقطار آنسوؤں سے بھیگتے چہرے کے ساتھ حویلی کی لمبی راہداری میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی جب پوری قوت سے کسی سے ٹکرا کے گرنے کو تھی کہ دو مضبوط ہاتھوں نے اسے تھاما تھا۔

''واٹ دا ہیل؟'' سیڑھیوں سے چڑھ کر اوپر آتا میران اس ٹاکرے پہ بری طرح بھنایا تھا لیکن ٹکرانے والی ہستی اور پھر اس کی دگرگوں حالت پہ ششدر سا رہ گیا تھا۔ ملگجے سے کپڑے، آنسوؤں سے تر چہرہ اور وحشت کا شکار سراپا وجود، وہ ایک پل کو زمل کو پہچان ہی نہ پایا جبکہ وہ آنسوؤں کی دھندلی چادر کے پار میران کو دیکھ کے بے یقین سی ہوئی، ایک خوف زدہ سی نظر مڑ کر دور میران کے کمرے کو پھر اسے دیکھا اور لرزتے کانپتے ہونٹوں سے پوچھا۔

''آپ..... ابھی ابھی آئے ہیں؟'' وہ دمے کے مریض کی طرح رک رک کے بولی، سانس جیسے اس کے سینے میں اٹک رہی تھی۔ اس کو تھامے کھڑے میران کو ایک پل یہ خدشہ لاحق ہوا کہ وہ اس کے بازوؤں میں ہی نہ دم توڑ دے جب ہی جب ہی بلا ارادہ اسے مضبوطی سے تھاما۔

''ہاں، میں ابھی زمینوں سے آرہا ہوں، تم..... تم کو کیا ہوا ہے..... تم ٹھیک ہو؟''

اس پل اسے شدت سے اندازہ ہوا تھا کہ زمل کی نوخیز محبت کی جڑیں اس کے دل میں کتنی دور تک پھیل چکی تھیں۔ باوجود تمام تر نفرت کے وہ اس پل اس کے لیے بے طرح تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا جبکہ اس کے جواب پہ زمل نے خود کو پھر سے زندہ ہوتے محسوس کیا تھا، اسے چند پل لگے تھے خود کو عالم ہوش میں لانے میں، اکھڑی سانسوں کو قابو کرتی اس کے ہونٹوں نے خفیف سی جنبش کی تھی۔

''جی.....'' اور خود کو میران کی گرفت سے چھڑا کر اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف چل دی۔

میران شدید الجھن کا شکار اسے جاتے دیکھ رہا تھا جو گویا خود کو گھسیٹ گھسیٹ کے چل رہی تھی، شکست و ریخت اس کے پورے وجود سے لپٹی تھی۔ وہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ زمل اس وقت اس کی ہمدردی اور توجہ پانے کے لیے کوئی ڈھونگ رچا رہی ہے کیونکہ اس کی حالت ایک لب دم مرگ انسان کی سی تھی۔ وہ ذہن میں کئی سوال لیے فکرمند سا اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔

میران کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تو وانیہ کو یوں استحقاق سے اپنے بستر پہ لیٹے دیکھ کے اس کی تیوریوں پہ بل پڑ گئے تھے جبکہ آدھی پنڈلیوں کی ٹائٹ جینز اور شدید فٹنگ والی چھوٹی سی ٹی شرٹ پہنے وانیہ اسے دیکھ کے کھل سی اٹھی۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز، آج آپ اتنی جلدی گھر آ گئے..... آپ کے دل کو خبر ہو گئی تھی کیا کہ میں آپ کو یاد کر رہی ہوں۔ آیئے نا۔'' وہ بیڈ پہ

www.pklibrary.com

اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کرتی دل ربائی سے بولی تو میران سخت لہجے میں گویا ہوا۔

''میں اپنی چیزوں کے بارے میں بہت کچی ہوں وانیہ، اسی لیے اس روم میں کوئی آتا جاتا نہیں ہے، میری غیر موجودگی میں آئندہ میرے روم میں مت آنا، آئی ڈونٹ لائیک اٹ ایٹ آل۔'' اس کے رکھائی سے کہنے پہ وانیہ کا منہ اتر گیا۔

''اچھا بابا سوری، ناراض تو نہ ہوں۔'' وہ لاڈ سے کہتی اس کے قریب آئی تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''پلیز، میں اس وقت ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ واقعی اس وقت شدید ذہنی ابتری کا شکار تھا، وانیہ اس قدر تذلیل پہ چراغ پا تو ہوئی لیکن بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔

میران اپنا موبائل اور والٹ ٹیبل پہ رکھنے لگا تو وہاں ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے دیکھ کے ٹھٹکا، پرسوچ نظروں سے اس نے دروازے کو دیکھا، کوئی مبہم سا خاکہ تھا جو اس کے ذہن میں بن رہا تھا لیکن وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ فریش ہونے کی غرض سے واش روم میں داخل ہوا تو وہ گیلا تھا۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑے، وہ تو صبح کا نکلا ہوا تھا تو پھر اس کا واش روم کس نے استعمال کیا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو شاور سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا جیسے اسے ابھی ہی بند کیا گیا ہو۔ سوچتے سوچتے ایک دم سے اس کی آنکھیں پوری کھلی تھیں، اس نے تیزی سے باہر آ کے چائے کے کپ کو چھوا جو اب تک گرم تھا، ایک جھٹکے سے اسے وانیہ کی ساری کارروائی سمجھ میں آئی تھی اور طیش سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

''آپ..... ابھی آئے ہیں؟'' نیم جان وجود، کھنڈر آنکھوں اور کپکپاتے لبوں سے پوچھے گئے زمل کے اس سوال کا مطلب اب اس کی سمجھ میں آیا تھا..... وہ غصے سے ایک ہاتھ کا مکا دوسرے پہ مار کے رہ گیا۔ اسے اپنے کردار اور شخصیت پہ بہت ناز تھا، اور اب یہ سوچ کے کہ کمرے کا منظر دیکھ کے زمل نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہوگا اس کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

میران کو اگلے دن واپس جانا تھا لیکن شام سے گھر کر آئے بادلوں نے جو برسنا شروع کیا تو رات ہوتے ہوتے ہر سو جل تھل ہو چکا تھا۔ سردی کی شدت میں بھی خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ میران بری طرح جھنجلایا ہوا تھا، وہ جتنی عجلت میں یہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا، بارش کی من مانی کے باعث اسے اپنا رکنا ناگزیر لگ رہا تھا۔ اسے یہ حویلی اس سے پہلے کبھی اتنی اجنبی اور وحشت ناک نہیں لگی تھی کہ اسے یہاں ایک ایک پل گراں گزر رہا تھا۔

درحقیقت یہ ضمیر کی چبھن تھی جو زمل کی حالت اور حویلی میں اس کا رتبہ دیکھ کر سوا ہو گئی تھی۔ اپنے باپ کے قاتلوں کو وہ تا قیامت معاف نہیں کر سکتا تھا، یہ تو طے تھا لیکن ماں کی تربیت اسے ایک بے بس لڑکی جواب اس کے نام سے منسلک اس کی پناہ میں تھی، سے انتقامی کارروائی پہ آمادہ نہ ہونے دیتی تھی۔ زمل کے بارے میں سوچتا تو اتنی متضاد کیفیات کا شکار ہوتا کہ گھنٹوں وادی دل میں اٹھتی ٹیسوں سے بے حال رہتا۔ ابھی بھی وہ کتنی ہی دیر سے بیٹھک میں بیٹھا بارش کا منظر دیکھ رہا تھا، بے فکر بوندوں کی اٹکھیلیاں جانے کیوں اس کے اندر کے حبس کو ہوا دے رہی تھیں، وہ بیزار سا نکل کے اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

رات کے گیارہ بجے تھے، حویلی اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ اور سناٹے میں بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور بجلی کی لپکتی کوندیں جسم میں پھریری سی دوڑا رہی تھیں، تب ہی میران کو ایک سایہ سا اوپری منزل سے نیچے اترتا نظر آیا۔ وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا کہ شاید کوئی ملازمہ ہوگی لیکن اس ہیولے کے قد کاٹھ اور انداز سے وہ انابی لگ رہی تھیں۔ وہ حیران ہوتا تیزی سے آگے بڑھا کہ وہ اتنی سردی میں اس وقت کمرے سے باہر کیوں تھیں۔ وہ اوپر چڑھا تو

www.pklibrary.com

انابی دھیرے دھیرے چلتی کچن کی طرف جارہی تھیں، وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ان تک پہنچا اور پیچھے سے پکارا

''انابی!''

''جی چھوٹے ملک۔'' انابی نے باقی ملازمین کی طرح اس کے سامنے جھک کے ہاتھ باندھے تو ان کے اندازِ تخاطب پہ وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

''انابی..... یہ آپ مجھے کیسے مخاطب کر رہی ہیں؟ ناراض ہیں کیا مجھ سے؟''

وہ بے قراری سے ان کے ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگا تو انابی کی بوڑھی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ بچپن میں جب بھی وہ اس سے خفگی کا اظہار کرتیں تو بابا کی جگہ ملک کہتیں اور وہ ہر بار ان سے لپٹ کر معافی مانگا کرتا تھا۔ آج برسوں بعد اس نام سے پکارے جانے پہ وہ پھر سے ویسے ہی بے چین ہوا تھا۔

''بتایئے نا انابی، چپ کیوں ہیں؟''

''ہمیں اپنی اوقات کا پتا ہے اور آپ کے مرتبے کا بھی علم ہے جب ہی۔''

''انابی! آپ جانتی ہیں، میں آپ کی ناراضی نہیں سہہ سکتا ہوں'' وہ ان کے سامنے جھکا کسی بچے کی طرح ہی کہہ رہا تھا، انابی کے چہرے پہ اس مان پہ ہلکی سی مسکراہٹ جھلکی۔

''ہم آپ سے ناراض نہیں ہیں۔''

''آپ اس وقت اتنی ٹھنڈ میں باہر کیوں ہیں؟ خدانا خواستہ طبیعت خراب ہوگئی تو۔''

اس کے فکرمندی سے کہنے پہ وہ یاسیت سے بولیں۔

''ہمارا تو چراغِ زندگی ہوا کے ایک تیز جھونکے کا محتاج ہے، فکر تو اس بدنصیب کی ہے جو حویلی والوں کے رحم و کرم پہ ہے۔ تن تنہا ایک کمرے میں ہوش سے بیگانہ پڑے ہوئے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہی ہیں، ہم ابھی اتنے سنگ القلب نہیں ہوئے کہ انہیں اس حالت میں دیکھ کر بھی اپنی راہ لیں، انہی کے لیے قہوہ بنانے جارہے ہیں۔'' وہ دل گرفتی سے کہتے ہوئے مڑنے لگیں تو میران نے انہیں روکا۔

''تو آپ کیوں بے آرام ہورہی ہیں، کسی ملازمہ کو کہہ دیں۔''

''تمام ملازمین پہ ان کا کوئی کام یا کسی بھی قسم کی مدد کرنے کی پابندی ہے۔'' وہ تلخی سے مسکرائیں ''آپ آرام کیجیے، ہم قہوہ اور دوائی لے کر جاتے ہیں۔''

وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں لیکن میران کو دوراہے پہ چھوڑ گئی تھیں۔ دماغ تاویلیں گھڑ رہا تھا اور دل تھا کہ پیروں میں بندھ کے زمل کی طرف کھنچ رہا تھا۔ وہ جیسے کسی مقناطیسی کشش کے زیرِ اثر اوپری منزل پہ بنے ملازمین کے کمروں سے ہوتا ہوا زمل کے کمرے تک پہنچا تھا، ایک پل کو رکا اور پھر ہر یاد دہانی فراموش کرتا اندر داخل ہوا۔

کمرے کی فضا میں سیلن زدہ خوشبو رچی تھی، ایک سنگل بیڈ، سنگل ڈور الماری اور بنا پردے کی ایک کھڑکی، یہ اس کمرے کا کل اثاثہ تھا جہاں اس جاگیر کے اکلوتے وارث کی بیوی کا ٹھکانا تھا، ایک پل کو میران خود سے بھی نظر نہ ملا سکا۔ کراہ کی آواز پہ وہ چونک کے بیڈ کی طرف بڑھا جہاں وہ سر سے پیر تک چادر میں لپٹی لیٹی تھی۔ میران نے مأوف دماغ کے ساتھ دھیرے سے اس کے چہرے سے چادر سرکائی اور جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا۔

بخار کی حدت سے پھٹتا چہرہ، دائیں بائیں بکھرے بال، سفید پڑتے ہونٹ اور بے ربط سانس، اسے نہ جانے کیوں زمل کی حالت سے خوف سا آیا تھا۔ وہ گویا پوری قوت صرف کرکے دائیں بائیں سر پٹخ رہی تھی، اس کی کراہیں بہت مدھم لیکن واضح تھیں۔

''امی..... امی..... مجھے بلالیں، مجھے چھپالیں..... امی..... بہت درد ہے.....'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہورہے تھے۔

www.pklibrary.com

''بس یہی کہے جارہی ہیں۔'' قہوہ لے کر اندر آتی انابی بولیں تو جھک کر اس کی آواز سنتا میران ایکدم سیدھا ہوا۔

''ہم تو یہ حیران ہیں کہ اتنے دن سے یہ ہر طرح کی ذہنی و بدنی مشقت برداشت کرتے آج کیا ہوا کہ یہ اس طرح ڈھے گئیں۔''

اور میران کو جھما کے سے زمل کا خود سے ٹکرانا یاد آیا تھا۔

''چھوٹی دلہن، اٹھیے، دوا پی لیجیے۔'' وہ اس کے گال تھپتھپا رہی تھیں، وہ ذرا کی ذرا آنکھ کھول کے پھر آنکھیں موند گئی۔

''لگتا ہے بخار بڑھ گیا ہے۔'' انابی تشویش سے کہتے ہوئے اس کے سر پہ پٹیاں بھگو کے رکھنے لگیں۔

میران کسی پتلے کی طرح سب دیکھ رہا تھا۔ ایسی کسی صورت حال کا اس نے تصور نہیں کیا تھا اور زمل کی اس حالت نے اس ہلا کے رکھ دیا تھا۔ انابی اسے چمچے سے سوپ پلانے کی کوشش کرنے لگیں تو میران بے ساختہ ہی آگے بڑھا اور زمل کو انھا کے اپنے سہارے سے بٹھایا، اس کے بھٹکتے وجود کی لپٹیں میران کو اپنے وجود کے آر پار محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ میران کے کندھے پہ سر ٹکائے بمشکل بیٹھی کراہ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زندگی سے بھی خفا ہوش میں نہ آنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔

انابی نے اسے چمچہ چمچہ کر کے سارا قہوہ پلا دیا، اسے لٹا کر وہ پھر سے پٹی بھگو کے لائیں تو میران نے ان سے پٹی لے کے زمل کے ماتھے پہ رکھنی شروع کر دی۔ وہ سب کچھ چپ چاپ کر رہا تھا کہ اس پل نہ اس کے پاس بولنے کے لیے الفاظ تھے نہ انہیں ادا کرنے کی سکت، تاہم اس کے انداز سے جھلکتی پریشانی دیکھ کر انابی کے دل کو سکون سا ہوا کہ اس کے دل میں ابھی اتنی انسانیت باقی تھی۔

''ہم نہیں جانتے کہ آپ اس فیصلے سے نالاں کیوں ہیں، بڑی دلہن نے آپ کے لیے ہیرے کا انتخاب کیا ہے بابا، آپ اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہیں تو اسے کہہ سن کے ختم کریں، یہاں جو ماحول اور رویے ہیں، ہمیں ڈر ہے کہ اگلی بار آپ آئیں تو یہ آپ کو زندہ بھی ملیں گی یا نہیں۔''

''میں آپ کی گود کا پلا ہوں انابی، کیا میں اتنا سخت دل ہوں؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں ان سے مخاطب ہوا ''آپ جانتی ہیں میں روایتی چوہدریوں کی طرح جلاد اور بے رحم بھی نہیں ہوں لیکن..... اس معاملے میں، میں خود کو بے بس پاتا ہوں، آپ..... آپ نہیں جانتیں جو میں جان گیا ہوں، ایک ایسی بات جس نے مجھے سرتاپا انگاروں پہ لا کھڑا کیا ہے جو دن رات مجھے سلگاتے ہیں لیکن نہ تو پورا جلاتے ہیں اور نہ ہی خود ٹھنڈے پڑتے ہیں۔'' اس کا لہجہ برستی بارش کی ساری نمی اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

''پرانے وفادار ملازمین آبائی قبرستانوں کی طرح ہوتے ہیں میرو بابا، جن کے سینوں میں خاندان کے سب ہی راز دفن ہوتے ہیں، جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ نہ تو آپ جانتے ہیں اور نہ ہی وہاں تک آپ کی سوچ کی پہنچ ہو سکتی ہے۔'' انابی اس کی باتوں کے جواب میں سوچ کے رہ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد زمل کا بخار اترنا شروع ہو گیا تھا، اس نے کراہنا بھی بند کر دیا تھا۔ انابی نے بہلا بہلا کے اسے دوا بھی کھلا دی تھی اور اب وہ قدرے پرسکون سی سو رہی تھی۔

''آپ اب آرام کیجیے انابی، موسم خاصا سرد ہے، اس..... اس کو کہیے گا کہ کل صرف آرام کرے.....'' وہ زمل کی طرف سے رخ موڑے رک رک کے کہہ رہا تھا۔ ''اور نیچے بنے کمروں میں اسے شفٹ کروا دیے، یہ کل سے یہاں نہیں ہونی چاہیے۔''

''لیکن ملکانی.....!''

''ان سے کہہ دیجیے گا کہ میں نے کہا ہے۔'' وہ دوٹوک لہجے میں کہہ کے باہر نکل گیا تو انابی پلٹ کر اس ناتواں وجود کو دیکھنے لگیں جسے ابھی نا جانے کتنے

www.pklibrary.com

طوفان اور دیکھنے تھے۔

☆☆☆

میران پوری رات سو نہیں سکا تھا، بار بار زمل کا زندگی کی رمق سے عاری سپید چہرہ یاد آتا تو ایک انی سی دل میں گڑ جاتی۔ اسے حویلی کے در و دیوار سے وحشت ہو رہی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ صبح چاہے جیسا بھی موسم ہو وہ یہاں سے نکل جائے گا۔

ادھر زمل کی آنکھ حسب معمول صبح پانچ بجے کھلی تو پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا، آنکھیں اتنی بوجھل تھیں کہ لگتا تھا منوں وزن رکھا ہو، ایک پل کو اس کا دل چاہا کہ آج کے اپنے ذمے کے کام چھوڑ کر دوبارہ سو جائے کہ اسے اپنے اندر انگلی ہلانے کی بھی ہمت محسوس نہیں ہو رہی تھی، مگر پھر قمر النساء کی کڑوی زبان کے جوہر یاد آئے تو اپنی پوری ہمت صرف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، وہ اپنی کم ہمتی پہ حیران ہو رہی تھی، اسے بس یہ یاد تھا کہ شام میں اسے تیز بخار تھا اور اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اور پھر اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا، ہلکی ہلکی سی جھلک انابی کی یاد تھی کہ انہوں نے اسے دوا کھلائی تھی، کچھ پلایا بھی تھا باقی میران کا آنا اس کے حافظے نے محفوظ ہی نہیں کیا تھا۔

میران نماز پڑھ کے اصطبل کی طرف نکل آیا کہ جانے سے پہلے اپنے گھوڑوں کو دیکھ لے، تب ہی اسے چارے کا ٹھڑ بمشکل گھسیٹتی زمل باڑے کے اندر جاتی نظر آئی، نجانے کیوں غصے سے اس کا پارہ ایکدم ہی سوا نیزے پہ پہنچا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باڑے میں پہنچا اور زمل کے ہاتھ سے ٹھڑ لے کر دور پھینکا۔

''جب تم کو منع کیا تھا تو پھر کیوں کر رہی ہو یہ سب؟ ہمدردیاں سمیٹنے کا بہت شوق ہے تمہیں؟''

اس اچانک افتاد پہ زمل ہکا بکا اسے دیکھے گئی جبکہ میران کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچتے ہوئے پلٹا تو افتاں و خیزاں انابی آتی دکھائی دیں۔ اس نے زمل کو ان کی طرف زور سے دھکیلا۔

''انابی جب میں نے کہہ دیا تھا تو یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟'' وہ زور سے چیخا تو وہ گھگھیا ئیں۔

''بابا! ان کی غلطی نہیں ہے، یہ تو اپنے معمول کے مطابق یہاں آ گئیں، ہم کو نماز پڑھنے میں دیر ہو گئی تھی ورنہ ہم ان کو اٹھتے ہی بتا دیتے کہ آپ کا کیا حکم تھا۔''

زمل حواس باختہ سی دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اسے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ میران کے اتنا چراغ پا ہونے کی وجہ کیا تھی۔

''بہر حال اسے اچھی طرح باور کروا دیں کہ جب تک طبیعت صحیح نہ ہو جائے کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شہر کی نزاکتوں میں پلنے والے یہ سختیاں نہیں سہہ سکتے، اسے کچھ ہو گیا تو میں امی کے سامنے کسی جواب دہی کا پابند نہیں بننا چاہتا۔''

وہ سفاک انداز میں کہہ کے وہاں سے چلتا بنا تو انابی بھی حیرانی کی تصویر بنی کھڑی زمل کو پکڑ کر اندر کی طرف چل دیں۔

انابی نے اسی دن زمل کو نچلے فلور پہ شفٹ کروا دیا تھا۔ قمر النساء میران کی موجودگی کے باعث کچھ کہہ نہ سکی تھیں بس دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گئی تھیں۔

زمل کی طبیعت کافی حد تک سنبھل گئی تھی تاہم وہ میران کی ہدایت اور غصے کے پیش نظر کمرے میں ہی محدود تھی۔

زمینوں کے ایک جرگے کی وجہ سے میران کو اپنی واپسی ایک دو دن کے لیے موخر کرنی پڑی تھی۔ پورا دن وہاں مصروف رہنے کے بعد وہ رات گئے اپنے لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا جب فون پہ امی کا نمبر دیکھ کے بری طرح چونک گیا۔

''السلام علیکم، امی۔''

''وعلیکم السلام، میری جان کیسے ہو؟''

''میں تو ٹھیک ہوں، وہاں سب خیریت ہے نا، آپ نے اتنی رات کو کال کی؟''

وہ جانتا تھا وہ جلد سونے کی عادی تھیں۔

www.pklibrary.com

''ہاں میں ٹھیک ہوں، میرو..... میری زمل سے بات کرواؤ۔'' ان کے لہجے میں عجیب سی بے چینی تھی۔ میران گڑبڑا سا گیا۔

''ابھی؟..... مطلب دو دن پہلے ہی تو آپ سے بات کروائی تھی۔''

''تم میری ابھی اس سے بات کرواؤ۔'' وہ بضد تھیں، جانے انہیں کیا خدشہ لاحق تھا۔

''میرو..... وہ تمہارے..... ساتھ ہی ہے نا؟''

میران سٹپٹایا

''جی جی، میرے ساتھ ہی ہے، میں اسٹڈی میں کام کر رہا ہوں، ابھی اسے جا کر فون دیتا ہوں، آپ رکیں، میں کال بیک کرتا ہوں۔''

''نہیں میں ہولڈ پہ ہوں، تم اسے فون دو۔'' وہ بالکل ایک بچے کی طرح اصرار کر رہی تھیں۔ میران لب بھینچے تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا۔ وہ ماں سے سچ بھی بول سکتا تھا لیکن اس وقت وہ اتنی پریشان لگ رہی تھیں کہ وہ انہیں اپنے مابین تعلقات کی حقیقت بتا نہیں سکا تھا۔

زمل ایک طرف کروٹ کیے بے خبر سو رہی تھی۔ ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھے وہ سینے تک چادر میں لپٹی تھی۔ میران کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے اٹھائے، ادھر سے ثمینہ ہولڈ پہ تھیں، اس نے فون سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کے نہ چاہتے ہوئے بھی دھیرے سے زمل کا ہاتھ تھپتھپایا، وہ دواؤں کے زیر اثر شاید زیادہ ہی گہری نیند میں تھی جب ہی فس سے مس نہ ہوئی، میران نے جلدی کے چکر میں اس کا گال تھپتھپایا تو وہ ہڑبڑا کے اٹھی، نیم تاریکی میں اپنے اوپر جھکے ہیولے کو دیکھ کے اس کے منہ سے چیخ نکلنے والی تھی کہ میران نے بے ساختہ اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''امی تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں، ان سے یہ نہیں کہنا کہ تم الگ کمرے میں سو رہی تھیں۔'' میران نے اس کے کان کے قریب سرگوشی میں جلدی جلدی کہا، اس کی چند سیکنڈ کی قربت ہی زمل کو پور پور پسینے میں بھگو گئی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو میران نے اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹایا اور اسپیکر آن کر کے فون اسے پکڑا کے وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا۔

زمل سلام کرتی اٹھ کے بیٹھی اور دوسرے ہاتھ سے سرہانے پڑا دوپٹا اٹھا کے اوڑھ لیا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہے میری بیٹی؟'' ثمینہ کے لہجے میں بے حد محبت تھی۔

''میں ٹھیک ہوں خالہ، آپ کیسی ہیں؟ علینہ اور بے بی ٹھیک ہیں اب؟'' وہ دھیرے دھیرے پوچھ رہی تھی۔ اسے سامنے بیٹھے میران کی خود پہ گڑی نظروں کے سبب بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ تیزی سے اٹھ کے بیٹھنے کی وجہ سے بالوں کا ہلکا سا بندھا ہوا جوڑا بھی کھل گیا تھا اور اس کے بال بکھر گئے جنہیں وہ بات کرتے کرتے سمیٹنے کی کوشش میں تھی۔

''یہاں سب ٹھیک ہیں، بچے بھی اب اسٹیبل ہیں۔ زمل.....! تم خوش ہو نا بیٹا؟''

زمل کو لفظ ''خوش'' اتنا اجنبی لگا پھر بھی کہہ دیا

''جی۔ جی میں بہت خوش ہوں۔'' اب لفظ لفظ سنتے میران کے سامنے اور کہتی بھی تو کیا۔

''اچھا یہ بتاؤ میران ابھی یہیں ہے یا اسٹڈی میں چلا گیا؟'' ان کے پوچھنے پہ زمل سوالیہ نظروں سے میران کو دیکھنے لگی تو اس نے اشارے سے کہا کہ بتا دے وہ جا چکا ہے۔

''خالہ! وہ چلے گئے ہیں۔''

''ہوں مجھے تم سے اکیلے میں ہی بات کرنی تھی۔''

ان کی بات پہ میران کی پیشانی پہ شکنیں سی ابھریں جبکہ زمل حیران ہوئی۔

''جی، کہیے۔''

''زمل! میری جان اب مجھے سچ سچ بتاؤ، تم وہاں خیریت سے ہو؟ خوش ہو؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟'' جانے انہیں کیا بے اطمینانی تھی۔

''جی خالہ..... آپ کیوں اتنی متفکر ہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، اب تو آپ سے بات بھی ہو جاتی

www.pklibrary.com

ہے۔'' وہ نرمی سے بات کرتے ہوئے انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میران بلا ارادہ ہی اتنی دیر سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچی نیند سے بوجھل آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں، کھلے بالوں کے درمیان اس کا من موہنا چہرہ میران کی نظروں کو خود سے باندھ چکا تھا، وہ بخوبی سمجھ رہا تھا کہ زمل اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا رہی ہے لیکن شاہِ دل کی خواہش کے آگے وہ اس پل خود بھی مجبور تھا۔ تب ہی ماں کی بات پہ بری طرح چونکا جو زمل سے کہہ رہی تھیں۔

''تو پھر روحی میرے خوابوں میں کیوں آ کر روتی ہے کہ میں تمہارا خیال رکھوں؟''

ان کے تکلیف سے کہنے پہ میران سن سا رہ گیا تھا جبکہ زمل کی آنکھیں اشکبار ہوئی تھیں۔ اسے اپنی ماں پہ ٹوٹ کے پیار آیا جو اس دنیا سے جانے کے بعد بھی اس کے لیے فکرمند تھی۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکنے لگا تھا۔

''بتاؤ نا زمل، کیا بات ہے جو تم چھپا رہی ہو؟ کیا..... میرو..... نے اب تک تم کو..... میرا مطلب ہے تم دونوں.....؟'' وہ سوال کرنے کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ نہیں کر پا رہی تھیں لیکن زمل ان کا مطلب سمجھ گئی تھی اور میران کی موجودگی کی وجہ سے شرم و خفت سے سمٹتا کے میران کی طرف سے ہلکا سا رخ موڑ گئی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں خالہ!'' اس نے رٹا رٹایا جملہ پھر سے کہا کہ اور انہیں کیا کہہ کے تسلی دیتی۔''

''آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔''

''زمل..... کل وہ مجھے خواب میں بے حد پریشان دکھی کہ بجیا، میری زمل تکلیف میں ہے۔''

اور اس کی پچھلی رات کی کراہیں میران کی سماعتوں میں گونجنے لگیں، وہ ششدر تھا کہ اس دنیا سے جا کے بھی والدین کا کیسے اولاد سے قلبی تعلق قائم رہتا ہے۔

''میری روحینہ نے کیسی اذیت بھری زندگی گزاری ہے زمل، تم سے زیادہ کون واقف ہوگا، اور اس کی جان ہر وقت تم میں اٹکی رہتی تھی، میں نے اسی لیے تمہاری ذمہ داری لی تھی کہ اگر تم خوش رہو گی تو اسے بھی سکون ہوگا۔''

ثمینہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں، ادھر زمل کے بھی بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔ ماں کے انتقال کے بعد آج پہلی بار کوئی اس سے اس بارے میں بات کر رہا تھا ورنہ اسے تو ڈھنگ سے غم کرنے کا بھی موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس کا دل پانی بن کے بہنے لگا۔ وہ اس پل میران کی موجودگی کو بالکل ہی فراموش کر چکی تھی۔ پھر کافی دیر تک وہ دونوں روحینہ کی باتیں یاد کر کے کبھی ہنستی، کبھی روتی رہیں، میران خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

اسے اس پل شدت سے یہ احساس ہوا کہ کہیں پھوپھی بیگم کی باتوں میں آ کر اس سے کوئی زیادتی تو سرزد نہیں ہوئی۔ امی اور زمل کی باتیں ریا اور جھوٹ سے پاک تھیں، یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ پھوپھی بیگم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے قتل اور زمل کی منگنی کی پوری چھان بین کرے گا کیونکہ اس کا دل پکار پکار کے زمل کے حق میں گواہی دے رہا تھا کہ وہ دولت کی لالچی نہیں ہو سکتی۔ زمل پہ نظریں جمائے اس کی سوچ مختلف سمتوں میں پرواز کر رہی تھی کہ بات کرتے کرتے زمل کی نظر آئینے میں نظر آتے میران پہ پڑی تو وہ جیسے کسی نیند سے جاگی تھی۔

اس نے ایک دو بات کے بعد ہی ثمینہ کو خدا حافظ کہہ کے لائن کاٹ دی اور بغیر کچھ کہے مڑ کے فون میران کو پکڑا دیا۔ میران نے ایک گہری نظر اس کی جھکی جھکی نظروں پہ ڈالی اور باہر نکل گیا جبکہ اسے رات کے اس پہر زمل کے کمرے سے نکلتے دیکھ راہداری میں کھڑی وانیہ انگاروں پہ لوٹ گئی تھی۔ وہ ابھی ماں کے کمرے سے آ رہی تھی، یہ تازہ ترین صورت حال بتانے واپس وہیں بھاگی تھی۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

میران کو واپس گئے دوسرا دن تھا۔ وہ جاتے جاتے زمل کے اوپر سے سارے مشقت طلب کاموں کی ذمہ داری ہٹوا کے گیا تھا۔ سو وہ اب زیادہ تر وقت یا تو کمرے میں یا حویلی کے باغ کے ایک کونے میں پڑے جھولے پہ بیٹھے گزارتی تھی۔

ابھی بھی وہ جھولے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ اسے کسی نے پکارا۔ اس نے جھٹ آنکھیں کھولیں لیکن سامنے اکبر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔

"آ..... آپ؟"

"ہاں میں، کیسی ہو تم؟"

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ یہاں کا پتا کس نے دیا آپ کو؟" وہ وحشت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔

"ہم بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہ رہے تھے، امی نے تمہاری خالہ کو بھی کئی بار کال کی لیکن کسی سے بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی کہ تمہاری خیریت مل جاتی۔" اکبر شاید زندگی میں پہلی بار اتنے سلیقے سے بات کر رہا تھا لیکن زمل تو اسے ایک پل کے لیے بھی یہاں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے آپ لوگوں سے نہ ہی ملنا ہے نہ کوئی رابطہ رکھنا ہے....." اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔ "اور آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ آخر آپ آئے ہی کیوں ہیں یہاں؟" اسے میران کی بدگمانی یاد تھی جبھی اکبر کی یہاں موجودگی سے اس درجہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"تم سے معافی مانگنے آیا ہوں زارا۔" اس کی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ زمل بھوچکا سی ہو کے اسے دیکھے گئی۔

"کیا؟"

"ہم نے تمہارے اور چاچی جی کے ساتھ بہت زیادتیاں کیں، ہم گزرا وقت تو واپس نہیں لا سکتے لیکن تم سے معافی مانگ کے شاید ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے۔ ہم..... ہم سب بہت اذیت میں ہیں۔" وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا تو زمل کا دل کانپ سا گیا۔

"یہ..... یہ کیا کر رہے ہیں اکبر بھائی؟ کیا ہوا ہے؟ تایا تائی ٹھیک تو ہیں نا؟"

"شاید ہمارے تمام مظالم کا بدلہ تم نے یہیں لے لیا ہے، ابا کا کاروبار دیوالیہ ہو گیا ہے، اماں یہ صدمہ سہہ نہیں سکیں اور مفلوج ہو کے بستر کی ہو کے رہ گئی ہیں، اور میں..... گھر کی دال روٹی چلانے کے لیے ایک چائے خانے پہ کام کرنے لگا ہوں..... ہمیں اماں کی بیماری کی وجہ سے گھر بھی بیچنا پڑا اور اب کرائے کے گھر میں رہ رہے ہیں..... نہیں نہیں تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے کوئی مالی امداد مانگنے آیا ہوں، میں بس تم سے معافی کا خواستگار ہوں، شاید پھر اللہ بھی ہم پہ رحم کر دے۔"

اکبر کی زبانی تمام حالات جان کے خوش ہونے کے بجائے اس کی حساسیت کو تکلیف پہنچی تھی۔

"پلیز اکبر بھائی، ایسے نہ کہیں،..... اور اگر آپ کی تسلی اسی میں ہے تو..... میں نے آپ سب کو سچے دل سے معاف کیا، اللہ آپ لوگوں کے لیے آسانی کے معاملات فرمائے۔"

اس کے کہنے پہ اکبر نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم واقعی بہت عظیم ہو زارا، تم نے میرے دل سے ایک بوجھ اتار دیا۔"

زمل پھیکے پن سے مسکرائی

"آئیے اندر چلیے، کھانا کھا کے جایئے گا۔"

"نہیں نہیں۔ میں اب چلوں گا۔ سارے راستے یہ ہی ڈر تھا کہ کہیں تم مجھے دیکھ کر مجھ پہ کتے ہی نہ چھڑوا دو۔"

اس کے ہنس کے کہنے پہ زمل بھی بے اختیار ہولے سے ہنس دی پھر کچھ خیال آنے پہ بولی

"میں ان شاء اللہ، کچھ دنوں میں تایا تائی سے ملنے آؤں گی اکبر بھائی، آپ ان کو میرا سلام دیجیے

www.pklibrary.com

گا۔"

"بالکل آؤ، وہ تمہارا میکا ہے۔" اکبر نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور کچھ دیر باتیں کر کے چلا گیا۔ زمل کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی تغیراتِ حیات پہ حیران ہوتی رہی۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں تھی جب دھاڑ سے اس کا دروازہ کھلا، وہ ہڑبڑا کے پلٹی تو میران کو اندر داخل ہوتے دیکھ کے ساکت سی رہ گئی اور اس کے رکنے کی وجہ میران کا جارحانہ انداز تھا۔ وہ عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں تنفر اور غیض کا تاثر اتنا واضح تھا کہ زمل کا دل کسی انجانے خدشے سے لرزنے لگا تھا۔

"آخر تم نے اپنی اوقات دکھا ہی دی....." وہ جیسے پھنکارا تھا "تم نے ثابت کر دیا کہ کس گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتی ہو جسے نہ عزت کا پاس ہے نہ ہی رشتوں کا لحاظ۔ تم..... تم جیسی عورتیں عورت ذات پہ ایک دھبا ہوتی ہیں۔"

میران کے منہ سے غصے کے مارے کف نکل رہا تھا اور ادھر زمل اس کے رکیک الزامات پہ ماتمِ بت کھڑی سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھے جا رہی تھی، بڑی مشکل سے الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کے نکلے تھے۔

"میں نے..... کیا کیا ہے؟"

"تم نے..... تم نے میرا ناقابلِ تلافی نقصان کیا ہے....." میران کا حرف حرف نفرت کے زہر سے نیلا پڑ رہا تھا۔ "تم نے مجھے زندگی میں کسی پہ اعتبار کرنے لائق نہ چھوڑا، تم نے محبت کے لیے میرے دل میں اتنی تحقیر بھر دی ہے کہ میرا دل ایک آسیب زدہ مکان سا ہو کے رہ گیا ہے۔ تم جیسی عورت ہو، کسی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اپنے پرانے منگیتر سے تعلقات رکھے ہوئے ہو....."

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" زمل اس قبیح الزام پہ تڑپ اٹھی۔ "یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"جھوٹ ہے؟ جھوٹ ہے یہ؟" میران جیسے پاگل سا ہو کے اس کا بازو جھنجھوڑ کے پوچھنے لگا تو زمل کو اس کی دیوانگی سے خوف سا آنے لگا۔

"دیکھو..... اور پھر بتاؤ کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟" میران نے اپنا فون نکال کے اس کے سامنے کیا تو اس پہ موجود تصویر دیکھ کے زمل کے پیروں تلے زمین لرز گئی تھی۔ یہ اکبر کی حویلی میں آمد والے دن کی تصویر تھی جس میں وہ اور زمل ساتھ ساتھ کھڑے مسکرا کے باتیں کر رہے تھے۔ جانے کس نے یہ تصویر بھیج کے میران کی غیرت کے آتش فشاں کو چھیڑا تھا۔ زمل خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے بولی

"یہ..... یہ۔ آ..... آپ غلط سمجھ رہے ہیں، اکبر بھائی..... وہ مجھ سے معافی مانگنے آئے تھے، تایا تائی بہت پریشان اور بیمار ہیں تو....."

اس کی بات بیچ میں ہی تھی کہ میران نے اسی تصویر سے منسلک ایک آڈیو کلپ پلے کر دیا تھا۔

"ملک جی میرا نام اکبر ہے، آپ کی حالیہ بیوی کا سابقہ منگیتر اور پرانا عاشق۔" اکبر کی کمینی ہنسی گونجی تو زمل کی سماعتوں پہ جیسے کوئی دھماکا ہوا تھا۔ "کیا ملا جی آپ کو ہم دو محبت کرنے والوں کو جدا کر کے، زارا اور میں ایک دوسرے کو بچپن سے چاہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ آپ چاہیں تو میں آپ کو اور تصویریں بھی ثبوت کے طور پہ بھیج سکتا ہوں، آپ کی والدہ میری اماں کو پیسے کا لالچ دے کر اسے چھین لے گئیں لیکن زارا اور میں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے..... بڑی مشکلوں سے اس نے مجھ سے رابطہ کر کے حویلی بلایا اور رو رو کے کہا ہے کہ میں اس سے آپ کی جان چھڑواؤں، او مالکو..... آپ کو تو پیسے کے بل پہ کوئی بھی مل سکتی ہے تو ہم چاہنے والوں کی زندگی کیوں خراب کرتے ہو، میری زارا مجھے واپس کر دو..... اور ہاں حق مہر ضرور دینا، آخر اتنے دن تمہارے ساتھ رہی ہے تو....." ایک مکروہ قہقہہ "باقی آپ خود سمجھ دار ہو، مجھے بس

www.pklibrary.com

ایک فون کر دینا کہ میں کب اپنی زارا کو لینے آجاؤں.....''

زمل دم سادھے سب سن رہی تھی اور ہر ہر لفظ پہ اس کی خواہش ہوتی کہ وہ زندہ ہی درگور ہو جائے۔ صحیح کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کی فطرت سانپ جیسی ہوتی ہے، موقع ملتے ہی ڈس لیتے ہیں لیکن اس بار کا وار بہت کاری تھا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ اپنی صفائی میں کیا کہے۔ میران کا سفاک تاثرات سے مزین پتھریلا چہرہ دیکھ دیکھ کے اس کا دل گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا۔

''ٹھن آرہی ہے مجھے خود سے کہ میں نے تم جیسی لڑکی کو..... قابلِ محبت جانا، ماں کی دی ہوئی قسم کا پاس نہ ہوتا تو یہیں کھڑے کھڑے تم کو طلاق دے کے حویلی میں ہی زندہ گاڑھ دیتا کہ تم جیسی ضمیر فروش اور بے حیا عورتوں کا یہی انجام ہونا چاہیے، لیکن میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں..... مگر میں تم کو یہاں برداشت نہیں کر سکتا ورنہ میری غیرت مجھ سے کوئی گناہِ کبیرہ کروا بیٹھے گی، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ابھی اور اسی وقت یہ حویلی چھوڑ کے دفع ہو جاؤ اور چلی جاؤ ان ذلیل لوگوں میں جہاں کا تمہارا خمیر ہے اور جن کے تم لائق ہو۔''

وہ انتہائی تحقیر سے بولا تو زمل بھی تمام تر خوف پسِ پشت رکھ کے دھیمی لیکن مضبوط آواز میں بولی

''میرے پاس اپنی سچائی کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن میرا اللہ میرے بے داغ کردار کا گواہ ہے، اور اس گھر میں مجھے خالہ لے کر آئی تھیں، ان کے آنے سے پہلے میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''

اس کے جواب پہ غیض و غضب سے کھولتا میران بے قابو ہو کے آگے بڑھا اور اس کے بال پکڑ کے گردن پیچھے کو کھینچی، زمل بے اختیار کراہی تھی۔

''تمہاری اس رذیل حرکت نے میرے دل میں باقی تمہاری محبت کی آخری کونپل بھی مسل ڈالی ہے، اب یہاں صرف نفرت کے ببول ہیں، سو اب مجھ سے کسی بھی بھلائی کی توقع مت رکھنا، ملک میران وجاہت نرم دل ہے بے غیرت نہیں، کل صبح تک یہاں سے چلی جاؤ ورنہ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ موت بھی پناہ مانگے گی۔'' اپنی بات ختم کر کے اس نے زمل کو زور سے جھٹکا دیا تو وہ زمین پہ جا گری۔

میران تن فن کرتا باہر نکلا تو دروازے کے پاس کھڑی ثمینہ کو دیکھ کر ایک پل کو ساکت سا رہ گیا جو چہرے پہ شدید بے یقینی اور دکھ لیے اسے دیکھ رہی تھیں، دو تین پل کی خاموشی کے بعد میران ان پہ ایک شکوہ کناں نگاہ ڈال کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ شہر میں تھا جب اسے اکبر کی بھیجی تصاویر موصول ہوئی تھیں، اس کی قربت میں زمل کا مسکراتا چہرہ اور اس کے بعد وہ آڈیو کلپ سن کے وہ غصے سے ایسا دیوانہ ہوا کہ اتنے سامنے کی بات بھی نہیں سوچی کہ اگر اکبر اس سے باتیں کر رہا تھا تو وہ تصویر کس نے کھینچی ہوگی، وہ جنون میں اندھا دھند گاؤں پہنچا تھا۔ زمل پہ سارا لاوا انڈیل کر بھی اس کے اندر کی کھولن ختم نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے کمرے میں آکر فریش ہونے چلا گیا، واش روم سے نکلا تو صوفے پہ سر جھکائے بیٹھی ثمینہ کو دیکھ کے لب بھینچ کے رہ گیا۔

''یہ سب کیا تھا میرو؟'' ان کی آواز دکھ کے مارے بوجھل ہو رہی تھی۔ ''میں اسے تمہارے بھروسے چھوڑ کے گئی تھی اور تم..... اتنا غیر انسانی رویہ؟ تمہیں اس معصوم پہ ترس نہیں آیا؟''

''ترس؟..... وہ ترس نہیں دھتکارے جانے کے لائق ہے۔'' میران کے رعونت سے کہنے پہ وہ دہل کے رہ گئیں۔

''میرو!!''

''میں صحیح کہہ رہا ہوں امی، میں نے صرف آپ کی خوشی کے لیے یہ شادی کی تھی لیکن نیت میری اسے پوری ایمان داری سے نبھانے کی تھی مگر..... مگر ایک بدکردار لڑکی کو میں اپنی شریکِ حیات کی حیثیت کبھی نہیں دے سکتا۔''

www.pklibrary.com

''تم کسی بے گناہ پہ بہتان لگانے کا گناہ نہیں جانتے میرو، میں نے تمہاری یہ تربیت تو نہیں کی تھی؟'' ان کی آواز صدمے سے پھٹ سی گئی تھی۔

''یہ حقیقت ہے، آپ بھی وہ تصاویر اور اس کے عاشق کی درخواستیں سنیں گی تو تھوکیں گی اس پہ..... بس امی، اس بارے میں اب اور کوئی بات نہیں ہوگی، میں اپنے نام کے ساتھ اس کا ذلت بھرا حوالہ اور نہیں برداشت کرسکتا، میں اسے طلاق.....''

''میرو! ثمینہ کرب سے چلائیں۔''

''تمہیں اللہ کا واسطہ ہے یہ مکروہ لفظ دوبارہ اپنی زبان سے کبھی ادا نہ کرنا۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئیں تو وہ دانت پہ دانت جما کے خود کو کمپوز کرنے لگا۔

''میں تو سمجھی تھی کہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہوگے لیکن..... تم..... تم اتنے دن مجھ سے جھوٹ بولتے رہے.....'' وہ شکوہ کناں انداز مین بولیں تو وہ زہر خند ہوا۔

''جس رشتے کی بنیاد ہی جھوٹ ہو وہ پنپ کیسے سکتا ہے امی؟''

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا میرو، وہ لوگ..... وہ انتہائی ظالم اور لالچی ہیں اور اکبر سے اس کی منگنی نہیں ہوئی تھی.....''

''آپ ایک بار پھر غلط بیانی کررہی ہیں امی.....'' وہ ان کی بات کاٹ کر تلخی سے بولا تو وہ اسے دکھ سے دیکھے گئیں۔

''اتنی نفرت۔ اتنی ضد..... تم میرے میرو تو نہیں ہو.....'' ان کے آنسو بہہ نکلے ''میرا میرو تو مجھ سے کبھی اونچی آواز میں مخاطب نہیں ہوتا تھا، میری ہر بات پہ یقین کرتا تھا، غصے میں بھی انسانیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا..... میرا میرو کہاں ہے، بتاؤ کہاں چھپایا ہے اسے، بولو کون سی عینک لگا رکھی ہے اسے کہ ہر رشتہ ہی اسے مسخ دکھائی دے رہا ہے، بولو.....'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے پوچھ رہی تھیں کہ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر درشتی سے بولا۔

''مرگیا..... سنا آپ نے؟ مرگیا آپ کا میرو۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ ماں جس پہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ بھروسا کرتا تھا، اس نے تمام عمر اسے ایک دھوکے میں رکھا اور تابوت میں آخری کیل کی مانند اس کے باپ کے قاتل کی بیٹی کو اس کی ساتھ نتھی کردیا۔''

اس کے ہاتھ پہ ثمینہ کے ہاتھ کی گرفت ایکدم ہی ڈھیلی ہوئی تھی، انہیں اپنا جسم تیزاب سے گلتا محسوس ہونے لگا، لمحوں میں ہی ان کا چہرہ ایسے سفید ہوا تھا جیسے جسم کا سارا خون کسی سرنج سے نکال لیا گیا ہو، دھچکا اتنا شدید تھا کہ ان کے آنسو بھی روانی بھول کے اپنی جگہ ساکت ہوگئے تھے۔

''اب یہ مت کہیے گا کہ مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا یہ بھی جھوٹ ہے، میں سب جانتا ہوں..... کیوں؟ آخر کیا قصور تھا میرے باپ کا جو ان کو ایسے بے رحمی سے قتل کیا گیا..... اور آپ نے بھی ان کے قاتلوں سے ہی وفاداری نبھائی..... امی مجھے اپنے تمام سوالات کے جوابات چاہییں ورنہ..... ورنہ۔ میری ذہنی شکست و ریخت مجھ سے کوئی گناہ سرزد کروا کے رہے گی، بتایئے۔ میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟''

لیکن ثمینہ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہیں، لمحوں میں ان کے ہونٹ خشک زمین کی طرح چٹخ سے گئے تھے، وہ اس سے نظریں چرائے الٹے قدموں کمرے سے نکل گئی تھیں۔ میران شدید سردی کے باوجود کھلی کھڑکی کے پاس آکھڑا ہوا کہ اس کے اندر کی تپش یک بیک بھڑک اٹھی تھی۔

☆☆☆

آدھی رات ہوچلی تھی لیکن نیند میران کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے کبھی ماں سے بدکلامی تو درکنار ان کی کسی بات سے انحراف بھی نہ کیا تھا اور آج اپنی بدتمیزی کے ردعمل میں ماں کی ناقابلِ بیان حالتِ لمحہ بہ لمحہ اس کے احساس پشیمانی کو سوا کررہی تھی۔ لیکن وہ بھی کیا کرتا

www.pklibrary.com

،اپنے فرشتہ صفت باپ کے قتل کا راز افشا ہونا اور پھر ان قاتلوں سے ہی رشتہ جوڑنا اس کی غیرت پہ بہت بڑا تازیانہ تھے۔ تاسف سے پیشانی مسلتا وہ ماں کے کمرے کی طرف چل دیا کہ اب اسے ان کی فکر ہو رہی تھی۔

وہ ثمینہ کے کمرے کا دروازہ کھول رہا تھا جب اندر سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز نے اسے رکنے پہ مجبور کر دیا۔

''خود کو سنبھالیں بڑی دلہن، بابا غصے میں تھے اسی لیے ایسا کہہ گئے ورنہ آپ میں تو ان کی جان بستی ہے۔'' انابی کی آواز ابھری تو میران غیر ارادی طور پہ وہیں ٹھہر کے باتیں سننے لگا۔

''نہیں انابی، اب دل کو قرار نہیں آ رہا۔ میں ہار گئی..... تربیت ہار گئی، خون کا اثر جیت گیا۔'' وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں۔

''اگر میران نے اسے طلاق دے دی تو..... میں..... میں روزِ قیامت روحی کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ مجھ پہ تو ویسے ہی اس کا بہت قرض ہے، میری نیت تو پچھلی زیادتیوں کا کفارہ ادا کرنے کی تھی، اس نئے ظلم نے تو مجھے جیتے جی قبر میں اتار دیا ہے۔'' وہ سر پہ ہاتھ رکھے روئے جا رہی تھیں۔

انابی کی پاس سوائے ان کے آنسو پونچھنے کے کوئی حل نہ تھا۔ یہاں کے حالات قابو سے باہر ہوتے دیکھ کے ہی انہوں نے بڑی مشکل سے ثمینہ سے رابطہ کر کے انہیں جلد از جلد واپس آنے کو کہا تھا اور ثمینہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا زمل یہاں ایک اچھوت جیسی زندگی بسر کر رہی ہوگی۔

''ساری زندگی گزر گئی لیکن میں سمجھ نہ سکی کہ آخر آپا بیگم کو مجھ سے دشمنی کیا تھی۔ انہوں نے کبھی مجھے چین نہ لینے دیا۔ میں صبر کرتی رہی لیکن اس بار تو انہوں نے سیدھا میرے کلیجے پہ وار کیا ہے، وہ میری بیوگی کا آخری سہارا بھی چھین لینے کے درپے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں مر جاؤں گی، میران کو سچ کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی۔'' وہ لفظ لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولیں۔

''آج میرا بیٹا مجھے الزام دیتا ہے کہ اس سے میں نے اس کے باپ کی موت کا راز چھپائے رکھا، شکایتی نظروں سے مجھے دیکھتے اپنے باپ کا قصور پوچھتا ہے۔ آپ تو سب جانتی ہیں انابی، بتائیے اسے کیا بتاؤں؟ اس حویلی کی عزت کی خاطر سالوں سے لبوں پہ لگائے قفل کیسے توڑ ڈالوں؟ کہاں سے حوصلہ لاؤں اسے بتانے کا کہ..... اس کے باپ نے اس کی خالہ کی عزت پہ ہاتھ ڈالا تھا۔''

کوئی دیو ہیکل پہاڑ تھا جو میران کے سر پہ ٹوٹ کے اسے ریزہ ریزہ کر گیا تھا۔ اس کے حواس ایسے جھنجھنائے تھے کہ اس جیسے قوی اعصاب کے بندے کو بھی اپنے پیروں پہ کھڑا رہنے کے لیے دیوار کا سہارا لینا پڑا تھا، جبکہ اندر بیٹھی ثمینہ اور انابی اس کے باپ کا شرمناک ماضی دہرا رہی تھیں۔

☆☆☆

ملک وجاہت حسین روایتی جاگیردار تھا، ظالم، سفاک، بے رحم، عیاش اور شراب کا رسیا۔ غرض یہ کہ ہر اخلاقی برائی اس میں بدرجہ اتم موجود تھی اور وہ اسے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ اس کی والدہ بیٹے کی اس بے راہ روی سے پریشان ''بیوی آئے گی تو سدھر جائے گی'' کے فارمولے پہ عمل کرتے ہوئے ایک سیدھی سادی سمجھدار بہو کی تلاش میں تھیں۔ نہ جانے ہمارے معاشرے کی ماؤں کی یہ سوچ کب بدلے گی کہ بچپن اور جوانی کی عادات سے بگڑے لڑکے جب ماں کے قابو میں نہیں آتے تو بیوی کے تو ویسے ہی مختارِ کل ہوتے ہیں، انہیں کس خاطر میں لائیں گے۔ شومئی قسمت ایک دور دراز کی شادی میں بڑی ملکانی زبیدہ کی نظر ثمینہ پہ پڑ گئی اور انہوں نے پہلی نظر میں ہی اسے سندِ پسندیدگی دے ڈالی۔

ثمینہ کے والد گاؤں کے واحد پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جب ان کے گھر اتنے بڑے جاگیردار کا رشتہ آیا تو وہ بے چارے تو خوشی کے مارے سکتے میں آ گئے۔ انہیں اچھی طرح احساس تھا

www.pklibrary.com

کہ یہ قطعی بے جوڑ رشتہ ہے لیکن ملکانی زبیدہ نے ان کی دہلیز ہی پکڑ لی تھی، ثمینہ کے لیے ان کا اصرار اور محبت دیکھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہاں کر دی۔ ملکانی کے کہنے پہ ہی شادی کی تاریخ دس دن بعد رکھ دی گئی۔ اور یوں چند دن بعد ہی ثمینہ ملکوں کی حویلی کی دلہن بن کے سدھاریں۔

کم عمر ثمینہ کے معصوم ان چھوئے حسن نے ملک وجاہت حسین کو دیوانہ کر دیا تھا۔ وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ایک گھاگ مرد تھا، ثمینہ کی جھجکی، سہمی ہوئی ہرنی جیسی فطرت نے اس کے آتش شوق کو خوب ہی ہوا دی تھی، اور وہ ساری رنگینیاں چھوڑ کر صرف بیوی کا ہو کے رہ گیا تھا۔ ماں خوش تھیں کہ بہو لانے کا ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

قمر النساء ماں کی بہت منہ چڑھی تھیں۔ انہوں نے شروع شروع میں ماں کو بہت بھڑکایا کہ بہو کو لگام ڈال کے رکھیں کیونکہ وہ انسانوں کی اس قسم سے تعلق رکھتی تھیں جن کی زندگی کا مقصد دوسروں کی زندگی اجیرن کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ملکانی کو تو اپنی اللہ لوک بہو سے کوئی شکایت ہی نہ تھی سو بیٹی کی باتوں میں نہ آئیں۔ پھر قمر النساء نے خود ہی ثمینہ کو ہراساں کرنے کی ٹھانی، ان کی بدقسمتی کہ ان کا حاکمانہ رویہ جلد ہی ملک وجاہت کی نظر میں آ گیا اور وہ نئی نئی شادی کے خمار میں بہن کو سخت سست سنا گیا تب سے قمر النساء کو ثمینہ آنکھ میں گرے تنکے کی مانند چبھنے لگی تھیں۔

چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری سے نہ جائے کے مصداق شادی کے چھ سات مہینے بعد ہی ملک وجاہت اپنی پرانی روش پہ واپس آ گیا تھا۔ شراب کے نشے میں دھت عیاشیوں کے دلدادہ شوہر کا یہ روپ صوم وصلوٰۃ کی پابند ثمینہ کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا لیکن انہیں معلوم تھا کہ طلاق کی صورت میں ان کی اولاد ان سے چھین لی جاتی۔ ثمینہ گویا انگاروں پہ چلتے ہوئے سسرال میں ہی رہنے پہ مجبور تھیں تاہم انہوں نے شوہر کی اصلیت سے اپنے گھر والوں کو بے خبر ہی رکھا تھا۔ وہ خود شادی کے بعد اب تک صرف دو بار میکے گئی تھیں کہ ملک وجاہت کو اپنے غریب سسرال والوں سے میل ملاپ بالکل پسند نہ تھا جب ہی شادی کے دن کے بعد سے پھر کبھی اس کی اپنے ساس، سسر یا سالی سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور ثمینہ اس بات پہ شکر ہی کرتی تھیں ورنہ تو انہیں ماں باپ کے سامنے شوہر کا بھرم رکھنا مشکل ہو جاتا۔

شادی کے ایک سال بعد میران کی پیدائش ہوئی۔ ملکوں کے وارث کی آمد پہ وہ جشن ہوا کہ لوگوں نے دنوں یاد رکھا۔ ملک وجاہت نے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلی بار اپنے سسرال والوں کو بھی دعوت نامہ بھجوایا جو یہاں آ کے بیٹی کے ٹھاٹ باٹ دیکھ دیکھ حیران ہوتے اور شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔

زندگی اپنی ڈگر پہ رواں دواں تھی، معمولی سی بیماری کے بعد ملکانی زبیدہ اللہ کو پیاری ہو گئیں تو ثمینہ کو مزید اکیلے پن کا احساس ستانے لگا کہ ملکانی زبیدہ بیٹے کو تو کچھ سمجھا نہیں پائی تھیں بہرحال ثمینہ کو دکھی دیکھ کر ان کی دلجوئی ضرور کرتی تھیں۔ ان کی وفات سے کچھ عرصے پہلے ہی انابی بھی حویلی واپس آ گئی تھیں اور یہ حقیقت تھی کہ ثمینہ کو ان کا سہارا بہت غنیمت لگتا تھا۔ وہ ان کو بہت چاہتی تھیں اور بے حد خیال رکھتی تھیں۔ اور جب ثمینہ دوسری بار امید سے ہوئیں تو چھوٹے سے میران کو سنبھالنے کی پوری ذمہ داری انابی نے ہی اٹھائی ہوئی تھی۔

علینہ کی پیدائش پہ بھی ملک وجاہت نے بہت خوشیاں منائی تھیں، اتنی کہ ثمینہ کو خوش فہمی سی ہونے لگی کہ شاید اب وہ اپنی بے راہ روی سے تائب ہو جائے۔

ثمینہ کے والدین اور چھوٹی بہن روحینہ بھی بلاوے پہ ملک حویلی آئے تھے اور تب ہی ملک وجاہت کی نظر روحینہ پہ پڑی تھی اور وہ چونک اٹھا تھا۔ ان کی شادی کے وقت وہ کم عمر بچی سی تھی اور اب

www.pklibrary.com

سترہ اٹھارہ سال کی دوشیزہ اور قدرت نے اسے حسن اس فیاضی سے عطا کیا تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھ خیرہ ہو جاتی اور اس پہ بلا کا بھولپن اور بے نیازی اس حسن کو دو آتشہ کرتی تھی۔ میران اور علینہ کو دیوانوں کی طرح پیار کرتی روحینہ مسلسل اس کی نظروں میں تھی، اور اس کا شاطر ذہن گھٹیا چالوں میں مصروف عمل ہو چکا تھا۔ ملک وجاہت نے خلاف معمول ساس سسر سے تفصیلی گفتگو کی اور ان سے حویلی میں کچھ دن قیام کرنے پہ اصرار بھی کیا، وہ تو حیرت سے گنگ کہ کبھی داماد نے سیدھے منہ بات تک نہ کی تھی اور اب رہنے کی دعوت دے رہے تھے سو وہ وہاں رک گئے۔ ثمینہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ انہیں لگا کہ بیٹی کی پیدائش نے ان کے شوہر کا ضمیر جگا دیا ہے۔ روحینہ جو بہنوئی سے خاصی خائف رہا کرتی تھی، اس کے اچھے رویے کی وجہ سے اس سے تھوڑی بہت بات چیت کرنے لگی تھی۔

اس کے بعد تو اکثر ہی کبھی ملک وجاہت بیوی بچے کو سسرال ملانے لے جاتا تو کبھی ثمینہ کو بہن کو بلانے کی اجازت دے دیتا، وہ ایک ماہر شکاری کی طرح بڑے صبر سے جال بچھا کے شکار کے لیے راہ ہموار کر رہا تھا اور اس سب سے بے خبر ثمینہ بہت مطمئن تھیں کہ انہیں ایک دن اناں نے باتوں باتوں میں خبردار کیا تھا، پہلے تو وہ ان کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں لیکن جب بات کی گہرائی تک گئیں تو جی جان سے لرز کے رہ گئیں۔ حالات و واقعات کی کڑیاں جوڑیں تو اپنی بے خبری اور اندھے اعتماد پہ لعنت بھیجی اور اس کے بعد ملک وجاہت کے کہنے کے باوجود انہوں نے کبھی روحینہ کو اپنے پاس نہ بلوایا، لیکن وہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ عارضی بند ملک وجاہت کی شیطانی خواہشات کے جوار بھاٹے کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

روحینہ بچپن سے ہی اپنے خالہ زاد زوار سے منسوب تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے، زوار ایک بہت ہی نیک اور شریف لڑکا تھا۔ جب اس کی پکی نوکری لگی تو ان دونوں کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ دونوں گھرانے ہی متوسط طبقے کے تھے سو لمبی چوڑی تیاریوں کے بجائے سادگی سے ایک ڈیڑھ مہینے میں سارے انتظامات طے پا گئے۔ ثمینہ نے جان بوجھ کے ملک وجاہت کو شادی کے معاملے سے بے خبر رکھا ہوا تھا، ان کے لاشعور میں کوئی ڈر کنڈلی مارے بیٹھا تھا جس کو وہ پوری طرح محسوس کرنے کے باوجود کوئی نام نہیں دے پائی تھیں۔

جب شادی میں دو ہفتے رہ گئے تو انہوں نے ہمت کر کے ملک وجاہت کو تقریبات کے بارے میں بتا کے ان سے میکے جانے کی اجازت مانگی، ملک وجاہت کے سینے پہ تو سانپ لوٹ گئے تھے لیکن اس نے انتہائی عیاری سے اپنے تاثرات چھپا لیے اور بخوشی بیوی کو جانے کی اجازت کے ساتھ ساتھ کافی تحائف بھی دے کے روانہ کیا تھا۔ ثمینہ نے سکھ کا سانس لیا تھا اور میکے پہنچ کے پورے دلی سکون اور خوشی سے شادی کے انتظامات سنبھال رہی تھیں کہ مایوں سے ایک دن پہلے ملک وجاہت کی آمد نے انہیں بہت پریشان کر دیا تھا جبکہ ان کے میکے والے تو خوشی سے بے حال ہو رہے تھے۔ ملک وجاہت حسین کی ان کی بیٹی کی شادی میں شرکت ان کے لیے بے حد باعث فخر تھی۔

مایوں والے دن صبح ہی حویلی سے فون آیا اور ملک وجاہت کو کسی ضروری کام کی وجہ سے جانا پڑ گیا تھا۔ وہ دوپہر کو ہی واپسی کے لیے نکل گیا تھا۔ ثمینہ کا دل چاہا کہ سجدہ شکر بجا لائیں۔ شام میں مایوں کی تقریب کا انتظام گھر کے سامنے بنے میدان میں تھا۔ ایک ہی خاندان میں شادی تھی سو زوار کے گھر والے بھی مدعو تھے۔ پہلے روحینہ کی رسم مایوں کی گئی اور پھر اسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ابٹن کی خوشبو سے مہکتی روحینہ کی سادگی پہ ایسا نکھار آیا تھا کہ ماں تو اسے نظر بھر کے بھی نہیں دیکھ رہی تھیں۔

اب زوار کی رسم ہو رہی تھی، اور اس کے بعد

www.pklibrary.com

کھانے کا دور چلتا۔ ثمینہ اسے کمرے میں بٹھا کے آرام کرنے کا کہہ گئی تھیں کہ تقریب تو رات گئے تک جاری رہنی تھی۔ سارے کزنز مل کے خوب ہی رونق لگائے ہوئے تھے۔ نیگ کی وصولی کے لیے وہ شور شرابا مچا ہوا تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ روحینہ نے پیر چپل سے آزاد کیے اور تکیے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔ اتنی دیر سے گردن جھکائے بیٹھی تھی اور رسم کی مٹھائی کھا کھا کے طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ آنکھیں موند گئی۔ کزنز کی چھیڑ چھاڑ یاد کر کے اس کے لبوں پہ ایک دلفریب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہلکے سے کھٹکے سے اس کے کمرے کا دروازہ کھلا، اس نے چونک کے دیکھا تو ملک وجاہت کو دیکھ کے شدید حیران ہوگئی جس نے تیزی سے اندر آ کے دروازہ لاک کر دیا تھا۔

"دولہا بھائی آپ....."

اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے کیونکہ ملک وجاہت کی نشے سے سرخ آنکھیں اور ان سے لپکتی معنی خیز کوندیں اسے یک بیک ہی کسی خطرے کا احساس دلانے لگیں۔

وہ تیزی سے کمرے سے باہر جانے لگی تو ملک وجاہت نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس کھینچا تو وہ اس کے شکنجے میں جکڑی گئی۔

"زیادہ ڈرامے مت کرو، شادی نہیں کرنا نہ کرو، بس ایک موقع دے دو، کسی کو خبر تک نہ ہوگی، میں خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا۔ اگر شور کرو گی تو تمہارے کمرے میں میری موجودگی پہ تمہاری ہی بدنامی ہوگی۔"

اپنی اہنی گرفت میں اسے سختی سے جکڑے وہ اس کے کان میں دھیمے دھیمے بول رہا تھا۔ اور خوف سے اس کا برا حال تھا۔ اسے پتا تھا کہ اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا، اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا گلدان اٹھا کے پوری قوت سے ملک وجاہت کے سر پہ دے مارا۔

وہ ایک گالی بکتا پیچھے کو گرا تو روحینہ بجلی کی تیزی سے دروازہ کھول کے باہر بھاگی۔ ملک وجاہت بھی فوراً ہی اٹھ کے اس کے پیچھے لپکا کہ اگر اس وقت شکار ہاتھ سے نکل جاتا تو اتنی محنت اور انتظار کے بعد کچھ ہاتھ نہ آتا۔

روحینہ بری طرح روتی ہوئی سیڑھیاں اتر کے بت بنی کھڑی بہن سے جا لپٹی تھی جس کی پتھرائی ہوئی بے یقین نظریں روحینہ کے عین پیچھے کمرے سے نکلتے ملک وجاہت پہ تھیں۔

"بجیا..... یہ وجاہت بھائی مجھے....." اس کے بے ربط الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ ایک زوردار دھماکا ہوا، وہ دھل کے مڑی تو نظر سیڑھیوں کے اختتام پہ خون میں لت پت پڑے ملک وجاہت پہ جم سی گئی۔ وہ نشے میں لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا تھا لیکن بیوی کو دیکھ کے سیڑھیوں پہ ڈگمگایا اور گول زینے پہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اوپر سے سیدھا نیچے صحن کے پکے فرش پہ آ گرا تھا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بہت واضح تھی۔

ایک پل کو لگا جیسے دنیا ختم ہوگئی ہے، ہو کا عالم طاری تھا، روحینہ نے سہمی نظروں سے ثمینہ کو دیکھا تو ان کے عقب میں چند قدم دور کھڑے زوار کو دیکھ کر اسے لگا جیسے..... قیامت تو اب آئی تھی۔ زوار کی آنکھوں میں بے یقینی، دکھ، اور غصہ ہلکورے لیتا دیکھ کے روحینہ کھڑے کھڑے پسینے میں نہا گئی۔

"ز۔ زوار۔"

"تم کمرے میں جا کے اپنا۔ حلیہ صحیح کرو اور جب صحن میں لوگوں کی آوازیں سنو تب ہی باہر آنا" اس نے سپاٹ لہجے میں اس سے کہا اور پھر ثمینہ کی طرف متوجہ ہوا

"بجیا..... بجیا....."

"آں۔" وہ جیسے کسی بھیانک خواب سے جھرجھری لے کے جاگی تھیں۔

"میں سب کو بلانے جا رہا ہوں، یہ صرف ایک حادثہ تھا جو کہ ہم میں سے کسی نے رونما ہوتے نہیں دیکھا، سمجھیں۔" اس نے ثمینہ کی آنکھوں میں جھانکا

www.pklibrary.com

جہاں صرف وحشت اور ویرانی تھی۔

"زوار..... روحی۔ یہ سب۔"

زوار نے گویا خون کے گھونٹ حلق سے اتار کے ہونٹ بھینچے تھے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ آن کی آن میں شادی کا گھر ماتم کدہ بن گیا تھا۔ ثمینہ کو تو جیسے کسی نے زندہ ہی گاڑھ دیا تھا، بار بار روحینہ کا بلکھراحلیہ، ڈکراتا ملک وجاہت اور زوار کا بے یقین چہرہ..... یہ ہی مناظر ترتیب بدل بدل کے ان کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔ اتنے لوگ جمع تھے کہ وہ روحینہ سے بات بھی نہیں کر پا رہی تھیں اور سچ یہ تھا کہ وہ اس سے نظر ملانے تک کی بھی ہمت نہ رکھتی تھیں۔

انہوں نے حویلی فون کر دیا تھا اور فوراً ہی لاش کو باپ اور خالو کے ہمراہ لے جانے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔ زوار تو سب کو مطلع کر دینے کے بعد نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی روحینہ کے دل کو کسی انہونی کے خوف سے دہلائے دے رہی تھی۔ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا تھا کہ کسی کو کسی سے کچھ کہنے سننے یا وضاحت کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ ہاں ثمینہ جاتے وقت اس کے سامنے آ کے ہاتھ ضرور جوڑ گئی تھیں، اس نے تڑپ کے بہن کے ہاتھ کھولے اور دونوں ہی پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔

سب جانتے تھے کہ ملک وجاہت دوپہر میں حویلی واپس چلا گیا تھا تو اس وقت اس کی یہاں موجودگی اور پھر ایسی حادثاتی موت خاندان بھر میں چہ مہ گوئیوں کو جنم دے رہی تھی، جبھی ثمینہ میت لے کے جلد از جلد وہاں سے روانہ ہو گئی تھیں۔

حویلی میں تو بھونچال آ گیا تھا۔ قمر النساء نے وہ بین ڈالے تھے کہ حویلی کے در و دیوار لرز اٹھے تھے۔ وہ آپے سے باہر ہو کے ثمینہ کا گریبان پکڑ رہی تھیں، ان کے باپ اور خاندان والوں کو ہاتھ اٹھا اٹھا کے بددعائیں دے رہی تھیں کہ جن کی تقریب میں شرکت ان کے بھائی کی موت کی وجہ بن گئی۔ ثمینہ کے والد اور جنازے کے باقی شرکاء ہکا بکا سب دیکھ رہے تھے، ثمینہ نے اپنے باپ اور خالو کو الٹے پیروں واپس بھیج دیا تھا کہ اس سے زیادہ وہ اپنے باپ کی بے عزتی نہیں برداشت کر سکتی تھیں۔

قمر النساء کسی طور اسے حادثہ ماننے کو تیار نہ تھیں اور ثمینہ نے تو زبان نہ کھولنے کی جیسے قسم کھالی تھی۔ پر جب تدفین اور سب مہمانوں کے چلے جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی ماتمِ بت بیٹھی تھیں، انابی نے آ کر صرف اتنا پوچھا تھا۔

"روحی بٹیا۔ خیریت سے ہیں؟"

اور ثمینہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ انابی سے لپٹ کر تڑپ تڑپ کے روئی تھیں، انابی اپنے بدترین خدشات کے صحیح ثابت ہونے پہ ازحد دل گرفتہ تھیں، بڑی مشکل سے انہوں نے ثمینہ کو سنبھالا تھا جو بہن کے سامنے شدید شرمندہ تھیں۔ ابھی انہیں خبر ہی نہ تھی کہ ملک وجاہت مرتے مرتے ان سب کے لیے کئی قبریں کھود گیا ہے۔

مایوں کے ایک ہفتے بعد شادی ہونی تھی۔ اس حادثے کے باعث اسے دس دن آگے بڑھا دیا گیا تھا لیکن پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس دن سے زوار گھر سے غائب تھا۔ خالہ خالو پاگلوں کی طرح اسے ہر جگہ تلاش کر رہے تھے اور روحینہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔

اور یہ اس حادثے کے ایک ہفتے بعد کی بات تھی کہ خالہ خالو سر جھکائے ان کے گھر آئے تھے کہ زوار نے شادی سے انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اسی شرط پہ گھر واپس آئے گا کہ اسے روحینہ سے شادی پہ مجبور نہ کیا جائے۔ گھر والوں پہ تو آفت ٹوٹی ہی تھی لیکن روحینہ تو جیسے ایک پل میں ہی زندہ لاش بن گئی تھی۔ اس کے والدین نے خالہ کی منت سماجت تک کی لیکن وہ دونوں تو خود جوان بیٹے کی ضد کے ہاتھوں مجبور تھے۔ خاندان میں جس نے سنا دانتوں میں انگلیاں داب لیں کہ اس زمانے میں بچپن کی منگنیاں توڑ دینا خاصا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن زوار کی ضد کے آگے کسی کی نہ

www.pklibrary.com

چلی۔ روحینہ کی حالت دیکھ دیکھ لوگ ترس کھاتے، جو جیتی جاگتی مورت کی طرح بیٹھی رہتی، اسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ زوار اسے یوں چھوڑ جائے گا۔ اس نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد سے اپنے ساتھ صرف زوار کا ہی نام سنا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دل فقط اس ہی نام پہ محبت کے راگ الاپتا تھا۔ سدا خود کو سینت سینت کے رکھا تھا، وہ کبھی تنہائی میں زوار سے نہیں ملی تھی، اپنے سارے جذبے اور احوالِ دل اس سے مخفی رکھے کہ جائز رشتے میں بندھ جانے کے بعد ہی اس سے سب کہے گی لیکن اس کی ساری شدتیں اور خواہشیں تشنہ رہ گئی تھیں۔ محبت کی معراج تک پہنچنے کے سفر میں زواریوں اپنی راہیں بدل لے گا، اس کے گمان کی آخری حد پہ بھی نہ تھا۔

تب ہی ایک دن زوار نے اسے کال کی تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"یہ کیا کیا زوار، یہ کیا کیا؟ آ..... آپ تو مجھ سے محبت کرتے تھے نا، میرا یقین غلط نہیں ہو سکتا، آپ مجھے ہی چاہتے تھے پھر مجھے اپنی صفائی کا ایک موقع تو دیتے....."

"روحی..... میں نے زندگی میں تم سے اور صرف تمہیں سے محبت کی ہے۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولا تو روحینہ کے آنسو تھم سے گئے "اور مجھے تم سے کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔"

"تو پھر..... شادی سے انکار کیوں کیا..... اس وقت جب مجھے اپنے سائے تک سے خوف محسوس ہونے لگا ہے، مجھے تنہا کیوں کر گئے..... آپ یں جانتے کہ اس واقعے نے مجھے کیسا کر چی کر چی کر دیا تھا تو لوگوں کو مجھ پہ ترس کھانے کا موقع کیوں دیا آپ نے؟"

"کیونکہ میری انا اور غیرت میری محبت پہ حاوی آ گئی روحی۔" اس کی بات ایک کوڑے کی طرح روحینہ کی روح پہ لگی "میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ تمہارا وہ ٹوٹا بکھرا وجود اپنی بانہوں کے بچے سے کھرچ سکوں، یہ فراموش کر سکوں کہ مجھ سے پہلے تمہیں کسی مرد نے چھوا..... اتنے ناپاک ارادوں سے چھوا..... میرے تخیل میں بھی جب وہ منظر ابھرتا ہے کہ وہ رذیل شخص تمہارے لباس کو..... میرا بس نہیں چلتا کہ..... میں اس کی لاش کو گلیوں میں گھسیٹتا پھروں..... لیکن پھر احساس ہوتا ہے کہ میں..... کچھ نہیں کر سکتا اور..... یہ بے بسی مجھے مار رہی ہے روحی۔" وہ انتہائی لاچارگی سے کہہ رہا تھا۔

"پر اس سب میں میرا کیا قصور ہے زوار؟" وہ بلکی "مجھے کس بات کی سزا دی ہے آپ نے؟۔ وہ بے حمیت شخص تو خدا کے قہر کا شکار ہو گیا پر مجھے کیوں بے موت مرنا چاہتے ہیں؟..... ہم۔ ہم اپنی خوشیوں کو اس کی وجہ سے ماتم میں کیوں بدلیں؟"

"اس ناکردہ گناہ کی پاداش ہم دونوں بھگتیں گے روحی، میں نے اپنی روح کا قتل کر کے تم سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا ہے..... میں نے پورا ہفتہ سوچا لیکن میں..... میں شادی کر بھی لیتا تو تمہیں وہ عزت اور مقام نہ دے پاتا جس کی تم حق دار ہو..... ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا....."

"زوار..... زوار۔" وہ بے قراری سے چیخی لیکن لائن کٹ چکی تھی اور یہ آخری گفتگو اس سے جینے کی چاہ ہی چھین لے گئی تھی۔

پورے خاندان میں طرح طرح کی باتیں بن رہی تھیں۔ لوگ ملک وجاہت کی پراسرار موت اور زوار کے انکار کی کڑیاں جوڑ رہے تھے اور ان سے بنتے مبہم لیکن مکروہ خاکے گھر گھر موضوعِ گفتگو بنے ہوئے تھے۔ روحینہ بے خطا ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی گھر میں نظریں چرائے ایک کونے میں پڑی رہتی، اسے اپنے ماں باپ سے بھی شرم محسوس ہوتی جو چند دن میں ہی اپنی عمروں سے کئی سال بوڑھے لگنے لگے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکول جانا ہی چھوڑ دیا تھا کہ لوگوں کے سوال اور کھوجتی نظریں ان سے سہی نہ جاتی تھیں۔ بڑی بیٹی کی جوانی میں بیوگی اور چھوٹی کی شادی ٹوٹ جانے کے پے در پے حادثات نے ان بے چاروں کی کمر ہی توڑ دی تھی۔ اور پھر

www.pklibrary.com

ایک صبح وہ خاموشی سے اس دنیا کی جھوٹی ہمدردیوں اور چبھتی فقرے بازیوں سے پردہ ہی کر گئے۔ روحینہ اور ماں صدمے کے عالم میں سسکتی رہیں لیکن ان کے آنسو جانے والے کو تو نہیں روک سکتے تھے۔ ثمینہ عدت میں ہونے کے باعث باپ کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکی تھیں۔

باپ کی موت کا بھی بالواسطہ ذمہ دار اب روحینہ کو ہی ٹھہرایا جانے لگا تھا۔ اس کی ماں اب ہر آنے جانے والے سے اس کے لیے رشتہ لانے کو کہتیں کہ وہ جلد از جلد اسے بیاہ دینا چاہتی تھیں۔ خاندان کے لوگ تو ایسے غائب ہوئے تھے کہ پہلے روحینہ کی تعزیتوں کے پل باندھنے والی خواتین اب چھوٹے منہ بھی اپنے بیٹوں کے نام نہیں لیتی تھیں اور تب ہی نزہت تائی اپنے ادھیڑ عمر دیور کا رشتہ روحینہ کے لیے لائی تھیں۔ وقار کو پہلی نظر دیکھ کر تو سکینہ بی بی کا دل کانپ سا گیا کہ وہ نہیں سے بھی ان کی شہزادی جیسی بیٹی کے قابل نہیں تھا لیکن حالات کے بدلتے رخ نے ان سے یہ کڑوا فیصلہ کروا ہی لیا۔ روحینہ کو تو اب زندگی سے ہی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی سو جذبات سے عاری ایک پتھر وجود لیے سسرال چلی آئی۔ جہاں اس نے صحیح معنوں میں زندگی کی تلخیوں کے مزے چکھے۔ شروع شروع میں وہ بوکھلائی، مدد کے لیے شوہر کی طرف نگاہ کی لیکن اسے اپنے بھائی بھاوج کے نفسیاتی دباو میں دیکھ کے ساری مزاحمت ہی ترک کر دی اور پھر ساری زندگی ایک کولہو کے بیل کی طرح گزاری جس کی زندگی کا مقصد صرف دوسروں کی خدمتیں کرنا اور جھڑکیاں کھانا تھا۔ اس کی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی ماں بھی چل بسی تو نام کی ہی سہی میکے کی چھاؤں بھی اس سے چھن گئی۔

ثمینہ تو بس ایک بار ہی اس کے شوہر اور سسرال والوں سے ملی تھیں اور ان کا دل چاہا تھا کہ ملک وجاہت کو قبر سے نکال کے اس کی بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیں کہ جس کی ہوس اور بدنیتی کی آگ نے ان کا میکا جلا کے خاکستر کر ڈالا تھا اور سب سے زیادہ خسارہ روحینہ کے حصے میں آیا تھا جو اب کسی زاویے سے زندہ انسان لگتی ہی نہ تھی۔ اور ثمینہ کی واپسی پہ اس نے ہی التجا کی تھی کہ وہ اب آئندہ اس کے گھر کبھی نہ آئیں کیونکہ وہ لوگ ثمینہ کے سامنے ہی روحینہ سے جیسا برتاؤ کر رہے تھے، روحینہ کو اپنی ہتک سے زیادہ بہن کی دل آزاری کا سوچ کر دکھ ہو رہا تھا۔ ثمینہ نے چلتے چلتے کچھ پیسے اس کے ہاتھ پہ رکھنے چاہے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"رکھ لو میری جان، اپنے لیے کچھ لے لینا۔"

"میرے پاس سب کچھ ہے بجیا، اب اور کوئی خواہش نہیں۔" دھلے لٹھے چہرے پہ اس کی مسکراہٹ نے ثمینہ کو ایک پل کو خوف زدہ سا کر دیا تھا۔

"روحی..... مجھے اس گھر کے حالات کا اندازہ ہو رہا ہے، میں تمہیں ہر مہینے کچھ رقم بھیج دیا....."

"نہیں بجیا۔" اس نے فوراً بات کاٹی "الحمدللہ میرے شوہر اتنا تو کما لیتے ہیں کہ دال روٹی اچھا چل جاتا ہے، اور پھر بھی ضرورت پڑی تو آپ سے ہی کہوں گی نا۔"

وہ ان کے گلے لگتے ہوئے بولی تو ثمینہ کو اس جملی پہ بیک وقت پیار، ترس اور غصہ آیا تھا جو ان لوگوں کا بھی بھرم رکھ رہی تھی۔ وہ بھاری دل سے واپس چلی آئیں اور اس کے بعد سے دونوں بہنوں کا تعلق صرف فون تک محدود رہ گیا تھا۔

بچے بڑے ہوئے تو ثمینہ شہر آ کر بس گئیں کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ حویلی میں رہتے ہوئے بچوں کو بھی ان کے باپ کے کرتوتوں یا اس کی موت کی حقیقت کا پتا چل جاتا، انہوں نے اپنے بچوں کے ذہن میں باپ کا مسخ شدہ خاکہ بنانے کے بجائے دل پہ پتھر رکھ کے ایک من گھڑت آئیڈیل شخص تشکیل دیا تھا جب ہی دونوں بچوں کو ہی اپنے باپ سے بے حد انسیت تھی۔

روحینہ کی بیٹی ہوئی تو دونوں بہنیں فون پہ بات کر کے خوب روئیں، ثمینہ کی دلی خواہش تھی کہ اس

www.pklibrary.com

کا نام زمل رکھا جائے، روحینہ نے یہ ہی نام رکھنا چاہا تو حسب معمول اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے بچی کا نام زرار رکھ دیا گیا تاہم ثمینہ اس کو کو ہمیشہ زمل ہی پکارتی تھیں۔ بن دیکھے ہی انہیں اس بچی سے بے حد محبت تھی جو ان کی بہن کی حیات کا واحد مقصد اور خوشی تھی۔

جب ہی روحینہ کی وفات پہ انہوں نے فوراً ہی زمل کا ہاتھ اس کی تائی سے مانگ لیا تھا، اس لالچی عورت نے جتنے پیسے مانگے انہوں نے روحینہ کی روح کو سکون پہنچانے کی غرض سے اس سے بڑھ کر اسے دیا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے گھر آ کے زمل اپنی گزشتہ زندگی کے سارے دکھ اور محرومیاں بھول جائے گی، انہیں کیا خبر تھی کہ پہلے باپ نے جس عورت کی زندگی ویران کر دی تھی، اس کا بیٹا آج اسی عورت کی بیٹی کو زندہ درگور کرنے چلا تھا۔

☆☆☆

میران کے دل میں شدت سے خواہش ابھری تھی کہ کاش یہ سب جاننے سے پہلے وہ اپنی قوت سماعت سے محروم ہو جاتا۔ وہ آیا تو ماں کی دل جوئی کرنے تھا لیکن اب ان کا سامنا کرنے کی سکت باقی نہ بچی تھی سو الٹے پیروں واپس ہو لیا۔ کمرے میں آ کر یہاں وہاں ٹہلتا رہا پر کسی پل قرار نہ آتا تھا۔ باپ کا قبیح ماضی، ماں کی دردناک زندگی اور زمل پہ گزرنے والی اذیتیں جیسے ہر لمحے اب اس پہ کوڑے برسا رہی تھیں، وہ ضمیر کی چبھن اور سالوں پرانے اس تعفن زدہ راز کے افشا ہونے پہ ادھ موا سا ہو گیا تھا۔ اس جذباتی اٹھان سے گھبرا کے اس نے چابی اٹھائی اور تیزی سے باہر نکلا۔ حویلی کے چوکیدار نے اسے بیچ رات برستی بارش میں باہر جاتے دیکھ کے پوچھنا چاہا لیکن وہ بنا ایک لفظ بولے گاڑی بھگا لے گیا۔

چوکیدار نے اندر ملازمہ کو کال کر کے سب گھر والوں کی خیریت پوچھی کہ کیا کوئی بیمار تھا جو اس وقت میران اس تیزی میں گیا تھا۔ ملازمہ نے فوراً ہی ثمینہ کو اطلاع کی تھی، وہ افتاں و خیزاں میران کے کمرے میں پہنچیں، وہ فون گھر چھوڑ گیا تھا سو کال کرنا بے کار تھا۔ انہوں نے اسی وقت دو ملازمین کو اس کے پیچھے دوڑا یا تھا۔ وہ میران کے غصے سے واقف تھیں جب ہی از حد خوف زدہ تھیں کہ جانے اب وہ کیا کرنے والا تھا۔

میران اس جل تھل موسم کی پروا کیے بغیر اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا، رہ رہ کے اسے زمل سے اپنا رویہ اور اس کی آنکھوں کی بے یقینی یاد آتی اور بار ندامت اور بڑھ جاتا۔ اس نے نفرت سے اپنے ہاتھ کو دیکھا جس سے زمل کے بال کھینچے تھے اور تبھی سامنے سے ایک ٹرک کی ہیڈ لائٹس اس کے منہ پہ پڑیں، اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں، وہ ہڑبڑاہٹ میں گاڑی سنبھال نہیں پایا اور گاڑی سڑک کنارے رکھے پتھروں اور درختوں سے ٹکراتی گہری کھائی میں گرتی چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے دھیرے دھیرے بمشکل آنکھیں کھولیں کیونکہ پپوٹوں پہ بہت وزن محسوس ہو رہا تھا تو خود کو کئی طرح کی پٹیوں میں جکڑا پایا۔ اس نے اذیت سے آنکھیں بھینچیں۔

"میں زندہ ہوں....." میران نے انتہائی بے بسی سے سوچا، اسے اب زندہ رہنے کے خیال سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ہاسپٹل لایا کون ہوگا کہ آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور زمل کو اندر آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں کیونکہ وہ فی الحال اس سے نظر ملانے کا قطعاً متحمل نہیں تھا۔ (تاہم دل نے سب سے پہلے اسے ہی دیکھنے کی تمنا کی تھی۔)

وہ آئی سی یو کا مخصوص حفاظتی گاؤن پہنے آہستہ آہستہ چلتی میران کے بیڈ تک آئی اور قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ میران اپنے چہرے پہ اس کی نظریں پوری طرح محسوس کر رہا تھا۔

"آپ نے مجھے ایک پل کے لیے بھی بیوی کا درجہ نہیں دیا، میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا....." وہ سرگوشی میں بولنا شروع ہوئی تو میران اپنا نامہ اعمال

www.pklibrary.com

یاد کر کے پھر سے جلتے انگارے خود سے لپٹتے محسوس کرنے لگا۔'' آپ نے مجھے دوسروں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا، میں چپ چاپ نوکروں کی طرح رہتی رہی، آپ نے میرے کردار پہ انگلی اٹھائی، میں برداشت کر گئی..... لیکن۔ آپ کی اس حالت نے میرے صبر و ضبط کی حدیں توڑ دی ہیں۔''

اس کے بے آواز آنسو میران کے بازو پہ گرے تو وہ ششدر رہ گیا۔

''آپ نے اتنے عرصے جو جیسے کہا میں نے کیا ،بس ایک حویلی سے جانے کی بات نہ مانی تو اس کی اتنی بڑی سزا نہ دیں۔ اٹھ جائیں پلیز..... آنکھیں کھول دیں..... آپ کو ایسے بے حس و حرکت دیکھ کے میرا دل دھڑکنے کی خواہش بھولنے لگا ہے..... آپ واپس آجائیں۔ آپ۔ آپ جو کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی، تاحیات آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی بس ایک بار..... آپ کو..... اس نفرت کا واسطہ جو آپ کو مجھ سے ہے، آپ کو۔ اس محبت کا واسطہ جو مجھے آپ سے ہے.....''

وہ پھوٹ پھوٹ کے روتے ہوئے میران کے بیڈ پہ رکھے بازو پہ سر ٹکا گئی اور میران..... وہ تو حیرت کے بھنور میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی کوئی ایسی نیکی بھی تھی جس کے عوض اسے ایسی شریک حیات ملی تھی جو ہر طرح کی تلخی و سختی سہنے کے باوجود اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔ اس کا دل چاہا اس روتی بلکتی لڑکی جو اس کی اولین محبت تھی ایک لمحے سے بھی پیشتر اپنے دل میں چھپا لے لیکن اس کا اعترافِ محبت اتنا جاں فزا تھا کہ وہ جان بوجھ کے ساکت لیٹا اسے سن رہا تھا جو اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیے روتی جاتی تھی، بولتی جاتی تھی۔

''آپ نے جب پہلی بار مجھ سے شادی کی بات کی تھی، میں ان دیکھی بیڑیوں میں قید تھی لیکن میں نے دل میں چپکے سے دعا مانگی تھی کہ اللہ اس مرد کو جو مجھ سے اتنے احترام سے مخاطب ہے، میرا نصیب بنا دے..... قسمت کے پھیر نے ہمیں مل کے بھی ملنے نہ دیا، آپ کو نہ جانے کیا غلط فہمیاں تھیں لیکن میر..... میری زندگی میں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد نہ کوئی مرد تھا نہ آسکتا ہے..... میں۔ میں پاک دامن ہوں..... پھر بھی صرف آپ کی خوشی کے لیے میں حویلی سے چلی جاؤں گی بس ایک بار..... ایک بار پلٹ آئیں پلیز.....'' اس کی گریہ زاری میران جیسے قوی اعصاب مرد کا بھی دل پگھلائے دے رہی تھی، قریب تھا کہ وہ کچھ کہہ اٹھتا تب ہی ایک نرس نے آکر زمل کا سر تھپتھپایا۔

''بس کرو زارا، رو رو کے تم نے اپنا حشر خراب کر لیا ہے، دعا کرو، اللہ اپنا کرم کرے گا۔''

''میں کیا کروں رینا..... میرے دل کو قرار نہیں آتا، مجھے لگتا ہے میں دعا کرنا بھول گئی ہوں یا پھر میری فریاد کو شرفِ قبولیت ہی حاصل نہیں ہوتا..... تم نے ہی تو کہا تھا کہ کومہ کا مریض سب سن اور سمجھ رہا ہوتا ہے تو پھر آج بیس دن ہو گئے ہیں میران کیوں نہیں اٹھتے.....''

میران بھونچکا رہ گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید حادثے کے کچھ گھنٹے بعد ہی اسے ہوش آگیا ہے، بیس دن گزر گئے تھے، اسے خبر ہی نہ تھی۔

''تائی صحیح کہتی ہیں میں منحوس ہوں، خود سے منسلک ہر رشتے کو کھا جاتی ہوں لیکن میران..... رینا میں مر جاؤں گی اگر میران کو کچھ ہو گیا تو..... تم دعا کرو۔ اللہ ان سے پہلے مجھے بلا لے۔'' وہ نیم پاگلوں کی طرح بول رہی تھی اور میران اس کی محبت کی شدت دیکھ کے بیک وقت حیران، نادم اور مغرور ہو رہا تھا۔

''لیکن تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا زارا (رینا زمل کے محلے میں ہی رہتی تھی اور اسے بچپن سے جانتی تھی)، باہر جا کر اپنی ساس کو دیکھو، ان کی حالت بھی کتنی خراب ہے۔''

''ان کا تو سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے رینا، ایک دنیا سے ٹکر لے کر انہوں نے اپنے شہزادے جیسے بیٹے کے لیے مجھ یتیم معمولی سی لڑکی کو چنا اور بدلے میں انہیں کیا ملا..... بیٹے کو

www.pklibrary.com

زندگی اور موت کی جنگ لڑتے دیکھ رہی ہیں، میری سمجھ میں ہی نہیں آتا میں ان سے کیا کہوں۔"

"اور وہ تمہاری تائی تو محلے بھر میں کہتی پھر رہی ہے کہ...... زارا کی شادی اکبر سے ہونے والی ہے......" اس بات پہ زل کی گرفت غیر ارادی طور پہ میران کے ہاتھ پہ مضبوط ہوئی تھی۔

"میں میران کی ہو چکی اور ان کی ہی رہوں گی، جیتے جی تو ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے والی، ہاں میری لاش سے ان کو جو حاصل کرنا ہے کریں۔" پھر پلٹ کے میران سے سرگوشی میں بولی "سن رہے ہیں؟...... باہر کی دنیا کے بھیڑیے آپ کی بیوی کو نگلنے کو تیار بیٹھے ہیں، میر...... اٹھیں، مجھے آپ کا مضبوط سہارا اور محفوظ پناہ چاہیے...... میر مجھے آپ چاہییں...... صرف آپ۔"

وہ پھر سے اس کے ہاتھ پہ سر ٹکا کے رونے لگی تب ہی میران نے دھیرے سے پلکوں کو حرکت دی، پاس کھڑی رینا بے اختیار اونچی آواز میں بولی۔

"اوہ گاڈ! یہ ہوش میں آ رہے ہیں، میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

زل نے جھٹکے سے سر اٹھا کے بے یقینی سے پہلے اسے اور پھر میران کو دیکھا جو ہولے ہولے آنکھیں کھول بند کر رہا تھا، رینا ڈاکٹرز کو کال کر رہی تھی، زل بس ایک ٹک میران کو دیکھتی الٹے قدموں آئی سی یو سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

نہ جانے کون دعاؤں میں یاد کرتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

کے مصداق اتنے خطرناک حادثے کے بعد بھی میران کو سر کی چوٹ کے علاوہ کوئی بڑی چوٹ نہیں آئی تھی، جب کہ گاڑی چکنا چور ہو گئی تھی۔ اس کے ہوش میں آنے کی خبر سے ہاسپٹل میں ایک شور مچ گیا تھا۔ ثمینہ نے ہزاروں روپے خیرات کر دیے تھے، زل کو لپٹا کے خوب خوب روئیں، جبکہ وہ تو اس معجزے پہ رب کا شکر ادا کرنے کا سلیقہ ہی خود میں نہ پائی تھی۔

دو دن بعد میران کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ ثمینہ اسے شہر والے بنگلے میں ہی لے آئی تھیں کہ گاؤں واپس جانے کے خیال سے ہی انہیں وحشت ہو رہی تھی۔ وہ ہاتھ کے چھالے کی طرح میران کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ زل نے محسوس کیا تھا کہ گھر واپس آنے کے بعد سے ان کا رویہ زل سے تھوڑا خشک سا ہو گیا تھا۔ وہ اس سے صرف نپی تلی رسمی سی گفتگو کرتیں باقی سارا وقت میران کے ساتھ ہی رہتیں۔ وہ خود ایک بار بھی میران کے سامنے نہیں گئی تھی۔

اس نے میران سے کہا تھا کہ ثمینہ کے آنے پہ ہی گھر سے جائے گی، اسے آس تھی کہ شاید وہ ہی اس کی وکالت کریں گی لیکن اب وہ جس طرح اسے نظر انداز کر رہی تھیں، زل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کی اس گھر اور میران کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔ اور پھر اپنی روح کو ٹوٹے کانچ سے کھرچتے اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

وہ میری روح کی چادر میں چھپ گیا ایسے
کہ روح نکلے تو وہ نکلے، جو وہ نکلے تو روح نکلے

☆☆☆

زحالِ مسکیں مکن تغافل
(اس مسکین کے حال کو نظر انداز نہ کر)
درائے نیناں بنائے بتیاں
(آنکھیں پھیر کر، باتیں بنا کر)
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں
(میری جان اب جدائی کی تاب نہیں مری جان)
نہ لے ہو کاہے لگائے چھتیاں
(مجھے اپنے سینے سے لگا کیوں نہیں لیتے)
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم بہ برد تسکین
(پلک جھپکتے وہ دو ساحر آنکھیں میرے دل کا سکون لے اڑیں)
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
(اب کسے پڑی ہے کہ جا کر پیارے محبوب کو ہمارا حالِ دل سنائے)

www.pklibrary.com

"میں جارہی ہوں، کہاں جاؤں گی؟ پتا نہیں، ہاں اس جہنم میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی جہاں سے نکال لانے کا احسان خالہ نے مجھ پہ کیا تھا۔ آپ کے نام کے علاوہ اس گھر کی ہر چیز چھوڑے جارہی ہوں، چیک کر لیجیے گا، اس وعدے کے ساتھ کہ تاعمر اب آپ میرا چہرہ بھی نہیں دیکھیں گے۔ (زمل)

میکے سے لائے ہوئے پانچ جوڑے جو اتنے دنوں میں دھل دھل کر رنگت بھی کھو چکے تھے، اور اپنی تعلیمی اسناد ایک بیگ میں بند کر کے اس نے یہ چھوٹا سا پیغام لکھ کر کاغذ کو تہ کیا اور کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے باہر دیکھنے لگی، دور دور تک سیاہ رات اپنے پر پھیلائے نظر آئی تھی، اسے کائنات پہ پھیلے گگن کی سیاہی اپنے نصیب کی مانند ہی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ اس کی اس گھر میں آخری رات تھی، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ یہاں سے نکل کر وہ کیا کرنے والی تھی۔ طلاق کا خوف اس کے دماغ پہ ایسا سوار تھا کہ وہ ایک پل بھی یہاں رکنے سے انکاری تھی کہ کہیں میران سے سامنا ہو اور وہ اس سے اپنے نام کا حوالہ تک چھین لے۔ وہ دن میں ہی نکل جاتی لیکن دل تھا کہ میران کی ایک جھلک دیکھ لینے کی ضد پہ اڑا بیٹھا تھا۔ میران کی دواؤں میں نیند تھی یہ اسے معلوم تھا، تب ہی وہ رات کے گہرے ہونے کی منتظر تھی ورنہ دن بھر تو ثمینہ یا کوئی نہ کوئی ملازم سائے کی طرح میران کے ساتھ ہوتے تھے۔

آدھی رات کو وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی، پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بے آواز چلتی میران کے کمرے تک پہنچی، یہاں وہاں دیکھا، ڈور ناب پہ اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ رکھا اور دھیرے سے ذرا سا دروازہ کھول کے اندر جھانکا، کمرے میں اندھیرے کا راج تھا اور نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دبے پاؤں اندر آ کے دروازہ بند کرتی پنجے تلے قدم اٹھاتی میران کے بیڈ تک آئی، وہ چادر اوڑھے بے خبر سو رہا تھا، زمل جیسے اس کا نقش نقش آنکھوں کے ذریعے صحیفہ دل پہ محفوظ کرنے لگی۔ اسے لگا جیسے وہ خود پہ ضبط کھو رہی ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو امڈے چلے آرہے تھے، وہ پیغام لکھا کاغذ اس کی ٹیبل پہ رکھ کے مڑی اور ابھی دروازے کے قریب ہی تھی کہ بٹن کی آواز سے کمرے کی لائٹ آن ہوگئی، وہ واقعتاً اپنی جگہ پہ جم سی گئی تھی۔

"جیولری اور پیسے تو لاکر میں رکھے ہیں، یہاں کیا چرانے آئی تھیں؟" میران کے طنز پہ وہ تڑپ کے پلٹی

"میں..... کچھ چرانے نہیں آئی تھی۔"

لیکن میران اب اس کی بات نظر انداز کر کے وہ کاغذ پڑھ رہا تھا، زمل لب کاٹتی سر جھکائے وہیں کھڑی رہی۔

"ہوں..... لیکن مجھے تمہارا رتی برابر یقین نہیں ہے، اگر تم اسی نام کا حوالہ دے کر دوبارہ کوئی دعوے کرنے آگئیں تو؟" میران کی سنجیدگی قابلِ دید تھی۔

"میں..... میں کہہ چکی ہوں، اس میں لکھ دیا ہے کہ کبھی..... واپس نہیں آؤں گی۔" یہ کمبخت آنسوؤں کی طغیانی الفاظ کی راہ میں روڑے اٹکائے جارہی تھی۔

"پھر بھی میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا، میں نے جو قانونی کاغذ تیار کروایا ہے، ان پہ باقاعدہ سائن کرو تاکہ میرے پاس پکا ثبوت ہو۔" اور قانونی کاغذ سے زمل کا دھیان طلاق کے کاغذات پر ہی گیا تھا، لمحوں میں اس کا خون خشک ہوا تھا۔

"نن نہیں، میں کوئی سائن نہیں کروں گی۔"

اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیے۔

"دیکھا۔ سامنے آگئی نا تمہاری بدنیتی....." میران فوراً بولا "اگر تم واپس نہیں آؤ گی تو سائن کرنے میں کیا حرج ہے؟"

زمل بے بسی سے اس ظالم صیاد کو دیکھنے لگی جو قید کے خواہاں پرندے کو آزاد کرنے پہ مصر تھا۔ میران نے سائیڈ ٹیبل سے ایک لفافہ کھول کر چند کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ لو، ان کو پڑھ کے سائن کر دو۔"

اور زمل کے تو جیسے پیروں تلے زمین نے اپنے شکنجے میں کس لیے تھے، وہ پلک جھپکائے بغیر میران اور

www.pklibrary.com

اس کے ہاتھ میں دبے کاغذات کو دیکھ رہی تھی جیسے پروانہ موت جاری کر دیا گیا ہو۔

وہ گھسٹتے قدموں سے بیڈ تک پہنچی اور میران کے ہاتھ سے کاغذات لے لیے۔ اس کا دل اتنی گہرائیوں میں ہولے سہمے دھڑک رہا تھا کہ زمل کو سانس لینے میں دقت ہونے لگی۔ اس نے وحشت بھری نظروں سے پہلا کاغذ پڑھنا شروع کیا

میرا سوچنا تیری ذات تک
میری گفتگو تیری بات تک
نہ تم ملو جو کبھی مجھے
میرا ڈھونڈنا تجھے پار تک
کبھی فرصتیں جو ملیں تو آ
میری زندگی کے حصار تک
میں نے جانا کہ میں تو کچھ نہیں
پہل پہلے سے تیرے بعد تک

پہلا مصرعہ پڑھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے، بے آواز روتے روتے آخری مصرعہ آنے تک اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، وہ وہیں زمین پہ گھٹنوں کے مل بیٹھ کے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے زاروقطار رو رہی تھی۔ اس کی دعائیں رنگ لے آئی تھیں۔

میران نے اس کے لرزتے وجود کو بے حد نرمی سے اٹھا کے اپنے سامنے کھڑا کیا، زمل نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تو اس کی گریہ سے لال آنکھیں دیکھ کر تاسف میں گھر گیا، بے اختیار ہی اس کے آنسو پونچھے۔

"پھانسی کے مجرم کو بھی اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا حق ہوتا ہے اور تم بغیر کچھ کہے، مجھے معافی کا موقع دیے بنا میری دنیا اندھیر کرنے چلی تھیں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھنے لگا تو زمل نے لب بھینچ کے مزید آنسوؤں کا گلا گھونٹا۔

"میں مانتا ہوں کہ مجھ سے نام جڑنے کے بعد کا یہ عرصہ تم نے بہت اذیت میں گزارا ہے لیکن خدا گواہ ہے زمل..... کم تڑپ میرے حصے میں بھی نہیں آئی..... بلکہ جب تم نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے انکار کیا میرا دل تو تب سے ہی بنجر ہو گیا تھا۔ پھر بھی میں تمہارے کردار پہ تہمت لگانے پہ تم سے تہ دل سے معذرت کرتا ہوں..... اس گناہِ کبیرہ کے بوجھ سے میرے ضمیر کو آزاد کر دو پلیز..... مجھے معاف کر دو۔" میران نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ بے ساختہ اس کے ہاتھ تھام کے کھول گئی۔

"حالات جس طرح آپ کے سامنے لائے گئے تھے، کوئی بھی مرد ایسا ہی ردِعمل دیتا۔ مجھے..... آپ سے کوئی شکایت نہیں، آپ ایسے مت کریں۔" وہ نظر جھکائے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایک شرط پہ۔"

میران کے کہنے پہ اس نے ذرا سی ذرا نظر اٹھائی۔

"میں آئندہ ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہ دیکھوں، وعدہ کرو۔" میران کے کہنے پہ ایک پھولوں سی تازہ مسکاہٹ زمل کے لبوں پہ چمکی۔

"وعدہ۔"

"اور میں بھی آج ایک وعدہ تمہارے آنچل میں باندھتا ہوں کہ عمر بھر تمہیں کبھی تنہا نہ چھوڑوں گا، ہر دکھ سکھ میں میری بانہیں تمہاری پناہ گاہ ہوں گی، ہوا کا گرم جھونکا بھی تم سے پہلے مجھے چھوئے گا..... میں تمہاری گزشتہ زندگی کے دکھوں کا مداوا تو نہیں کر سکتا لیکن میں تمہیں اتنی محبت دوں گا کہ تمہاری آنے والی زندگی ان شاء اللہ پھولوں سے بھری ایک مہکتی رہگزر بن جائے گی....."

میران اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے پہ رکھے دھیرے دھیرے امرتِ عشق اس کے کانوں میں گھول رہا تھا اور زمل کا دل خدائے عزوجل کے سامنے سجدہ ریز تھا جس نے ایک طویل تاریک رات کے بعد اس کا بخت ستارہ سحر سے منور کر دیا تھا۔

روحینہ نے بے شک ایک دردناک زندگی گزاری لیکن اس کے صبر اور نیک اعمال کے اجر کے طور پہ مالکِ کل کائنات نے اس کی اولاد کے نصیب کو افشاں سے سجا دیا تھا۔

☆☆

www.pklibrary.com

مکمل ناول

اُمّ طیفور

گنوا کر دل و جاں ہم

ساتویں قسط

"ہم سب اس کہانی کے کردار ہیں جس کا دورانیہ بہت کم رہ گیا ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنا کردار ادا کر کے چلے گئے ہیں اور باقی جانے والے ہیں۔ کہانی کے وہ کردار یاد کیے جائیں گے، جنہوں نے لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کی، بدلہ نہیں لیا۔ طاقت کے ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیا اور ہلاکت ہو گی ان کے لیے جو اپنی انا کا شکار ہوئے، جنہوں نے اپنی خوشی اور سکون کی خاطر لوگوں کا جینا حرام کیا۔!! بے شک ہر کردار کو کیفر کردار تک پہنچتا ہے۔ صبر بھی رنگ لاتا ہے اور غصہ بھی رنگ لاتا ہے مگر صبر کے رنگوں سے زندگی حسین ہو جاتی ہے جبکہ غصے کا رنگ محبت اور وقار کے ہر رنگ کو نگل جاتا ہے۔"

ماضی میں حویلی لکھاں کے نام سے پہچانی جانے والی حویلی کب کی ماضی کی راکھ میں دب چکی تھی۔ اب اس حویلی کا وہ حصہ جو چوہدری شہاب الدین راؤ کی رہائش گاہ ہوا کرتا تھا سبز حویلی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جس حویلی کے دالان میں کبھی چوہدری شہاب الدین کا کروفر پوری آن بان سے براجمان تھا اب وہاں چوہدری حیات راؤ اپنی انکساری اور حلیمی کا تاج سر پہ سجائے ہوئے تھے۔ چوہدری شہاب کی زندگی کی شام ہو چکی تھی اور وہ ایک لاچار اور بے بس وجود تھے جو سارا وقت بستر پہ ہوتے تھے لیکن دل کی کیفیت آج بھی روز اول جیسی تھی۔ نہ نرم ہو سکا تھا نہ اپنے گناہ قبول کرنے کا حوصلہ جمع کر سکا تھا۔ انہیں یہی لگتا تھا جیسے سب ان کے ساتھ ظلم کرتے آئے ہیں اور اب بھی روا رکھے ہوئے ہیں۔ بستر پہ پڑے پڑے انہیں ماضی ستاتا تھا اور بے تحاشا یاد آتا تھا لیکن اس میں بھی وہ خود کے لیے کرلاتے تھے۔ اس خود ساختہ مظلومیت نے ان کی جانب سے سب کو متنفر کر ڈالا تھا لیکن ان کے لیے وقت اور حالات ویسے ہی گزر رہے تھے جس تناظر میں وہ دیکھنا چاہتے تھے۔

شرفو ان کا مساج کرنے کے بعد نہلا دھلا کے صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تھوڑی دیر وہیل چیئر پر بٹھا کر باہر لے گیا تھا۔ لیکن اب جھک جھک کے سلام کرنے والوں کے انداز بدل چکے تھے۔ لوگ اب بھی انہیں دیکھتے ہی ادب سے سلام کرتے مگر انداز میں خاکساری نہیں رہی تھی۔ یہی چوہدری شہاب تھے جن کو کبھی کسی کے سلام کرنے کے انداز میں کوئی کمی دکھ جاتی تو کھیڑی سے بجے پیر کا ٹھڈا زوردار انداز میں مقابل کو دے مارتے تھے بھلے سے اس کے پیٹ میں لگے یا پیٹھ پہ۔ انہیں پسند تھا کہ کمینوں کا پیروں میں لوٹ پوٹ ہونا۔ مگر اب ان کا دور گزر چکا تھا اور حیات راؤ ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ کمیوں کو اپنے برابر بلا جھجک بٹھا لیتے تھے۔ چوہدری شہاب کی قوت گویائی مضطرب ہوئی تھی۔ مگر طنطنہ اور اکڑ کا مینار نہیں ڈھے سکا تھا۔ وہ سرخ جلالی چہرے کے ساتھ شرفو کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں درشتی سے کہہ کر واپس اپنے کمرے میں آ چکے تھے۔ جہازی سائز بیڈ کے ایک جانب وہ نیم دراز تھے۔ شرفوان کی پشت کے پیچھے دو نرم تکیے لگا گیا

www.pklibrary.com

تھا۔انہوں نے شرفو کو بھی کمرے سے باہر بھیج دیا تھا۔دماغ میں غصہ اور نفرت شرائے مارتے دریا کی مانند بہہ رہا تھا۔انہیں اپنی اولاد پہ طیش تھا۔اولاد کی اولاد پہ غصہ تھا۔

حیات راؤ نے ان کے زور دینے کے باوجود چوہدری حاکم کو مہریار کے رشتے سے دوٹوک منع کر دیا تھا اور ان کے کان میں مہریار کی ناپسندیدگی پہنچ چکی تھی۔یہی بات انہیں کاٹ رہی تھی کہ کیا ان کی حیثیت اتنی بھی نہیں رہی کہ ان کے حکم کے مطابق یہ رشتہ طے ہو جاتا۔ان کی بات کو مانا جاتا بھلے کوئی راضی تھا یا نہیں۔ان کے پوتے کا اشتعال انہی کے جیسا تھا لیکن پھر بھی ان کی ضد تھا۔مہریار کو وہ شروع سے اپنے اختیار میں کرنا چاہتے تھے لیکن حالات نے اسے ان سے اس قدر بددل کر دیا کہ وہ یکسر ان سے دور ہوتا چلا گیا۔وہ لیٹے لیٹے چوہدری حاکم سے رابطے کا ذریعہ سوچ رہے تھے۔شرفو بھلے ان کا خیر خواہ تھا لیکن وہ حیات راؤ کے

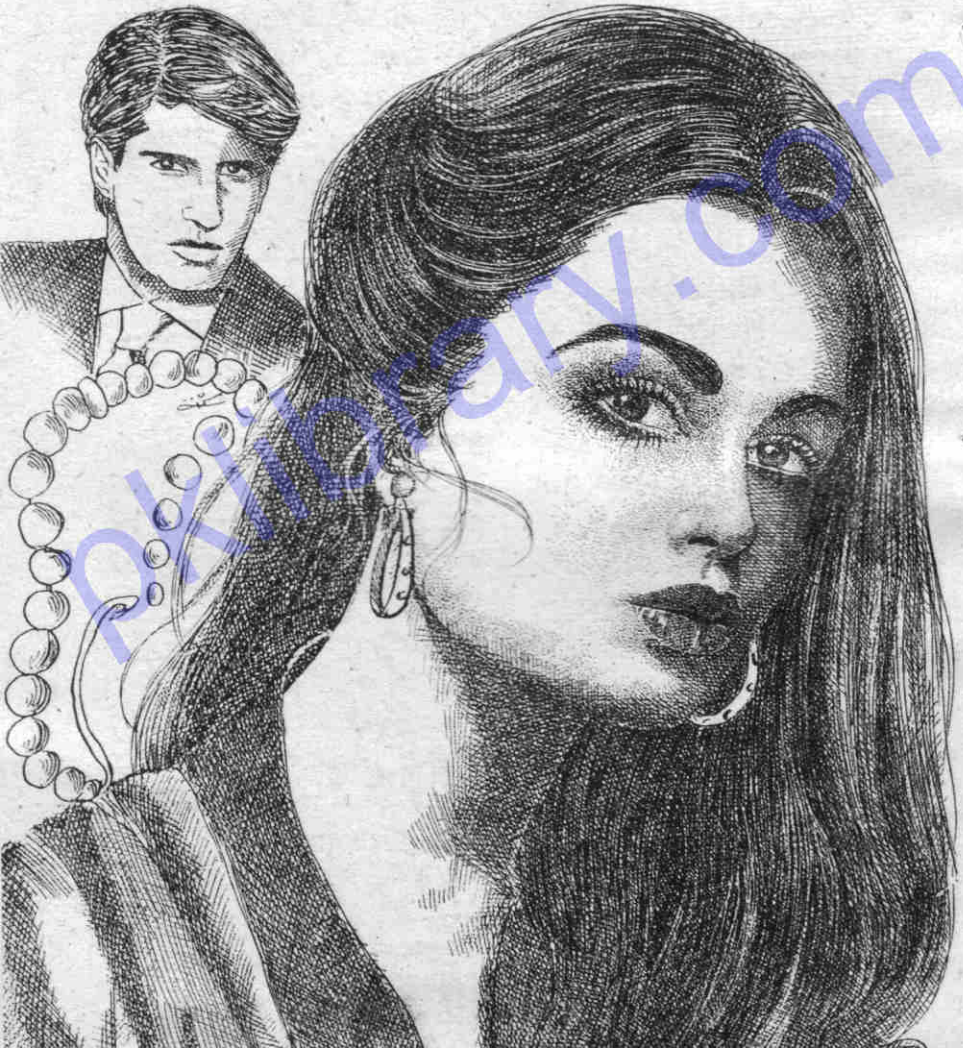

www.pklibrary.com

تابع تھا۔ پچھلی بار بھی شرفو کے ذریعے ہی حاکم کو بلوایا تھا اور انجام بدمزگی پہ منتج تھا لیکن اب ان کا دماغ ایسی چال سوچ رہا تھا جس سے چوہدری حاکم کی بیٹی سے مہریار کا رشتہ طے ہو جائے۔ اور یہ سب وہ محض اپنی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لیے کرنا چاہتے تھے۔ زمانے کو بتانا چاہتے تھے کہ آج بھی وہ سب پہ حکومت کرتے ہیں۔ اپنے بستر پہ لیٹے لیٹے وہ سب کی قسمتیں طے کرتے ہیں اور حویلی کی سلطنت کے اصل تاجدار وہی ہیں۔ وہ یہ بھول گئے تھے کہ چوہدری حاکم وہ شخص ہے جس نے ماضی میں ان کی عزت پہ ہاتھ ڈالا تھا۔

ان کا عصبیت پسند ذہن ٹوٹے ہوئے ان ہی رشتوں کو جوڑنا چاہتا تھا جن کی وجہ سے حویلی کا سکون برباد ہوا، عزتیں اچھالی گئیں اور وہ اپنے پوتے کی نگاہ میں عمر بھر کے لیے معتوب ٹھہرے۔

جب انسان کو اندر سے ضمیر چوٹ مارنے پہ آ جائے تو وہ اس کو دبانے کے لیے انہی لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس حال میں پہنچا ہوتا ہے۔ ان سے بنا کر رکھنے کی کوشش میں نڈھال ہوتا ہے۔ لیکن اپنے ضمیر کے سامنے ہار نہیں مانتا۔

چوہدری شہاب الدین بھی ان سب کڑیوں کو واپس جوڑنا چاہتے تھے جو گناہوں کے زنگ سے آلودہ تھیں لیکن خود کو ایک شخص سے ہارتا نہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ ایک شخص پوری دنیا میں بس ایک ہی تھا۔ چوہدری آفتاب راؤ۔

☆☆☆

نہ منزلوں کو نہ ہم رہ گزر کو دیکھتے ہیں
عجب سفر ہے کہ بس ہمسفر کو دیکھتے ہیں
نہ پوچھ جب وہ گزرتا ہے بے نیازی سے
تو کس ملال سے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں
تیرے جمال سے ہٹ کر بھی ایک دنیا ہے
یہ بیر چشم مگر کب ادھر کو دیکھتے ہیں
کوئی مکاں کوئی زنداں سمجھ کے رہتا ہے
طلسم خانہ دیوار و در کو دیکھتے ہیں
وہ بے خبر میری آنکھوں کا صبر بھی دیکھیں
جو طنز سے میرے دامان تر کو دیکھتے ہیں
یہ جاں کنی کی گھڑی کیا ٹھہر گئی ہے کہ ہم
سبھی قضا کو سبھی چارہ گر کو دیکھتے ہیں
ہماری دربدری کا یہ ماجرا ہے کہ ہم
مسافروں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
فراز ہم سے سخن دوست، فال کے لئے بھی
کلامِ غالب آشفتہ سر کو دیکھتے ہیں

"احمد فراز"

ہسپتال کے نیم تاریک کمرے میں پرسکون خاموشی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ باہر کاریڈورز سے گزرتی نرسوں کے قدموں کی چاپ اور اسٹریچرز گھسیٹے جانے کی چرچراہٹ سماعتوں میں پڑتی تو احساس ہوتا کہ یہ ہسپتال ہے اور یہاں زندگیاں دم توڑتی ہیں تو کبھی بجھتے دیے کی لو جیسی پھر پھڑاتی زندگی کو جینے کی نوید مل جاتی ہے۔ دونوں سروں پہ زندگیاں ہے بس فرق آنے جانے کا ہے۔

ماجرہ نے قرآن پاک بند کر کے اسے چوما اور ہاتھ پہ لپیٹی تسبیح کو آنکھوں سے لگا کے اٹھیں۔ چند قدم کے فاصلے پر ہسپتال کے بیڈ پہ زوہا کا نیم غنودہ سا وجود پڑا تھا۔ انہوں نے اس کے قریب آ کر ایک ہاتھ سے اس کی پیشانی پہ ہاتھ پھیرے بال پیچھے کیے اور اس کے چہرے پہ پھونک ماری۔ ایک طرف دیوار گیر شیلف نصب تھی وہاں قرآن پاک رکھا اور واپس زوہا کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ کر تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔ ان کی نظریں اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔ وہ صبح سے یہاں شفٹ ہو چکے تھے اور اب سہ پہر ہونے کو آئی تھی۔ مہریار نے وقت برباد نہیں کیا تھا بلکہ آنے کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی زوہا کے ضروری ٹیسٹوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اسی سب میں دوپہر ہو گئی تھی اور پھر زوہا کو روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ یہ ایک پرائیویٹ روم تھا۔ کمرے میں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔ اے سی سے لے کر مائیکرو اوون تک۔ لیکن تھا تو یہ ہسپتال کا کمرا اور ہسپتال کے کمرے جتنے مرضی نگزری ہوا کریں کبھی

www.pklibrary.com

بھی انسانی اعصاب پہ اچھا اثر نہیں ڈالا کرتے۔

ہاجرہ کا بھی دل بے چین سا تھا۔ انہیں زمن کی فکر بھی ستائے جا رہی تھی، نا جانے کیا کر رہی ہوگی۔ رونا دھونا نا ڈالا ہو۔ لیکن رباب خان کے ہونے کی تسلی بھی تھی۔ وہ اسے نکل کرنا بخوبی جانتی تھیں۔ زوہا کو نیند آور دوا دی گئی تھی۔ صبح سے اس نے ڈاکٹرز کے ساتھ خاصا تعاون کیا تھا۔ اور ہاجرہ کو حیرت تھی کہ زوہا بالکل پرسکون رہی تھی۔ نہ اس نے شور شرابا ڈالا تھا اور نہ ہی وہ مچلی تھی۔ مہریار مسلسل اس کے ساتھ رہا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر نا جانے اسے کیا کہتا کہ وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کے اسے دیکھتی اور مسکرا دیتی۔ ہاجرہ مہریار کے رویے پہ نثار ہوتی رہیں۔ ورنہ زوہا انجان چہرے دیکھتے ہی قابو سے باہر ہو جاتی تھی۔

اسے نیند میں جاتا دیکھ کر ہاجرہ دھیرے سے اٹھیں اور کھڑکی میں جا کھڑی ہوئیں۔ چمکتی دھوپ میں ہسپتال کا صاف ستھرا لان اور خوب صورت پودے انتہائی دلکش لگ رہے تھے۔ ایک بھولی بسری یاد یادداشت کے پردے پہ سرسرائی۔ وہ تھیں، بے تحاشا پھول تھے اور ان کو نچھاور کرنے والا ان کی متاعِ حیات۔ کیا دن تھے جب ان کے گرد محبت گنگنایا کرتی تھی۔ اچھوتے جذبے دل کو گرمایا کرتے تھے۔ انہیں کسی نے نئی نئی محبت کا ادراک بخشا تھا۔ اور وہ اسی خمار میں اسے ہی اپنی کل کائنات مانے پیچھے چل پڑیں تھیں۔ محبت تو اندھی ہوتی ہے اس لیے انہوں نے بھی اعتبار کی ڈور تھمانے کے بعد پلٹ کے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ چاہنے والے نے انہیں بے تحاشا چاہا تھا۔ اس قدر کہ انہیں خود سے خود ہی محبت ہو گئی تھی۔ وہ جہاں پیر رکھتی تھیں وہاں کسی کی جذبے لٹاتی نگاہیں انہیں ہواؤں میں اڑائے رکھتی تھیں۔ زندگی سبک خرامی سے خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہی تھی پھر اچانک سے فسوں ٹوٹا اور ان کا خواب تھا کوئی جو کرچیوں میں تبدیل ہو کر ان کی زیست کا باب ہی بدل گیا۔ جب طوفان تھما تھا تو نا چاہت تھی نا چاہنے والا۔ جو باقی بچا تھا وہ تھی نارسائی، بے اعتباری اور جدائی اور اسی کو سمیٹے انہوں نے زندگی کے کتنے سال بتا دیے تھے۔ دل آج بھی اسے پکارتا تھا جو ان کی رگوں میں خون بن کے دوڑتا تھا۔ لیکن فرق بس اتنا تھا کہ وہ جو پہلے ان کی دھڑکنوں کی جمع تفریق کر لیا کرتا تھا اب اس قدر دور جا چکا تھا کہ ان کے دل کی ویرانی الہام بن کے اس کے دل میں اترتی نہیں تھی۔ فاصلوں کو چاہتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوا کرتا لیکن جب چاہتوں کے رنگ پھیکے پڑ جائیں تو فاصلے اوس بن کر ان پہ برستے ہیں اور ان کا نقش مکمل دھو ڈالتے ہیں۔

☆☆☆

یہ ایک اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کا بند دروازہ تھا۔ اس نے اپنی جیب سے میگنیٹک کارڈ نکالا اور دروازے کے ہینڈل کے ساتھ متصل مشین میں سلائیڈ کیا۔ دروازہ کلک کی آواز سے کھل گیا۔ وہ کارڈ واپس جیب میں ڈالتا اندر داخل ہوا۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی خودکار نظام کے تحت اپارٹمنٹ کی روپ لائٹس روشن ہو گئی تھیں۔ اندھیرے میں ڈوبا اپارٹمنٹ اب ہلکی روشنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صاف ستھرا ہال جو تھوڑے مگر نفیس فرنیچر سے آراستہ تھا۔

ایک طرف کونے میں اوپن کچن تھا اور اس کے اپل شیپ کاؤنٹر کے گرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین خوب صورت بار اسٹولز پڑے تھے۔ یہی کاؤنٹر ڈائننگ کا کام پورا کرتا تھا۔ اسٹوو پہ ایک خوب صورت چائے کی کیتلی پڑی تھی۔ کچن کے بالکل مقابل دیوار کے ساتھ ایک سنگل بیڈ آراستہ تھا۔ ایک چھوٹی سی سائیڈ ٹیبل اور ان پہ نفاست سے رکھا کتابوں کا ڈھیر۔ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ راڈ آئرن کا بنا لیمپ تھا جس کے شیڈز بند کلی سے مشابہ تھے اور ان کا رخ بیڈ کی طرف تھا۔

بیڈ کی داہنی جانب راکنگ چیئر کی پشت پر خوب صورت سلور جھالر والے میرون پردے لٹک رہے تھے۔

یہ اپارٹمنٹ کا سب سے حسین منظر تھا۔ یہ بالکنی تھی جہاں سے پورا شہر دکھائی دیتا تھا۔ رات کی تاریکی میں جاگتا شہر۔ روشنیوں سے ٹمٹماتا شہر۔ عمارتوں سے مزین اور ان میں رہنے والے گھڑی کی

www.pklibrary.com

سوئیوں کے ساتھ بھاگتے تھکین۔

وہ اپنے تھکے ہوئے اعصاب لیے تھری سیٹر صوفے پہ نیم دراز ہوگیا۔ اسے کافی کی یا پھر چائے کی شدید طلب تھی۔ اس نے ایک بار پھر سوچا کافی یا چائے؟ بس کچھ گرم۔! اس کے ٹھنڈے یخ وجود کو گرمائش چاہیے تھی۔ مگر آلکسی اس کے پورے وجود کو جکڑے ہوئے تھی۔ اس نے ہاتھ سے صوفہ ٹٹولا اور ریموٹ ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ریموٹ کے بجائے اس کا موبائل فون ہاتھ آیا۔ وہ گھر سے باہر جاتے کبھی بھی موبائل ساتھ لے کر نہیں جاتا تھا۔ اسے کبھی کسی کی کال آتی تھی نا اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی تھا۔ بے دلی سے اس نے موبائل کی اسکرین روشن کی تو اس کی اسکرین ان کمنگ کال کی وجہ سے بلنک کر رہی تھی۔ نمبر اس کے لیے انجان نہیں تھا لیکن ایک عرصہ ہوا تھا وہ سب کے لیے اجنبی ہو چکا تھا۔ نا جانے کیا سوچ کے اس نے کال پک کر کے موبائل کان سے لگایا۔ وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ مقابل بھی شاید جانتا تھا کہ جو بھی کہنا ہے اسے ہی کہنا ہے۔ اس لیے اسی نے کہا تھا اور جو کہا تھا وہ سن کے وہ ایک جھٹکے سے لیٹے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کے پورے وجود میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔ دھڑکنیں منتشر ہونے کی بجائے جیسے تھم گئی تھیں۔ بلکہ اسے لگا تھا کہ وقت ہی رک گیا ہے۔

☆☆☆

دو کمروں کا چھوٹا سا پورشن تھا لیکن ہوادار اور صاف ستھرا تھا۔ انیکسی باقی رہائشی حصے سے الگ تھی۔ لیکن ایک طویل راہداری اندر سے دی گئی تھی جو سیدھا انیکسی کے پچھلے دروازے تک جاتی تھی۔ جب کہ انیکسی کا گیٹ کوٹھی کے پچھلی طرف کی سڑک کی جانب کھلتا تھا۔ ایک طرح سے انیکسی کو مکمل پرائیویسی بھی حاصل تھی لیکن اس کا رابطہ مرکزی رہائشی حصے سے بھی قائم رکھا گیا تھا۔

زمن کو پورشن اچھا لگا تھا۔ کم از کم جہاں سے وہ آئی تھی وہاں سے تو بے حد بہترین تھا۔ وائٹ واش کی وجہ سے دیواریں روشن اور کمرے کشادہ لگتے تھے۔ دو درمیانے سائز کے بیڈ رومز تھے اور دونوں کے ساتھ ایک ہی اٹیچ واشروم تھا جس کے دو طرفہ دروازے دونوں بیڈ رومز میں کھلتے تھے۔ چھوٹا سا سٹنگ ایریا تھا جو تین طرف سے بڑی بڑی کھڑکیوں سے مزین تھا۔ اس کے ساتھ ہی مناسب سا کچن جس میں ضرورت کے مطابق کیبنٹس اور کاؤنٹرز نصب تھے۔ مجموعی طور پر یہ اب تک کی ایک بہترین رہائش گاہ تھی۔ یہاں تھوڑا بہت فرنیچر اور کچھ الیکٹرک کا سامان پہلے سے ہی موجود تھا۔ ایک درمیانے سائز کا فریج بھی تھا اور مائیکرو ویو اوون بھی پڑا تھا جو وہ لوگ اپنی زندگی میں اپنے گھر میں پہلی بار استعمال کرتے۔

صبح سے تیسری بار وہ اس گھر کا جائزہ لے چکی تھی اور اب مکمل بیزاری تھک کے صوفے پہ بیٹھ کے اس کی پشت سے سر ٹیکے آنکھیں موندے دن میں ہونے والے واقعات کو ذہن میں دہرانے لگی۔ مہریار نے انہیں یہاں ڈراپ کیا تو رباب آنٹی، فائزہ خاکوانی اور لائبہ کے ساتھ اندر چلی گئیں جب کہ وہ قصداً ٹھہری رہی۔ مہریار اسے کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور بے نیازی سے سن گلاسز آنکھوں پہ سیٹ کرتا گاڑی آگے بڑھانے ہی والا تھا جب اچانک وہ تیزی سے آگے آئی اور دروازے کی کھڑکی سے تقریباً پوری اندر گھستے ہوئے بولی۔

"ریس..... اتنی بھی کیا آفت ہے آپ کو....."

مہریار نے اس کے انداز پہ حیرت چھپاتے سنجیدگی سے بھنویں اچکائیں۔ یہ انداز تھا پوچھنے کا کہ بولو کیا کہنا ہے۔ زمن نے گہرا سانس بھرتے حق تر کیا اور بولی۔

"مجھے بھی زوہا کے پاس جانا ہے۔ وہ امی سے اکیلی نکل نہیں ہوتی۔ مجھے بھی لے جائیں!"

"تو یہاں گھر کون دیکھے گا۔ اندر دیکھو تو سہی جا کے کہ کون ہیں، کیسے لوگ ہیں۔ رہائش کیسی ہے۔!"

مہریار نے گاڑی کو ریس دی جیسے اسے بہت جلدی ہو۔ زمن کو تپ چڑھنے لگی تھی لیکن مجبوری تھی۔

"میں فائزہ آنٹی کو اچھے سے جانتی ہوں ڈاکٹر مہریار۔ باقی آ کر جان لوں گی۔ ویسے بھی رباب آنٹی ہیں نہ وہ مینج کر لیں گی۔"

"کیوں۔ وہ کیسے مینج کریں گی۔ آپ کی آیا

www.pklibrary.com

ہیں وہ۔ یا کُل وقتی ملازمہ۔ کیا انہیں گھر نہیں جانا اپنے۔ زمن ہر بندے کو اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانی چاہییں۔ دوسروں پہ بس اتنا انحصار کریں جتنا وہ بخوشی برداشت کرلیں۔"

وہ سنجیدہ تھا اور زمن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ خفت، ناگواری یا شاید کچھ اور۔ آنکھیں مفت میں گیلی ہونے پہ تلی تھیں۔ وہ چند پل سوچتی رہی کہ کیا جواب دے۔ جب بولی تو گلے میں سانس اور آنسو ایک ساتھ اٹکے پڑے تھے۔

"بہت شکریہ مجھے احساس دلانے کا۔ ورنہ آج تک تو اس بارے میں کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ آج بھی آپ نہ بتاتے تو نا جانے کب تک دوسروں کا استحصال کرتی رہتی میں۔ اصل میں باپ کبھی سر پر رہا نہیں۔ امی اور زوہا کی خاطر بہت چھوٹی عمر میں پیروں پہ کھڑی ہوگئی تھی ایسے میں جب بھی کبھی رباب آنٹی کا سہارا ملا تو انکار نہیں کیا اور پھر عادت سی ہوتی چلی گئی۔ ہمارے لیے چاچا تایا، پھپھو خالہ، ہر رشتہ ان سے وابستہ ہے اس لیے ان پہ ڈیپینڈ کرنے لگی۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔ آپ جائیے آپ کو دیر ہو رہی ہوگی۔ میں رکشا یا کیب سے چلی جاؤں گی کچھ دیر میں۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں۔ کھڑکی سے سر باہر نکالا اور مزید کچھ کہے بنا اندر چلی گئی۔ اپنے پیچھے اس نے مہریار کے تاثرات بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ باقی کا وقت وہ رباب آنٹی کے ساتھ انیکسی کی چھوٹی موٹی صفائی اور سیٹنگ میں مشغول رہی حالانکہ انیکسی صاف ستھری تھی۔

ان کے جانے کے بعد وہ فائزہ خاکوانی اور لائبہ کے پاس آ گئی۔ دونوں نے اس کا باتوں سے دل بہلائے رکھا۔ فائزہ خاکوانی تو اس کے لیے بے حد حساس ہو رہی تھیں کیونکہ ایک تو جگہ نئی اور پھر وہ اس وقت اکیلی تھی۔ وہ اسے کسی بھی طرح سے بور نہیں ہونے دے رہی تھیں۔ وہ بور ہو بھی نہیں رہی تھی کیونکہ لائبہ اپنی ذات میں پوری تفریح تھی۔ اس لڑکی کے پاس اس قدر ذخیرہ تھا باتوں اور قصے کہانیوں کا اسے بارہا لائبہ کو دیکھ دیکھ کر زوہا کی یاد ستاتی رہی۔ وہ بھی بالکل ایسی ہی باتونی تھی۔ بولنا اور بے تحاشا بولنا۔ نت نئے واقعات کو دلچسپ انداز میں گوش گزار کرنا کہ مقابل خود ہی دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائے۔

اسے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ وہ کھانا کھا کر واپس اپنے پورشن میں آئی تھی اور تب سے سوچ رہی تھی کہ اب ہاسپٹل کا چکر لگا لے۔ امی کو یقیناً اس کی ضرورت ہوگی مگر جب خیال آتا کہ وہاں مہریار سے سامنا ہو سکتا ہے تو دل بیٹھ سا رہا تھا۔ نجانے صبح سے جب بھی اس شخص کا خیال آ رہا تھا آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ کچھ تھا جو دل دکھا گیا تھا۔

وہ ذہن جھٹکتی اٹھی اور شولڈر بیگ اٹھا کر اس میں پیسے چیک کرتی وہاں سے باہر نکلی۔ اس کا ارادہ فائزہ خاکوانی کو بتا کے ہاسپٹل جانے کا تھا لیکن برآمدے میں پانو نکل گئی تو اس نے ان کے آرام کرنے کا بتایا جبکہ لائبہ بھی اپنے روم میں تھی۔ وہ پانو کو بتا کے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکل کر اس نے سڑک پر اچھی طرح جھانکا۔ لاشعور میں بیٹھا خوف اسے مضطرب کر رہا تھا لیکن اسے ماں سے ملنے کی بے چینی تھی۔ وہ مضبوط چال لیے بالکل سیدھ میں چلتی نکڑ تک آئی تھی جب اچانک اس کے بائیں جانب پشت سے گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ بری طرح اچھلی تھی۔ فوراً مڑی تو دیکھا یہ وہی گاڑی تھی جس کے پاس سے وہ ابھی گزری تھی لیکن دھیان نہیں دیا تھا کہ کس کی ہے اور اندر کوئی بیٹھا ہے۔

مہریار کو ڈرائیونگ سیٹ پہ دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ صبح کی اس کی کہی تمام باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ پلٹ کر دوبارہ چلنے لگی۔ مہریار نے دوبارہ ہارن دیا اور ہاتھ نہیں ہٹایا۔

زمن کے قدم رکے اور دماغ گھوم گیا۔ ایک بار پہلے بھی اپنے ہی ہاسپٹل کے باہر یوں ہی ہارن پہ ہاتھ رکھ چھوڑا تھا اور مجبوراً اسے رکشے سے اتر کر اس کی گاڑی میں بیٹھنا پڑا تھا۔ صورت حال اب بھی عجیب ہونے جا رہی تھی۔ نئی کالونی تھی اور وہ بھی نئے تھے۔ کوئی اپنے ٹیرس سے جھانک لیتا یا دروازے پہ نکل آتا تو پہلا امپریشن ہی برا پڑتا۔ فوراً واپس مڑی

www.pklibrary.com

اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس طرح کہ ایک پیر گاڑی کے اندر کیا تھا اور دوسرا سڑک پہ ہی دھرے رکھا۔ مہریار کا ہاتھ ہارن سے ہٹ گیا تھا۔ وہ بالکل سیدھ میں سامنے دیکھ رہا تھا۔

"دروازہ بند کرو.....!" گلاسز آنکھوں پہ لگاتے نارمل لہجے میں بولا۔ زمن کا دل کیا گود میں رکھا شولڈر بیگ دے مارے۔ عجیب ہی رویہ تھا اس شخص کا۔

"کیوں کروں اور کیوں آئے ہیں یہاں۔ کچھ سنانے کو باقی رہ گیا تھا جو سنانا تھا۔"

"ہاں....." دوٹوک جواب۔

"سنا میں..... بولیں..... سن لوں گی۔ مجبوری انسان کو سب کچھ کروا لیتی ہے۔ ہم بھی اس وقت مجبور ہیں۔ ورنہ جو کچھ اور جس لہجے میں آپ مجھے سنا کے چلتے بنے تھے کوئی اور ہوتی تو دن میں تارے دکھا دیتی۔"

"کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ میں یہ سب تمہیں ہی کہہ سکتا تھا اور کہتا رہوں گا۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی جبکہ زمن کی طرف والا دروازہ ہنوز کھلا تھا۔ اس کے دل کو دھڑکا سا لگا لیکن اپنا دوسرا پاؤں اندر پھر بھی نہیں کھینچا تھا۔

"کیوں کہتے رہیں گے۔ کس رشتے سے۔ کس حق سے۔ اور میں کیوں سنتی رہوں گی بھلا۔"

"حق کی بات نا کرو زمن بی بی۔ ایک سو ایک حقوق نکل آئیں گے۔ اور رشتہ بنانے کی کیا جلدی پڑی ہے۔ ذرا چھری تلے دم تو لو۔!" وہ مسکراہٹ دباتا صاف اسے تپا رہا تھا اور وہ واقعی بری طرح تپ گئی تھی۔ مہریار نے بھانپ لیا کہ وہ اترنے لگی ہے تو گاڑی چلا دی۔ زمن نے پھرتی سے پیر اندر کھینچ لیا اور حیرت سے مہریار کی جانب دیکھا جو انہماک سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اسپیڈ پکڑنے لگی تھی۔ ناچار زمن نے گاڑی کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھینچ کے بند کیا۔ مہریار نے آنکھیں میچ کے دوبارہ کھولیں اور ہونٹوں سے بے ساختہ سسکاری سی نکلی۔ زمن کو لطف آیا۔ اندازہ ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب اپنی گاڑی کے حوالے سے پٹی ہیں۔

مہریار نے کالونی سے گاڑی نکال کر سیدھی سڑک پہ ڈال دی تھی۔ زمن نرد ٹھنے لہجے میں باور کرا گئی۔

"میں نے امی کے پاس جانا ہے۔ مجھے یاد آ رہی ہے ان کی۔ پتا نہیں صبح سے کیا کر رہی ہوں گی میرے بنا۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے ہم وہیں جا رہے ہیں اور بے فکر رہو وہ صبح کی کافی فریش ہیں اور زوہا بھی خاصی خوش باش اور ایزی فیل کر رہی ہے۔"

زمن کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ تو کیا کسی نے اسے یاد بھی نہیں کیا۔ زمن نے کن انکھیوں سے خفیف سی گردن موڑ کر مہریار کی جانب دیکھا تو اس نے اچانک سے پوری گردن موڑ کر آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ زمن کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں۔ دل اس قدر شدت سے دھڑکا کہ لگا آواز باہر تک سنائی دے رہی ہو گی۔ مہریار کے گلاسز کی وجہ سے اس کی نگاہوں کے تاثرات نیم واضح تھے لیکن زمن کے لیے یہ بھی مخل ہونے کو کافی تھا۔ اس نے فوراً ماحول کا اثر ختم کرنے کے لیے سوال داغا۔

"آپ کی فیملی میں کتنے لوگ ہیں۔ مطلب آپ کے بچے کچے کتنے ہیں؟"

مہریار کی بھنویں متعجب سی ایک دوسرے سے ملیں اور پھر اس نے حظ اٹھانے کی غرض سے کہہ دیا۔

"چار۔ لیکن فی الحال۔"

زمن کے حلق میں کچھ اٹکا۔ وہ بڑبڑائی "لا حول ولا قوۃ الا باللہ..."

"ماشاءاللہ۔ آپ کی مسز کیسی ہیں؟"

"کیا مطلب کیسی ہیں۔ ویسی ہی ہیں جیسی ہیں اور آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ ملنا ہے؟"

"ملوا دیں۔ میں بھی دیکھوں کہ ان کے سامنے بھی آپ ایسے ہی ٹھرک جھاڑتے ہیں یا اکیلے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

مہریار نے ایک جھٹکے سے گاڑی سائیڈ پہ روک کر کھڑی کی۔ زمن نے سانس روک لیا۔ مہریار پورا اس کی جانب گھوما اور اس کی فق رنگت والے چہرے کو دیکھا۔

www.pklibrary.com

"ادھر دیکھو میری طرف۔"

وہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔ نظریں سامنے جمائے۔"

میں نے کہا ادھر دیکھو زمن۔!"

اس نے ڈپٹ کر کہا تو زمن نے بادل خواستہ گردن پھیری۔ مہریار نے گلاسز اتار کر ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے اور اب اس کی گہری نظریں زمن کو اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کہاں پھنس گئی۔" اس نے دل میں سوچا لیکن دم سادھے رکھا۔

"کسی مصیبت میں نا پھنسو اسی بات سے بچا رہا ہوں۔" مہریار نے حسب سابق اس کی سوچ کا جواب الفاظ سے دیا تھا۔

"اور ایک بات یاد رکھنا۔ میں بلاضرورت کسی سے بات نہیں کرتا نہ پسند کرتا ہوں کہ مجھ پر کوئی رائے زنی کرے۔ عمر اور رتبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو بات کی جائے وہ اچھی لگتی ہے ورنہ وہی ہوتا ہے جو اس وقت تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ بلا وجہ کی شرمندگی۔"

مہریار کے ایسا کہنے پر زمن کا سر جھکا تھا لیکن شرمندگی سے نہیں چہرے پہ آیا اشتعال چھپانے کے لیے۔

"ہر بار یہ بندہ بس مجھے ذلیل کرنے کے لیے ہی سامنے آتا ہے۔ چین ہی نہیں پڑتا جب تک مجھے چار باتیں سنا نہ لے۔ ٹھرکی کہیں کا۔" وہ دل میں اسے کوستی نظریں گود میں رکھے شولڈر بیگ کے اسٹریپ پہ گاڑے ہوئے تھی۔

"میں نے کبھی ایسے عامیانہ کام نہیں کیے جن کی وجہ سے مجھے کسی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ جب بھی، کچھ بھی کیا ہے ڈنکے کی چوٹ پہ کیا ہے۔ چھپ کے جو کیا جائے اس میں آپ کی شخصیت کی کمزوری عیاں ہوتی ہے۔۔ اور میری شخصیت اتنی مضبوط ہے کہ کسی بھی کام کو کرنے کے لیے چور لمحوں کا انتظار نہیں کرتا۔ اگر تم میں ایسا کچھ ہوتا تو ٹھرک نہیں جھاڑتا بلکہ دو گواہ اور قاضی بغل میں لے کر آتا۔ سمجھیں۔ نیکسٹ ٹائم جب مجھ سے بات کرو تو ذہن میں رکھنا کہ میں ڈاکٹر مہریار راؤ ہوں۔ کوئی سڑک چھاپ لفنگا نہیں۔"

کاش کہ زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی۔ کاش گاڑی کا فرش ہی ٹوٹ جاتا اور وہ نیچے گر جاتی۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بس کوئی چھل ہوا اور پل میں منظر بدل جائے۔ افففف! زبان پھسل جائے اور غلط بندے کے سامنے غلط بات پہ پھسل جائے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے اسے آج معلوم ہوا تھا۔ اسے نہیں کہنا چاہیے تھا ایسا۔ وہ ایک معتبر پیشے سے منسلک اس کی بہن کا فی الحال مفت علاج کرنے والا وہ ڈاکٹر ہے جو رباب آنٹی کو بہت قریب سے جانتا ہے۔ کیا عزت رہ جائے گی رباب آنٹی کی نظر میں اگر یہ انہیں بتا دے کہ وہ اسے ایک ٹھرکی انسان سمجھتی ہے۔ زمن کو رہ رہ کر اپنے اوپر افسوس ہو رہا تھا۔ مہریار مکمل خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ہاسپٹل قریب آنے والا تھا۔ زمن نے ہمت کی اور حلق تر کرتے ہوئے بولی۔

"س۔س۔س۔ سوری۔۔!" پھنسی ہوئی آواز بمشکل نکل پائی تھی۔

مہریار نے چونک کر نگاہیں ذرا کی ذرا پھیر کر اسے دیکھا اور بولا۔

"مم..... کیا کہا۔ آواز نہیں سنائی دی تمہاری۔ دوبارہ کہنا پلیز۔"

"میں نے کہا مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں بھول گئی تھی کہ آپ ایک جانے مانے نیورو سرجن ہیں اور ہم ادھار پہ آپریشن کروانے والے آپ کے نادار پیشنٹس۔ مجھے خیال رکھنا چاہیے تھا۔ بلکہ میں آئندہ بے حد خیال رکھوں گی۔"

"پہلی بات نہ تو میں کسی کا ادھار پہ آپریشن کرتا ہوں اور نہ مجھے جبراً مظلوم بننے والے لوگ پسند ہیں۔ میں تم سے آپریشن کی پوری فیس وصول کروں گا۔ بے فکر رہو۔ اور اچھی بات ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انسان کو زبان و کلام کے معاملے میں سب ہی کے ساتھ محتاط رہنا چاہیے۔ لو آ گیا ہاسپٹل۔"

وہ رسان سے کہتا اس کا جھکا سر دیکھ کر

www.pklibrary.com

مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس وقت زمن کا دل دھاڑیں مار کر رونے کو کر رہا ہوگا لیکن وہ اسے گنجائش دینے کے موڈ میں قطعاً نہیں تھا۔ اس نے ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روکی اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب جاؤ اندر اور اپنی امی اور بہن سے مل لو۔ واپسی جب کرنی ہوگی مجھے بتا دینا میں ڈراپ کر دوں گا۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت۔" وہ فقرہ ادھورا چھوڑ کر لب بھینچ گئی۔

"پھر بھاشن دے دے گا۔ چپ ہی رہ زمن۔" دل میں خود کو سمجھاتی وہ اثبات میں سر ہلاتی دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی جب مہریار نے اسے پکارا۔ اس نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ ضبط کی شدت سے ہلکی گلابی پڑتی آنکھیں۔ لمبی مڑی ہوئی نم زدہ پلکیں۔ صاف شفاف سنہری رنگت جو خفگی کی سرخی لیے ہوئے تھی۔ وہ سکرین سے سورج کی کرنیں سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور ان کرنوں نے اس کی باریک ناک میں پہنے لونگ کے چھوٹے سے سیاہ موتی کو خیرہ کیا تھا۔ مہریار نے بے ساختہ نگاہ چرائی تھی۔ ذہن کے پردے پہ کوئی چہرہ ابھرا تھا اور اس نے ماحول کا فسوں جیسے پل میں تحلیل کر دیا تھا۔ وہ گہری سانس بھر کر خود پہ قابو پاتا اس سے مخاطب ہوا۔

"یہ دو تین دن تم مال جانے سے پرہیز کرنا۔ میں نے فائزہ خاکوانی صاحبہ کو بھی انفارم کر دیا ہے۔ وہ خود تمہیں منع کر دیں گی۔ زوبا کے آپریشن تک محتاط رہو اور گھر میں رہو۔ تمہاری امی بھی گھر نہیں ہوں گی۔ رباب میم کو بلاوجہ پریشان نہ کرنا اور میں بھی ہاسپٹل میں بزی رہوں گا اس لیے احتیاط رکھنا۔"

زمن کا دماغ بھک سے اڑا تھا لیکن مزید بے عزتی کروانے کا یارانہ تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہہ دے کہ آپ میرے گاڈ فادر ہیں جو میرا پورا شیڈول ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ اب بھلا کہیں آنا جانا بھی اس بندے کی مرضی سے کرنا ہے مجھے۔ وہ دل میں باقاعدہ جھگڑ رہی تھی لیکن لب بھینچ رکھے تھے۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے اتری اور دروازہ زور سے بند کرنے ہی لگی تھی کہ مہریار نے اس کی سائیڈ پہ جھک کر دروازے کو تھام لیا اور آہستگی سے بند کر دیا۔ ایک خشمگیں نگاہ ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

"اب شرافت سے اندر جاؤ اور یہ چند دن اگر میرے کہے کے مطابق عمل کر لوگی تو شان نہیں گھٹے گی تمہاری۔ نہیں آنے جانے سے روک رہا ہوں تو تمہاری بہتری کے لیے۔ جاؤ شاباش۔"

اس بار اس کا لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا۔ زمن آگے بڑھ گئی۔ گاڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے پہلی سیڑھی پر پیر رکھ کر اس نے پلٹ کر مہریار کو دیکھا اور بنا آواز کے پورا زور لگا کے ہونٹوں کو حرکت دی۔

"تھرکی۔"

کہہ کر جھپاک سے نظروں سے غائب ہو گئی۔ مہریار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ کی بند مٹھی رکھ کر خود کو کمپوز کیا اور زیر لب بولا۔

"پاگل، بے وقوف۔"

پارکنگ میں گاڑی لگاتے ہوئے بھی یہ پاگل، بے وقوف لڑکی اسے کسی کی مسلسل یاد دلا رہی تھی اور وہ اس یاد سے پیچھا چھڑانے کے لیے جلد از جلد اندر جا کر مصروف ہو جانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

ملگجے اندھیرے میں بھی محسوس ہو رہا تھا کہ سارا آفس ادھیڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی شے سلامت نہیں رہی تھی اور نہ جگہ پہ موجود تھی۔ شیشے کی کرچیوں نے جابجا کارپٹ کو ڈھک رکھا تھا۔ آفس کی دیواروں پہ گئی۔

سینریوں کے فریم خستہ حالت میں گرے پڑے تھے اور ان کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ بڑی ساری ایل ای ڈی بھی تباہ حال تھی۔ ایل ای ڈی کے نیچے ایستادہ شیشے کی شیلفیں ٹوٹ چکی تھیں۔ کارنر پہ رکھا کرسٹل کی گول میز اور اس پہ رکھے خوب صورت

www.pklibrary.com

نفیس کرسٹل کے ڈیکوریشن پیسز تمام کے تمام ٹکڑوں میں بٹ چکے تھے۔ایک جانب رکھے صوفہ سیٹ کی ترتیب بگڑی ہوئی تھی اور اس کے بیچ میں پڑا منقش شیشے کا سینٹرل ٹیبل بے دردی سے توڑ دیا گیا تھا۔وسیع وعریض گلاس ٹاپ ٹیبل کے اوپر کچھ بھی نہیں تھا۔لیپ ٹاپ سمیت ہر ہر شے زمین بوس ہو چکی تھی۔آرام دہ آفیشل چیئر کو اٹھا کر گلاس ٹاپ پر مارا گیا تھا جس کے باعث شیشہ چیخ چکا تھا اور یہی کرسی عقب میں موجود گلاس وال کو ماری گئی تھی لیکن اسے خاص نقصان پہنچنے سے بچت ہوگئی تھی۔

اس سارے منظر کا مجموعی جائزہ خاصا ہولناک تھا لیکن اس منظر کی ہولناکی پہ جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہو رہی تھی وہ شہزور راؤ کا اشتعال میں لتھڑا وجود تھا جو گلاس وال کے ساتھ ٹیک لگائے نڈھال سا آنکھیں موندے گہرے سانس لے رہا تھا۔اپنے آفس کی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر ابھی اس کے سامنے کوئی ذی روح آ گیا تو شاید وہ اسے جان سے مار ڈالے،اس لیے اس نے آفس لاک کر رکھا تھا۔ہر شے تہس نہس کر دینے کے باوجود اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔وہ آج پھر ناکام واپس آیا تھا۔لیکن اس بار کی ناکامی اسے خون کے آنسو رلا رہی تھی۔نفرت اور انتقام جیسے سیاہ سیال بن کے رگوں میں دوڑنے لگا تھا۔کیسا کھیل کھیلا گیا تھا اس کے ساتھ۔جب اس نے شرافت کا چولا چڑھا لیا تھا اور بنا کسی مار دھاڑ یا زور زبردستی کے وہ اچھے انداز میں وہاں جا کر زمن کا سامنا کرنے والا تھا۔اس کا دل اپنی طرف سے صاف کرنا چاہتا تھا۔اس کا ارادہ تو نکاح تک کرنے کا تھا۔وہ مکمل تیاری کے ساتھ وہاں گیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ یہ آسان نہیں ہوگا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا زمن اور اس کی ماں کو منانے میں مگر اس بار وہ نامراد نہیں لوٹے گا۔وہ زمن کو تاحیات اپنے نام کر کے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔

اس نے نصر سے کہہ کر اپنے فارم ہاؤس کو کسی تاج محل کی مانند سجوایا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے تاروں اور کہکشاؤں کی بارات وہاں استقبال کو موجود ہو۔وہ تصور میں بارہا زمن کا حیرت میں ڈوبا چہرہ لاتا جو اپنے لیے شاندار استقبال اور اس کی محبت کی انتہا جان کر بننے والا تھا۔لیکن ہوا کیا؟اس کے منہ پر ایسا جوتا پڑا تھا جس کی چھاپ اور آواز نے اس کا پورا وجود سنسنا کر رکھ دیا تھا۔وہ جو معمولی سی بات پر مقابل کو ادھیڑ کر رکھ دینے والوں میں سے تھا آج اس بری طرح زلیل ہو کر واپس آیا تھا کہ اگر وہ انتقامی ذہن کا حامل نہ ہوتا تو وہ کچھ کھا بیٹھتا لیکن اسے اس کے انتقام نے ایسا قدم اٹھانے سے روک لیا تھا۔

اس نے اپنے آفس واپس آ کر خود کو یہاں بند کر لیا تھا اور کچھ ہی دیر میں آفس اکھاڑے میں تبدیل ہو چکا تھا۔نصر پریشانی سے اس کے دفتر کے باہر ٹہلتا رہا تھا لیکن کر کچھ نہیں سکتا تھا کیونکہ اپنے باس کے غصے سے وہ خود بھی خائف رہا کرتا تھا۔

اندر شہزور نیم وا آنکھوں سے سامنے خلا میں غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔یہ تو طے تھا کہ زمن اور اس کی کیمیکل پاتال میں بھی چھپی تھی تو ڈھونڈ نکالنا اس پر لازم ہو چکا تھا۔وہ کسی صورت اب اسے چھوڑنے والا نہیں تھا۔وہ اپنے والدین کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دے گا۔محبت کی بھاڑ میں اب تو ضد پوری کرنی تھی۔سیدھی انگلی راس نہیں آئی تھی لہٰذا اب ٹیڑھی ہی رکھنی تھی۔

اس نے تھک کر اپنا سر دیوار سے ٹیک دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔رہ رہ کر اس کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب وہ پھلوں،مٹھائیوں سے لدی گاڑی اور خوب صورت سے پھولوں کے بکے کو ہاتھ میں تھامے زمن کے گھر کے سامنے اترا تھا۔نصر نے ڈرائیور کی مدد سے ایک ایک کر کے تمام سامان گاڑی سے اتروا کر کھڑے پر ڈھیر لگانا شروع کر دیا تھا۔سفید پینٹ کوٹ اور اسٹیل گرے شرٹ میں وہ بلاشبہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔پنجوں کے بل اچک کر ایک

www.pklibrary.com

گہری سانس بھر کر خود کو سیدھا کھڑا کیا۔ دائیں ہاتھ سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا جن کا ہیئر کٹ تازہ لگ رہا تھا۔ بکے کے پھولوں کی خوشبو کو ناک کے تھوڑا قریب کر کے سونگھا تو ہونٹ خود بخود مسکرا دیے۔ اسے کہاں عادت تھی ایسے طریقوں سلیقوں کی۔ وہ تو رف ٹف سی شخصیت والا بندہ تھا اور اس میں ایک الگ ہی چارم تھا اس کا۔ لیکن آج وہ ماضی کا کوئی ایسا رویہ دہرانا نہیں چاہتا تھا جس کی وجہ سے زمن اس سے بدظن ہوئی۔ اسے یاد آ رہا تھا جب اس نے ایک آڈیٹوریم میں اسے دیکھا تھا تو صرف اس کے چہرے کی خشونت اور جارحانہ پن کی وجہ سے وہ اسے دیکھتے ہی غائب ہو گئی تھی۔ تب ایک طویل ترین مدت بعد اسے دیکھا تھا اور ایک پل بھی نہیں لگا تھا اسے پہچاننے میں۔ حالانکہ اس کو تلاش کرتے اسے کافی وقت ہو چلا تھا۔ آج وہ کسی بھی طرح کی غلطی دہرانا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ سابقہ ہر خطا کی تلافی اور معافی مانگنے کو بھی تیار تھا۔

وہ دل ہی دل میں تمام فقرے دہرانے لگا جو اسے اندر جا کر زمن اور اس کی والدہ سے کہنے تھے۔ کیا کہہ کر اسے زمن کو ساتھ لے جانا تھا۔ بلکہ نہیں وہ ابھی نصر سے کہے گا کہ فٹافٹ ایک مولوی پکڑ لائے تو وہ نکاح کر کے زمن کو ساتھ لے کر اپنے فارم ہاؤس چلا جائے گا۔ وہاں اس نے چپہ چپہ جیسے تاروں سے سجا رکھا تھا۔ اپنی بے تابیاں اور بے چینیاں بتائے گا۔ اپنی محبت کا یقین دلائے گا اور جب زمن کا دل اس سے صاف ہو جائے گا تو وہ اسے گاؤں لے جا کر اماں اور ابا جی کو حیران کر دے گا۔ وہ تو اپنی دانست میں انہیں مرا ہوا سمجھے بیٹھے ہیں تو جب سامنے زندہ سلامت دیکھیں گے تو ان کا کیا ردعمل ہوگا؟

شہزور نے سر جھٹک کر خیالات کی رو سے خود کو باہر نکالا۔ ابھی اسے اپنے ماں باپ کے رویوں کو نہیں سوچنا تھا کیونکہ یہ بات پکی تھی کہ وہ خوش نہیں ہوں گے لیکن اسے پروا نہیں تھی۔ اسے زمن مل گئی تھی اس کے لیے یہی کافی تھا۔ باقی ہر بات وقت کے ساتھ معمول پہ آ ہی جاتی۔ نصر اپنے باس کا خوشی سے مزین نیم گلابی چہرہ دیکھ کر مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔ اس نے کبھی بھی شہزور راؤ کو ایسے خوش یا مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اس کے حکم کے انتظار میں تھا۔ شہزور نے اسے بیل دینے کا اشارہ کیا۔ نصر فوراً حکم بجا لایا۔ بیل دینے کے بعد دونوں دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اردگرد کی چھتوں اور ادھ کھلے دروازوں سے سر نمودار ہونے لگے تھے جن کی رشک آمیز نگاہیں تھرے پہ ڈھیر لگے رنگ برنگے اور انواع واقسام کے پھلوں اور مٹھائیوں پہ جمی تھیں۔ نصر نے دوبارہ بیل دی۔ دروازہ کھلنے میں دیر ہو رہی تھی۔ شہزور کے ماتھے پر پہلا بل نمودار ہوا۔ نصر کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔ کسی کے قدم گھسیٹ گھسیٹ کر آنے کی آواز قریب آتی گئی۔

شہزور کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔ وہ پُرشوق نگاہیں دروازے پہ جمائے آنے والے کے لیے بے چین سا لگا۔ دروازہ کھلا اور ایک سانٹھ پینسٹھ کے پیٹے میں موجود مرد موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائے نمودار ہوا۔

"جی..... کون ہو..... کس سے ملنا ہے۔ گھنٹی کیا تمہارے باوا نے لگوائی ہے جو یوں بجائے جا رہے ہو؟"

آنے والا بیزار کن تاثرات لیے نصر کو دیکھتے ہوئے بولا جو شہزور سے چند قدم آگے کھڑا تھا۔

نصر نے گھبرا کر شہزور کو دیکھا مبادا اس آدمی کی بات پہ غصہ آئے اور اس کی پسلیاں سینکنے کا وقت یہی بن جائے۔ لیکن شہزور حیرت سے اس آدمی کو جانچ رہا تھا۔

"جی ہمیں زمن بی بی سے ملنا ہے۔ ان کو بلا دیجیے۔" نصر نے شہزور کی جانب سے جواب نا پا کر خود ہی اس آدمی سے کہا۔

اس آدمی نے سر سے پیر تک نصر کو اور پھر اس کے پیچھے پھولوں کا بکے تھامے شہزور کو دیکھا۔ اس کے بعد نگاہیں تھرے پہ سجے بہت سے نوٹوں کی جانب چلی گئی تو آنکھیں مارے استعجاب کے چوپٹ کھل گئیں۔ موٹے موٹے شیشوں سے پرے ڈیلے

www.pklibrary.com

جیسے ابلنے کو تیار تھے۔

"او میاں! ہوکون۔ اور یہ کیا تام جھام ہے۔ تین سالوں میں آج تک ہاجرہ بیٹی کا کوئی رشتے دار نہیں دیکھا تم کدھر سے منہ اٹھا کر اس کی بچی کا نام لے رہے ہو۔ شریف عورتیں تھیں یوں بلاوجہ نام مت لاؤ زبان پر۔ جاؤ کام کرو اپنا جا کر اور یہ سب سامان اٹھاؤ میرے تھڑے سے۔"

وہ آدمی چڑچڑاہٹ بھرے لہجے میں کہتا انہیں جیسے دھتکار رہا تھا۔

نصر نے پلٹ کر شہزور کو دیکھا جس نے سر کو جنبش دی۔ جواباً نصر نے اس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا جو اب دروازہ بند کر کے اندر جانے لگا تھا۔ وہ بے چارہ بوکھلا کر عینک سنبھالتا سانس درست کرنے لگا۔

"زمن بی بی کہاں ہیں۔ جتنا پوچھا ہے اتنا بتا ورنہ تھوبڑا بگاڑ دوں گا۔"

"میاں! وہ ماں بیٹیاں تو کل کی یہاں سے جا چکی ہیں۔ بتا بتائے اچانک سے۔ مجھے بھی ان کی کسی جاننے والی نے فون پہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ یہ مکان چھوڑ رہی ہیں۔ وہ تو اپنا ایڈوانس بھی نہیں لے کر گئیں اور کتنا سامان بھی چھوڑ گئی ہیں۔ اللہ جانے واپس لینے آئی ہیں کہ نہیں....." وہ رٹو توتے کی طرح بولتا جو کچھ معلوم تھا سب بتا گیا۔ "اب مجھے تو چھوڑو۔ تمہارے باپ برابر ہوں گا۔ گریبان پہ ہاتھ ڈال رکھا ہے۔"

بڑے میاں کو نصر کا یہ طور طریقہ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

نصر نے پلٹ کر دوبارہ شہزور کو دیکھا اور بنا اس کے کچھ کہے خود ہی دوبارہ سوال کیا۔

"کہاں شفٹ ہوئے ہیں وہ لوگ۔ ایڈریس بتاؤ..... جلدی۔"

"اللہ قسم معلوم ہوتا تو بتا دیتا۔ مجھے تو خود کچھ نہیں پتا۔ میں تو خود ان کے اس طرح چھوڑ جانے پہ ناراض ہوں۔ بھلا بتاؤ یہ کوئی طریقہ ہے کیا۔ نا کچھ بتایا نا کہا سنا اور یوں اچانک سے نکل گئیں، چوروں کی طرح۔"

وہ آدمی اپنی صفائی میں مسلسل بولتا شہزور کے ضبط کا امتحان بنا ہوا تھا۔

"اپنا سامان لینے کب آئیں گی۔۔؟" نصر نے آخری سوال پوچھا۔

"مجھے کیا پتا۔ جس طرح گئی ہیں مجھے تو نہیں لگتا کہ واپس آئیں گی۔ اور اگر آئیں تو کب آئیں میں کیا جانوں۔"

نصر نے ایک جھٹکے سے گریبان چھوڑا اور اس آدمی کا سینہ سہلاتے ہوئے کالر درست کیا۔ وہ آدمی صبر سے دو قدم پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نصر نے شہزور کے پاس آ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو کسی پتھر سے مشابہ تھا۔ اس قدر سختی اور تندی تھی کہ نصر ہچکچا گیا۔ شہزور کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ ہاتھ میں تھاما بیلچہ مرانے کی آواز ابھری۔ وہ آدمی شہزور کے تیور دیکھ کر خوف زدہ ہوتا اندر بھاگنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ اتنے میں ہی شہزور نے بیلچے کو پوری قوت سے دور اچھال دیا۔ گلی میں پھول یوں بکھر گئے جیسے اس وقت شہزور کے دل کے ارمان۔ شہزور آگے بڑھا اور اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا اس آدمی سے پوچھنے لگا۔

"دیکھو۔ اگر تمہیں کچھ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں تو مجھے بتا دو۔ وہ لڑکی میری ہونے والی بیوی ہے۔ سمجھے۔"

"دیکھو صاحب۔ مجھے اگر معلوم ہوتا تو کیا میں یہاں کھڑا ذلیل ہو رہا ہوتا۔" وہ شخص کھسیایا۔ "مجھے تو ان ماں بیٹی کا فون نمبر بھی نہیں معلوم۔"

"تو کال پہ کس سے بات کی تھی تم نے؟" نصر نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"اس بی بی نے ہی یہ مکان کرائے پہ لیا تھا مجھ سے۔ اور کوئی مسئلہ ہوتا تھا تو وہی کال کرتی تھی۔ اس کا نمبر ہے میرے پاس اگر آپ مجھے پندرہ منٹ دو تو میں ابھی جا کر گھر سے موبائل لے آتا ہوں کیونکہ زبانی مجھے نہیں یاد۔ یہاں تو میں سامان ایک کمرے میں کرنے آیا تھا۔ بس میں ابھی گیا ابھی آیا۔"

www.pklibrary.com

شہزور نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا کیونکہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ یہ واپس نہیں آئے گا۔ اور اس کے پاس اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی نہیں تھا جو ضائع کرتا۔ اس نے نصر کو اشارہ کیا اور واپس گاڑی میں جا بیٹھا۔ نصر نے بھی اس کی تقلید کیا تو پیچھے سے اس آدمی کی آواز سنائی دی۔

"یہ سامان تو اٹھوا لو صاب۔!" اس کا اشارہ تھڑے پہ سجے پھل اور مٹھائیوں کی جانب تھا۔ نصر نے بنا پلٹے اسے جواب دیا۔

"یہ تم رکھ لو۔ تمہارا جو خون خشک ہوا ہے ان کو کھا کر دوبارہ بن جائے گا۔"

نصر کے بیٹھتے ہی گاڑی دھول اڑاتی نکل گئی۔ اس آدمی نے فوراً ان نوکروں کو اٹھا کر گھر کے اندر کرنا شروع کیا تھا کیونکہ ارد گرد کے گھروں سے نکلی گردنیں اب ٹانگوں پہ چل کر باہر آنے لگی تھیں اور اس کا یہ مال غنیمت بانٹنے کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔

☆☆☆

مہریار کے آفس میں اس وقت الجھن آمیز خاموشی تھی۔ کھڑکیوں کے بلائینڈز ہٹے ہوئے تھے اور سہ پہر کی تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ اپنی کرسی پہ دھیرے دھیرے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھومتا مہریار خشمگیں نگاہوں سے رباب خان کو دیکھ رہا تھا۔ جبکہ رباب خان بے حد مطمئن سی کرسی پہ ڈھیلے انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے ہوئے مہریار کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے انداز میں بے حد فرصت تھی لیکن مہریار جھولنے کے باوجود صاف بے چین محسوس ہو رہا تھا۔

"مذاق کر رہی ہیں۔ ہیں نا؟" مہریار نے ہونٹوں پہ انگوٹھا جما رکھا تھا جبکہ کہنی میز پر تھی۔ وہ واضح طور پر مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہارا میرا مذاق ہے کیا مہریار بیٹے؟" رباب خان نے الٹا سوال کیا۔

"جو بات آپ نے کی ہے ایسی بات یا تو مذاق میں کی جاتی ہے یا انتہائی مذاق میں۔" مہریار نے ابرو اچکا کر کہا تو رباب خان ہنس دیں۔

"میں ابھی صرف سنجیدہ ہوں یا پھر انتہائی سنجیدہ۔ تم بس میری بات پر غور کرو اس سے پہلے کہ مجھے تمہارے سر کی سفارش ڈالنی پڑے۔"

"اب یہ سر کہاں سے آ گئے بیچ میں۔ دیکھیں....." وہ سیدھا ہو کر دونوں بازو میز پر جماتے ہوئے گویا ہوا۔ "میرے حالات و واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ میں ایسا کچھ بھی افورڈ نہیں کر سکتا میم۔ آپ نے جو جتنا کہا میں نے مانا بھی اور کیا بھی لیکن یہ سب میرے اختیار سے باہر کا معاملہ ہے۔ میں بری طرح پھنسوں گا۔ بچوں کا کھیل تو نہیں ہے نا۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا اور کچھ روٹھا سا بھی۔ رباب خان بالکل اسی کے انداز میں بیٹھتے ہوئے جواب کے لیے تیار تھیں۔

"اگر تم جیسا عقل مند مرد اس سب کو بچوں کا کھیل سمجھ لے تو خان صاحب کو کہوں گی ایک سرجری تمہاری بھی کر دیں۔"

مہریار بے اختیار بولا۔ "لا حولا ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا آپ بھی۔ کیسی بات کر رہی ہیں؟"

"اسی لیے کہا نا مجھے سفارش ڈالنے پر مجبور مت کرو مہریار۔ معاملے کی سنگینی کو سمجھو۔ ایک بار کچھ نہیں ہوا تو دوسری بار کی گارنٹی ہے کہ کچھ نہ ہوگا۔ اور تم کوئی غیر تو نہیں ہو۔ اگر تم پر بھروسا نہ کروں تو کس پر کروں۔ یہ بہت بڑا ٹاسک ہے مہریار۔ بہت سے مسائل ہیں ارد گرد۔ میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتی لیکن درخواست کر سکتی ہوں کہ ایک بار سوچنا۔ ہر کوئی اپنی اصل تک پہنچ جائے گا۔ اور جب یہ معاملہ سنور جائے تو تمہیں اختیار ہوگا کہ میچ چول انڈر اسٹینڈنگ کے ساتھ معاملہ نبٹا لینا۔ لیکن ابھی محض سیفٹی پرپز کے لیے میرا ساتھ دو مہریار۔ ورنہ اگر ایسا ویسا کچھ ہو گیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گے۔"

رباب خان اپنی بات کہہ کر کرسی سے ٹیک لگا کر پیچھے ہو گئیں۔ وہ بغور مہریار کے تاثرات کا جائزہ لینے لگیں جو اتار چڑھاؤ کا شکار تھے۔ وہ ماتھے پر بل

www.pklibrary.com

ڈالے جیسے خود کو کسی بات کے لیے بہ زور آمادہ کر رہا تھا۔ رباب خان اٹھ کھڑی ہوئیں اور ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھا کر مایوس سی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"میم....."

مہریار کی آواز نے ان کے قدم روک لیے تھے لیکن وہ مڑی نہیں تھیں۔ ہونٹوں پہ نامحسوس سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی جیسے انہیں پتا ہو کہ وہ کیا کہنے لگا ہے۔

"مجھے رات تک کا وقت دیں۔ میں سوچ کر بتاتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

رباب خان نے پلٹ کر غراہٹ آمیز لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"مہریار۔ یہ رات تک کی مہلتیں زندگیاں اجاڑ دیا کرتی ہیں کیا ابھی تک تمہیں تجربہ نہیں ہوا۔ کیا رات تک میں کوئی کرشمہ ہو جائے گا جو سب کچھ ٹھیک کر دے گا۔ مرد بنو مہریار۔ اور مردوں کی طرح اون کرو۔ مہلتیں بزدل مانگا کرتے ہیں جو کبھی پلٹ کے دیکھتے بھی نہیں۔"

"وہ بزدل نہیں ہیں میم۔ بس سب کچھ اتنا پیچیدہ ہو گیا کہ ہر سرا ہاتھ سے نکلتا چلا گیا۔"

مہریار کو برا لگا تھا تب ہی فوراً دفاعی لہجے میں جواب دیا۔

رباب خان استہزائیہ مسکرائیں اور فوراً چہرے کو سپاٹ کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں یا نا..... ایک جواب..... دو ٹوک.....!"

مہریار نے بے بسی سے انہیں دیکھا جہاں کوئی نرمی نہیں تھی اور گہری سانس چھوڑتا بولا۔

"ڈن۔ جیسا آپ کہیں، لیکن اگر انجام اچھا نہ ہوا تو ذمہ داری آپ کی ہوگی میری نہیں۔"

"انسان اپنی نیتوں کا پھل پاتا ہے مہریار بیٹا۔"

اتنا کہہ کر وہ مطمئن سی آفس سے باہر چلی گئیں اور مہریار جسم کو ڈھیلا چھوڑتا کرسی پر گرا۔ دماغ میں جیسے کھچڑی پک رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

وہ زوہا کے بیڈ کے پاس اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگائے بیٹھی تھی۔ گاہے بگاہے وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم لیتی اور پھر محبت سے اس کا سر سہلانے لگتی۔ زوہا ہوش میں تھی اور ہلکی پھلکی بات چیت کر رہی تھی۔ وہ پہلے کی نسبت فریش محسوس ہوتی تھی۔ ہاسپٹل میں ہونے نے اسے پریشان نہیں کر رکھا تھا بلکہ اس کی توقع کے برخلاف وہ بے حد امید افزا باتیں کر رہی تھی۔ ہاجرہ اس سے ملنے کے بعد کچھ دیر پہلے ہی کمرے سے باہر گئی تھیں۔

"میری گڑیا بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑی ہونے والی ہے۔ ایک بار پھر سے ہمارے گھر کی رونقیں لوٹ آئیں گی۔ ہم دونوں جی بھر کر چھت پر واک کیا کریں گے۔ برآمدے میں پہلے کی طرح پینگ لگوالیں گے اور۔"

"اور اس بار پہلی باری آپ کی۔"

زوہا نے اس کی بات اچک کر جملہ مکمل کیا تو زمن بے ساختہ نم آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔ زوہا جب تندرست تھی تو ان کے برآمدے میں پینگ لگی ہوتی تھی جو زیادہ اونچی نہیں جاتی تھی۔ زوہا نے کبھی بھی زمن کو پہلی باری لینے نہیں دی تھی۔ چھوٹی تھی تو زمن بھی اس کو بچوں کی طرح جھلاتی تھی۔ پھر زوہا بستر سے لگ گئی اور زمن نے پینگ اتار دی۔ اس کا جھولنے کا بھی دوبارہ دل ہی نہ کیا۔ اب جب زوہا عنقریب ٹھیک ہونے والی تھی تو ایک بار پھر دونوں بہنیں پرانی یادوں کو تازہ کرنا چاہتی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے آپی۔ ڈاکٹر مہریار اتنے گریس فل ہیں وہ اتنی اچھی باتیں کرتے ہیں کہ بندہ مرتا مرتا جی اٹھے۔ ان کی تو باتوں میں بھی شفا ہے۔"

زمن کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ کچھ وقت پہلے کی ہوئی تکرار یاد آئی اور بار ہا اس کے ہاتھوں ہوئی عزت افزائی بھی تو بھنویں اور ڈیلے اچکا کر بمشکل بات کو ہضم کیا۔

"اچھی بات ہے۔ ڈاکٹر کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ مریض کی آدھی بیماری تو پیاری پیاری باتیں ختم کر دیتی ہیں۔"

www.pklibrary.com

"آپی! وہ کہتے ہیں میں جب چلنے لگوں گی تو وہ مجھے ایک بہت بڑا سرپرائز دیں گے۔ یہ بات انہوں نے کتنی ہی بار میرے کان میں کہی۔"

"ایسا کیا۔" زمن کو اچنبھا ہوا۔ "مثلاً تمہارے نام پلاٹ لگاتا ہے انہوں نے۔ ایویں شوخیاں۔" زمن نروٹھے لہجے میں بولی۔

"ارے نہیں آپی۔ یہ تو بعد میں ہی پتا چلے گا نا۔ لیکن وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ اور کہتے ہیں کہ اس کے لیے مجھے مکمل تعاون کرنا ہوگا خود کو کمپوز رکھنا ہوگا۔ اور ان کی کہی ہر بات ماننی ہوگی۔ وہ اتنی بار سرپرائز کا کہہ چکے ہیں تو یقیناً وہ دیں گے۔ میں بے حد ایکسائیٹڈ ہوں اس سرپرائز کے لیے۔"

زمن مسکرا دی۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر مہریار نے اس کی بہن کی نفسیات کو سمجھ لیا ہے اور اسی کے مطابق اس کے ساتھ ڈیل کر رہے تھے۔

"وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، تم ویسے ہی کرو جیسے وہ کہتے ہیں تاکہ میں اور میری گڑیا جلد از جلد مستیاں کر سکیں۔ تمہیں پتا ہے میں اپنی چھوٹی بہن کو کتنا مس کرتی ہوں۔ جب سے تم بیمار ہوئی ہو میں نے کوئی دوست نہیں بنائی کیونکہ میری سب سے قریبی دوست تو تم ہی تھی نا۔ اب تم ٹھیک ہو جاؤ گی تو جو اتنی ساری باتیں جمع ہو رکھی ہیں وہ سب کی سب کریں گے۔"

زمن دانستہ اس کا دھیان اپنی اور کھینچ رہی تھی۔ وہ حساس لیکن بھولے ذہن کی لڑکی تھی۔ اس کی زندگی کی یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں۔ سرپرائزز، مستیاں اور خوب ہنسنا۔ زمن ان سب چیزوں کو مس کرتی تھی۔

"آپی۔" زوہا نے اچانک کچھ یاد آنے پر اسے پکارا تو وہ چونک کر اس کی پیشانی سے بال ہٹانے لگی۔

"آپی۔ ہم نے گھر چھوڑ دیا ہے نا۔ آپی کیا اب وہ ادھر بھی پہنچ چکے ہیں نا۔ ہمیں مارنے کے لیے۔ ہے نا۔ تب ہی امی نے صبح صبح اتنی جلدی میں سب سمیٹا تھا نا۔"

وہ سوالیہ نظروں سے زمن کو دیکھ رہی تھی اور زمن لاجواب سی اس کی آنکھوں میں۔ زوہا کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے اسٹریس دیا جاتا۔ دو دن بعد اس کی سرجری تھی اور اس کے لیے لازم تھا کہ پرسکون رہے۔ زمن نے ایک پل کو سوچا اور پھر رسان سے جواب دیا۔

"اب ہمیں کوئی ڈھونڈ بھی لے تو پروا نہیں زوہا۔ ہم اب سیف ہیں۔ ہمیں اب کوئی نہیں مار سکتا۔"

"اور اگر انہوں نے یہاں بھی ہمیں ڈھونڈ لیا آپی۔ ہم کتنا بھاگیں گے۔ کب تک بھاگیں گے۔ اب تو اتنا بھاگ لیا ہے۔ کہ دل کرتا ہے کہ سب ایک جھٹکے میں ختم ہو جائے یا ہم یا پھر یہ تماشا۔"

زوہا کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔ زمن بھانپ گئی کہ وہ اسٹریس لینے کے قریب ہے اس لیے اس نے فوراً سے حکمت عملی پہ عمل کیا۔

"یہ جو تمہارے ڈاکٹر صاحب ہیں نا۔ وہ ہمارے ساتھ کچھ برا ہونے نہیں دیں گے زوہا۔ تمہیں ان پر یقین ہے نا؟"

اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ بات اس نے کیوں کہی ہے بس اس وقت زوہا کو پرسکون کرنے کے لیے مہریار کے نام سے بڑا تنکا سجھائی نہیں دیا۔

"یہ ڈاکٹر مہریار ہیں نا جو ہمیں بچا رہے ہیں نا آپی۔ ہے نا۔ مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ جس طرح وہ ٹریٹ کر رہے ہیں ضرور وہی ہمیں اس مشکل سے بھی نکال لیں گے۔ امی کہتی ہیں کہ یہ بہت اپنے اپنے سے لگتے ہیں اور مجھے بھی ان کی موجودگی میں حفاظت کا احساس رہتا ہے۔ آپ کو ایسا نہیں لگتا کیا آپی؟"

اس نے زمن کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ سے اسے ہلایا تو وہ چونکی۔

"ہمم...... اہم...... ہاں لگتا ہے۔ بالکل لگتا ہے۔" ذہن میں پھر سے مہریار کا اپنے ساتھ برتاؤ گھوما۔ لیکن زوہا سے کیا کہتی بھلا۔

"اچھا اب تم تھوڑا ریسٹ کرو۔ رات تک ادھر ہی ہوں میں۔ اٹھو گی تو باتیں کرنا۔"

www.pklibrary.com

زوہا نے بنا تکرار کے آنکھیں موند لی تھیں۔ زمن نرم انگلیوں سے اس کا سر سہلاتی فکرمندی آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگی۔ کیا ہو جو وہ یہاں بھی پہنچ جائے۔ کہاں جائیں گے وہ لوگ۔ کس سے مدد مانگیں گے۔ آنٹی رباب سالوں سے ان کے لیے حفاظتی بند بنی ہوئی تھیں لیکن وہ ہر جگہ پہنچا تھا۔ سب کر کے دیکھ لیا۔ نام بدل لیے، ٹھکانے بدل لیے۔ پہچان بدل لی لیکن نہ بدل سکا تو ان ظالموں کا کھور دل۔ وہ سب بھول سکتی تھی لیکن اپنے بچپن سے جڑی خوف ناک یادوں کو یادداشت سے نوچ کر نکال نہیں پھینک سکتی تھی۔ اسے شدت سے باپ کی محرومی کا احساس ستاتا تھا۔ جب وہ اوروں کے رحم وکرم پہ جی رہی تھیں تو ایک باپ کا ہونا کیا معنی رکھتا تھا، یہ کوئی اس سے پوچھتا۔ س نے سوچوں کی طنابیں واپس کھینچیں اور اپنے تھکے ہوئے دماغ سے جوڑ توڑ کرنے لگی کہ اگر یہاں بھی وہ پہنچ گیا تو اگلی منزل کون سی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

چہار باغ حویلی کا پچھلا صحن سنسان پڑا تھا۔ اتنی بڑی حویلی تھی، ملازمین زیادہ تر سامنے والے حصوں میں رہتے ویسے بھی وہ جانتے تھے کہ مالکوں کو یہاں پچھلے حصے میں آنا پسند نہیں۔ یہاں کوٹھری تھی جس تک صرف مالکوں کی رسائی تھی۔ دن میں دو وقت کا باسی پرانا یا جیسا بھی جینے لائق کھانا ایک چھوٹے شاپر میں ڈال کر کوٹھری کی سلاخوں والی اکلوتی کھڑکی سے اندر پھینک دیا جاتا تھا۔ پھینکنے والے ملازم یا ملازمہ کو کبھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آگے ہو کر ایک نظر اندر بھی ڈال لیں کہ آخر کون قسمت کا مارا یہاں سالہا سال سے بند ہے۔ ایک گہری خاموشی چھائی رہتی تھی کوٹھری میں۔ کبھی کبھار تو شک پڑتا تھا جیسے اندر کوئی ذی نفس موجود ہی نہیں لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ خاموشی کیسے طوفان سہہ چکی ہے۔ اسی صحن کے گرد چوڑی چوڑی طویل کیاریوں میں خوش رنگ پھولوں کی جگہ ٹنڈ منڈ جھاڑیاں اور خودرو پودوں کی بھرمار تھی۔ صاف صفائی کا دھیان نہ رکھنے کی وجہ سے صحن میں بھی کئی جگہوں سے گھاس نے سر اٹھا لیا تھا۔ مجموعی طور پر دل بوجھل کر دینے والا ماحول طاری رہتا تھا۔ ایک لمبے اونچے درخت پر گلہریاں بھاگتی پھر رہی تھیں۔ کوے نے کسی شاخ سے اڑان بھری اور دیوار پر آ بیٹھا لیکن یہاں مہمان نہیں آیا کرتے تھے صرف سنہری بیگم دبے پیروں کوٹھری کی "زیارت" کرنے آتی تھیں۔ ان کا انداز ایسا ہی ہوا کرتا تھا جیسے اونچی سانس بھی لیں گی تو بے ادبی ہو گی۔ وہ ہمیشہ بنا جوتے کے ہوتی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح لیے مسلسل ہلتے ہونٹوں کی پھونک سے اپنے گرد حصار پر حصار بناتے ہوئے سنہری کو انجان شخص دیکھ لیتا تو سمجھتا نا جانے کیسی فلک بوس عقیدت ہے جس کی بنا پر وہ اس طرح سے چلتی آتی تھیں لیکن یہ ان کا وہ خوف تھا جو اسے کوٹھری کے اندر بند انسان سے تھا۔ ہر طرح سے لاچار سالوں سے قفس میں قید وہ انسان جوان کا بظاہر کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے اندر کے ڈر سے چھٹکارہ نہیں پا سکی تھیں۔ یہی ڈر انہیں پیروں میں چپل اڑسنے نہیں دیتا تھا مبادا چاپ اس کوٹھری کے اندر نا چلی جائے۔ یہی ڈر اونچی سانس بھی نکالنے نہ دیتا تھا مبادا کوٹھری ان کا سانس ہی نا پی جائے۔

اس وقت بھی وہ بنا چپل کے ہاتھ میں لمبی سی تسبیح لیے کپکپاتے دل پہ قابو پاتی صحن کوٹھری سے قریب آ رہی تھیں۔ انہیں آج تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں آتی ہی کیوں ہیں؟ کس لیے؟ کتنی مزید لاچاری اور کیسی بے بسی دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ جو ہر بار اس امید پر یہاں آتیں کہ اندر موجود وقت کے ہاتھوں رل چکی ہستی اس کے آگے گھگھیا کے رحم کی بھیک مانگے۔ وہ چاہتی تھیں کہ ایک بار بس ایک بار اندر سے صدا آئے کہ اسے یہاں سے رہائی دے دی جائے، اس خواہش کا پورا ہونا ان کی حسرت تھی۔ وہ چند قدم مزید قریب ہوئیں۔ کھڑکی سے اندر

www.pklibrary.com

فاصلے سے ہی جھانکنے کی کوشش کی لیکن باہر کی تیز روشنی کی وجہ سے اندر کا منظر مزید سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے تھوڑی اور کوشش کی تو تعفن کی لہر نے ان کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سالوں سے بند انسان کی ہر حاجت اسی کوٹھڑی میں بند تھی۔ سنہری بیگم بے ساختہ اپنی چادر کا پلو ناک پہ رکھتے دوبارہ تھوڑا سا آگے ہوئیں اور تب ہی اچانک ایک ہاتھ ان سلاخوں سے باہر آیا اور ان کا گلا دبوچ لیا۔ سنہری بیگم کی چیخ خوف کے مارے حلق میں ہی گھٹ گئی۔ یوں لگا جسم سے ساری جان کھینچ لی گئی ہو۔ آنکھیں ابل کر حلقوں سے باہر آنے لگیں۔ وہ جھٹپٹائیں اور خود کو چھڑانے کی سعی کی۔ یک دم اس ہاتھ نے کچھ دیر بعد ان کی گردن کو پرے دھکیل دیا۔ وہ چند قدم پیچھے ہوتے ہوئے رکوع میں جاتے اپنی گردن سہلانے لگیں۔ کھانسی دبانے کی کوشش میں اس کی چھوٹی چھوٹی بنا پلکوں والی آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا تھا۔ چاہتیں تو ایک پکار پر سارے ملازمین چلے آتے لیکن وہ ایسا کیسے چاہ سکتی تھیں۔ کیا بتاتیں کہ سنہری کی گردن اس سبز نسوں والے سیاہ ہاتھ نے دبوچ لی تھی جس کو کبھی سلاخوں سے باہر نکلا دیکھ کر ملازمہ غش کھا کے گر پڑی تھی۔ دوبارہ اس نے اس کوٹھڑی میں کھانا پھینکنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ سنہری بیگم تھیں اور یہ ہاتھ جس وجود سے پیوستہ تھا وہ انہی کے کارن یہاں بند تھا۔ وہ اس سے ڈر جاتیں یا دب جاتیں تو سنہری کا طنطنہ کس طرف منہ کرتا۔

"کیا ہوا۔ سانس بند ہوا تیرا بدبخت۔۔ بس اتنی سی دیر میں؟" اندر سے آتی سرسراتی آواز نے اسے سیدھا کھڑا ہونے پہ مجبور کیا۔ وہ شہ رگ پہ ہاتھ رکھے سلاخوں کے پار سے دکھائی دیتی دو شرربار نگاہوں کو دیکھ رہی تھیں جن میں استہزاء ناچ رہا تھا۔ وہ آنکھیں وقت کی دھول میں اٹ کر سیاہ ہو چکے چہرے پہ اندر کو دھنس چکی تھیں لیکن ان کی چمک اور دیدہ دلیری آج بھی ویسی ہی تھی جیسی ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ وہ آواز قہقہہ لگاتی اس کا مذاق اڑانے لگی۔ سنہری کو اس کے ہنسنے کی آواز نے وحشت زدہ کر دیا۔

"اپنا منہ بند رکھ۔ کون سی مٹی ہے تیری جس کے کس بل ہی نہیں نکلتے۔ حالت دیکھ اپنی اور اکڑ دیکھ۔ کون سے حال آ گئے تجھ پر لیکن تیری اینٹھن نا گئی۔ ناپاک کم ذات۔" سنہری کا طیش کم نہیں ہو رہا تھا بلکہ دل کر رہا تھا آج اس کوٹھڑی کو آگ ہی لگا دیں۔ بہت لمبا چل چکا تھا یہ قصہ۔ اب ختم ہی کر دے۔"

میری مٹی کا خمیر تجھے لگا ہوتا نا انسانیت چھو جاتی تجھے۔ یہ جو تیرے اندر کی حیوانیت ہے نا وہ اس لیے ہے کہ تجھے شیطانی مٹی لگی ہوئی ہے۔ دیکھ کیسے کیسے اجاڑا ہے تیری شیطانیت نے سب کو۔ اب تیرا وقت آنے والا ہے۔ انتظار کر۔"

اور سنہری کا دل کیا کہ تیزاب لے کر اس انسان کا منہ جلا دیں جس نے انہیں کچوکے دے دے کر مار ڈالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے سلاخوں سے قریب ہوئیں اور غرائیں۔

"بڑا غرور ہے خود کی نیکی اور پارسائی پر۔ تیری یہ نیکی تیرے اپنوں کو نہیں بچا پائی۔ سب کو تھیڑ (بھیر) کر رکھ دیا ہے میں نے۔ تو جوڑنے لگے تو تجھے شروع کرنے کے لیے سرا ہی نہیں ملے گا۔"

عین اسی وقت اندر سے ایک گندگی میں لتھڑا پرانا شاپر گولا بنا آیا اور سنہری بیگم کے منہ پہ آ لگا۔ ایک پل کو تو جیسے دماغ بھک سے اڑا تھا۔ بے یقینی سے اپنے پیروں میں گرے اس غلیظ شاپر کو دیکھا اور اس کی وجہ سے اپنے چہرے اور کپڑوں پہ لگی گندگی کو دیکھا۔ کراہیت، طیش، بے بسی اور سب فنا کر دینے کی چاہت ایک ساتھ سنہری پہ حملہ آور ہوئیں۔ انہوں نے منہ اونچا کر کے ان سلاخوں پہ تھوکا اور پھنکاری۔

"تیرا انجام بہت بھیانک ہے۔ اور اب بس بہت ہوئی۔ اب تیرے ہونے کی ہی ضرورت نہیں۔ کتا پاگل ہو جائے تو گولی مار دینی چاہیے، میں نے بلاوجہ تجھے پالے رکھا۔ اب اور نہیں۔ تجھے مار

www.pklibrary.com

کر تیری لاش کو گٹر کے حوالے کروں گی۔ دیکھنا تو۔"
وہ پلٹیں تو ان کے کانوں میں کوٹھری سے نکلی آواز پڑی۔

"یہ سوچ کر نکالنا مجھے یہاں سے۔ جس دن یہاں میرا آخری دن ہوا اسی دن سے یہ کوٹھڑی تیرے نام ہو جائے گی۔ یہ کوٹھڑی دن گنے گی تیرے آنے کے۔ یہ کوٹھڑی سانپ اور بچھو اکٹھے کرے گی تیری قبر کے لیے۔ سوچ کے کھولنا اس کوٹھڑی کو۔ سوچ کے۔ تیرا ماضی تیرے ہمزاد کی طرح تیرے ساتھ کھڑا ہے۔ تو اور وہ ایک ساتھ یہیں دفن ہوں گے۔ یہیں فنا ہوں گے۔"

سنہری نے پلٹ کے نہیں دیکھا بلکہ انتہائی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔ ان کے ننگے پیروں سے ماضی کی دھول لپٹتی ان کے ہمراہ ہولی تھی۔

☆☆☆

ہمیں لوگوں کے متعلق اتنا ہی جاننا چاہیے جتنا وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے متعلق جانیں۔ کیونکہ تجسس اگر کمی ہو تو شعور کے در کھولتا ہے جبکہ حصی ہو تو شر کے۔

اپنے وسیع و عریض اور اونچی چھت والے ہوادار کمرے میں نواڑی پلنگ پہ لیٹا حسنات راؤ سنہری کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی اسے پہلی نگاہ میں ہی اچھی نہیں لگی تھی۔ کچھ عجیب نہیں بلکہ بے حد عجیب سے تاثرات تھے اس کے چہرے پر اور پھر جس دیدہ دلیری سے وہ پلٹ کر اسی سے سوال کرنے لگی تھی وہ اسے نہیں بہت چبھا تھا۔ اسے کبھی بھی تجسس کرنا اور لوگوں کی باتیں سننا پسند نہیں تھا۔ ان کی حویلی کا ماحول بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ سکینہ بیگم ایک اچھی ماں تھیں جو اولاد کی شخصیت پروان چڑھاتے ہوئے اخلاقیات پہ زور دیتی تھیں۔ انہوں نے نہ کبھی خود تجسس کیا تھا نہ اپنی اولاد کو چھپ کر باتیں سننے کی عادت ڈالی تھی۔ ایسا ہی ماحول پھپھو قدسیہ اور آفتاب چچا کے گھر کا تھا۔ حمیدہ چچی کی عادات کو کہ الگ تھلگ تھیں لیکن وہ بھی چوری چھپے کوئی کارروائی نہیں کرتی تھیں۔ یہ اس حویلی کی پہلی مکین تھی جسے اس نے یوں ستون کی آڑ میں چھپ کے اپنے ہی گھر والوں کی باتیں سنتے دیکھا تھا۔ بھلا کسی چار دن کے مہمان میں کہاں سے ایسی جرأت آ گئی۔ اسے برا تو بے حد لگا تھا لیکن سنہری اسی وقت وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ اماں ابا سے ملنے لگ گیا تھا۔

چھے ماہ بعد واپس آیا تھا۔ سب بے حد اداس تھے اس کے لیے۔ ابا کا وہ لاڈلا تھا اس لیے کتنی ہی دیر بغل گیر رہے۔ وہ آنکھیں میچے ماں باپ کے سینے سے لگا ان کی خوشبو اپنے اندر اتارتا رہا۔ حیات نے اپنے سے چھوٹے لیکن خود سے اونچے بھائی کو سینے سے لگا کر خوب بھینچا تھا۔ دونوں بھائی پڑھائیوں کے سلسلے میں شہروں میں بسے تھے۔ ایک چھٹی پہ گھر آتا تو دوسرے شہر ہی ہوتا تھا دوسرا آتا تو پہلا حویلی میں نہیں ہوتا تھا۔ حیات تو سادہ ایم اے اکنامکس کی ڈگری کے لیے محنت کر رہا تھا جبکہ حسنات بہاولپور میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کے پہلے سال میں تھا۔ بلا کا پڑھاکو اور سنجیدہ مزاج تھا لیکن بھائی سے خوب بنتی تھی۔ دونوں کا ہی مذاق ایک دوسرے کے ہی سمجھ میں آتا تھا اور اس پہ بس وہ خود ہی ہنس سکتے تھے۔ قدسیہ پھپھو کے بیٹوں سے بھی اچھی دوستی تھی لیکن وہ حیات سے قدرتی قریب تھا۔ کچھ دیر اماں ابا کے پاس ہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ تازہ دم ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی آنکھ سے اشارے سے حیات کو بھی چلنے کا کہا۔ دونوں بھائی راہداری سے ہوتے اندر کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

"بھائی..... یہ پیلیا کی مریضہ کون گھوم رہی ہے حویلی میں۔"

بیگ ایک کندھے سے دوسرے پہ ڈالتے اس نے وہیں رک کر حیات سے پوچھا تو وہ حیران سا اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"پیلیا کی مریضہ۔ کس کو دیکھ آئے ہو۔ اگر آفتاب چاچو کی بیٹیوں میں سے کسی کو کہا ہے تو اپنے دانت بچانا مجھ سے۔ اور رانی کو بولا ہے تو وہ تو ہر وقت لال اتنی رہتی ہے کہ نمائندگی ہے۔"

www.pklibrary.com

"اوئے ہوئے....." حسنات کی تان خالی راہداری میں دور تک گونجی۔ "آفتاب چاچو کی کون سی بیٹی کی وجہ سے میرے دانت ٹوٹیں گے بھائی۔ پہلے یہ بتائیں نا، اس کے بعد رانی کو میں بتا دوں گا کہ آپ نے اسے ٹماٹر کہا ہے تو وہ آپ کے دانتوں کی خبر لے لے گی۔"

"تم زیادہ بنو مت۔ اماں نے اسی لیے بلایا تھا تمہیں کہ ابا کو مناؤ آ کر کشور کے لیے۔ کاکے نہ بنو اب۔" حیات نے اسے دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگاتے آہستہ آواز میں گھرکا۔

"ویسے یہ اچانک سے آپ کو کیا سوجھی۔ پہلے تو آپ کے گوڈے سوکھے تھے۔"

"سوکھے تھے؟ کیا مطلب۔" حیات نے حیرت سے دہرایا۔

"مطلب ابھی تازے ہی عشق میں ڈوبے لگ رہے ہیں۔"

"اففف۔ حسنات تم اور تمہاری بے سروپا باتیں۔ ابھی جاؤ شام میں چھت پہ چل کر تفصیل بتاتا ہوں۔ نکلو اب۔ ابھی ابا کے ساتھ ڈیرے پہ جا رہا ہوں۔ آج کل ان کا کوئی حکم نہی ٹالتا تاکہ....."

"تاکہ بلائل جائے۔"

حسنات نے جملہ مکمل کر کے قہقہہ لگایا اور حیات کے مکے سے بچتا اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا گیا۔ نہا دھو کے وہ کچھ دیر چھپکی لینا چاہتا تھا لیکن نظروں کے سامنے بار بار سنہری کا تیز طرار چہرہ آ جاتا۔ اس کے دل کو کھٹک سی لگ گئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ لڑکی کون تھی اور اتنے مزے سے یوں دندناتی کیوں پھر رہی تھی۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اسی بارے سوچتا نیند میں اتر گیا تھا۔

☆☆☆

"ماسی! ایک بات تو بتا۔"

سنہری حمیدہ کے آگے بال کھولے فرش پر بیٹھی تھی۔ حمیدہ ہلکے ہاتھوں سے اس کے گھنے بھرے بالوں میں تیل کا مساج کر رہی تھی۔ سنہری نے مندی آنکھوں سے سوال کیا۔ حمیدہ نے تیل کی کٹوری سے تھوڑا سا مزید تیل اس کے سر پر انڈیلا اور بولی۔

"ہاں پوچھ۔ پہلے کبھی اجازت لے کر پوچھا ہے کیا۔ بلکہ تجھے کبھی کسی سے اجازت لینی آئی ہے کیا۔"

"یہ گلہ کر رہی ہو ماسی، یا تعریف کر رہی ہو؟" سنہری نے ایک آنکھ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "خیر ابھی اس کو چھوڑ۔ یہ بتا کہ یہ جو تیری جٹھانی کی آل اولاد ہے وہ ساری اوقات سے باہر کیوں ہے؟"

"ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔۔" حمیدہ اس کے انداز پر ششدر سی بولیں۔ "یہ کیا زبان ہے سنہری۔ سیدھی طرح تائی جی کہہ جو قاسم کہتا ہے یا پھر ماسی بول۔ کسی نے سن لیا تو تیری ماں کی تربیت پر حرف آئے گا جھلیے۔"

"نا سنہری کو کسی کی پروا نہیں۔ اور میری بات کوئی کیوں سنے گا اس کام کے لیے میں آپے بہتیری ہوں۔ اچھا بتا نا۔ یہ تیری جٹھانی کے منڈے خود کو سمجھتے کیا ہیں؟"

"چار جماعتیں پڑھ لی ہیں بس اور کیا۔ نمرہ نے بھی چودہ کر لیں۔ حیات کی بھی سولہویں پوری ہو جانی ہے اب اور وہ حسنات، تو وہ اس حویلی کا پہلا ڈاکٹر ہوگا۔ اگر تو آنی ہی ہے نا۔"

"یہ اپنا قاسم کیوں نہیں پڑھا ماسی۔" سنہری بال چھڑواتی حمیدہ کی طرف منہ پھیر کر بولی۔

"لے دس۔ وہ کیوں پڑھے بھلا۔ اس کا دماغ پولا ہے کیا۔ اتنی زمین جائیداد اور پھر ان کے بھیڑے، اسے بھلا لوڑ ہی کیا ہے ڈگریوں کی۔ ایویں ہی تو نہیں اپنے تائے کا لاڈلا۔ جیسا وہ اپنے پتروں کو دیکھنا چاہتے تھے ویسا قاسم نکلا ہے ماشاء اللہ۔ اور پڑھائیاں کروا کر میں اپنے چمن سے پتر کا منہ پچھلے پاسے لگا دیتی۔۔ پوری حویلی کے منڈوں میں سب سے گبرو ہے قاسم۔ قد سیہ کے لڑکے لے لے یا سکینہ بھر جائی کے، قاسم جیسا ایک بھی نہیں۔"

اور سنہری کی نگاہوں کے سامنے حیات اور

www.pklibrary.com

حسنات کے پرکشش اور وجیہہ چہرے آ گئے جن کو ان کے رکھ رکھاؤ نے مزید چار چاند لگا دیے تھے۔ قدسیہ پھپھو کے بیٹے بھی پیارے تھے لیکن ان کے قد درمیانے تھے جبکہ حیات اور حسنات کے قد چھ فٹ سے اوپر نکلتے محسوس ہوتے تھے، اوپر سے بات کرنے کا شائستہ انداز۔۔ جبکہ قاسم کا ہر سوال اینٹ اور ہر جواب پتھر ہوا کرتا تھا۔ حسنات سے گو کہ اس کی ملاقات ناخوش گوار تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس سے مرعوب ہو کر آئی تھی۔

"یہ جو ہے...... کیا نام ہے بھلا ماسی اس کا......" سنہری نے بالوں کو سمیٹتے ہوئے جوڑے کی شکل دیتے ہوئے کہا۔ "یہی جو تیری دیورانی کی وڈی کڑی ہے۔"

حالانکہ اسے نام معلوم تھا اور ذہن نشین بھی لیکن محض تجاہل سے کام لے کر دل کو تسکین دے رہی تھی۔

"کشور...... کشور نام ہے اس کا...... ہونہہ۔" حمیدہ چاچی کا رقیہ کے ذکر سے منہ کا ذائقہ ایسے ہی کڑوا ہو جاتا تھا۔

"ہاں ہاں وہی نحوست سی رہتی ہے جس کے منہ پر۔" سنہری کو اچھا لگا تھا حمیدہ کا اس کے لیے اس لہجے میں بولنا۔ "اس کی واقعی بات پکی ہے حیات کے ساتھ؟" لہجے کو سرسری سا بنا لیا تھا لیکن دل میں پکڑ دھکڑ تھی۔

"آہو، ہو چکی ہے۔ سب کے بیچ بیٹھ کر مانگی ہے سکینہ بھرجائی نے۔۔ نا تھوڑی کرنی تھی اس کمی کمین آفتاب نے۔ ہونہہ۔ کڑی اتنے اونچے گھر چلی جائے گی اتنا گبرو منڈا مل جانا ہے اور بھلا کیا چاہیے تھا دونوں میاں بیوی کو۔ اللہ جانے کیا ہے آفتاب کی اس کڑی میں۔ حویلی کے منڈے لٹے ہوئے پھر رہے اس کے پیچھے۔" انہوں نے دانستہ خود کو کہنے سے روکا کہ قاسم بھی کشور سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس بات سے انجان کہ سنہری یہ بات اچھی طرح جانتی تھی۔

"کالا جادو ماسی کالا جادو۔" سنہری تھوڑا آگے ہوئی۔ "یہ جو مائی جی کے گھر جاتی ہیں نا تینوں سبق شبق دہرانے، وہاں جا کر کشور مائی کے ساتھ اندر کمرے میں چلی جاتی ہے اکثر اور رابی اور خانم باہر صحن میں بیٹھی ٹالیں کھیلتی رہتی ہیں۔ اب بتا ماسی بھلا اندر کیا کرتی ہوں گی یہی نا جادو ٹونا۔ دیکھ لینا ایک دن بات کھل جانی ہے یہ بھی۔"

سنہری اس قدر وثوق سے بولی کہ حمیدہ بھی سوچ میں پڑ گئی حالانکہ مائی جی سے حویلی کی سب عورتوں نے سبق پڑھا تھا۔ لیکن سنہری کی باتوں کے پھیر میں بھول بھال گئیں یہ بات۔

"آپے سوچ ماسی۔ ہے کیا کشور میں۔ اس سے تو سوہنیاں ہمارے پنڈ کی کمہارنیاں ہوتی ہیں۔ بس اس کے مقدر ہرے ہیں جو یہاں جم (پیدا) بیٹھی ہے ورنہ دیکھتی تو کیسے کمیوں کے گھروں میں رلتی۔"

"سچ کہہ رہی ہے سنہری تو۔ مجھے بھی شک پڑتا ہے دونوں ماں بیٹی پر۔ ساری حویلی ان کمبختوں کے نام کی تسبیح پڑھتی ہے۔ جسے دیکھو رقیہ کشور، رقیہ کشور لگا ہوا کرنے۔ اور وہ نکی میسنی ہے جو اس سے تو اللہ بچائے......" حمیدہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے سر سے اترتا پلو واپس سر پر کھینچا۔ "مجھے تو اس کڑی کے لچھن ابھی سے اچھے نہیں لگتے جب دیکھو حویلی کے مردوں کے کان کھانے ضدیں منوا رہی ہوتی ہے۔ بھائی بھائی کرتی سب کے پیچھے پھرتی رہتی ہے اور ماں آنکھیں بند کیے چھوٹ دے کر بیٹھی ہوئی۔ یہ اپنے حیات اور حسنات تو لفظ نا سنیں اس خانم بیماری جوگی کے خلاف۔ قسمے۔" حمیدہ چاچی سامنے دیوار کی جڑ میں دیکھتے ہوئے خانم کو کوس رہی تھیں جیسے اسی دیوار کے نیچے دفنا ڈالیں گی۔ سنہری نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹا کیا اور حمیدہ کے قریب ہوئی۔

"اے ماسی۔" اس کی آواز سرگوشی سے کم نا تھی۔ "تو یہ ویاہ رکوا دے کسی طراں۔ یہ کشور اور حیات کا۔"

"آئے ہائے میں کیسے رکوا دوں۔ بھلا سب کی مرضی میں میری کہاں چلنی۔" حمیدہ نے ناک سے

www.pklibrary.com

مکھی اڑائی۔ سنہری کو اس کے انداز سے تھوڑی مایوسی ہوئی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔

"دیکھ ماسی! تیری عقل حویلی کی چار دیواری میں ہی گھس گھسیاں کھاتی رہتی ہے۔ کبھی اس سے باہر نکل تو ہوا لگے نا۔ اگر کشور کا ویاہ حیات سے ہو گیا تو تیری دیورانی اور اس کی دھی سر پر چڑھ کر ناچیں گی۔ حویلی کے وڈے ہیں نا تایا شہاب تو ان کی نوہ بھی وڈی مانی جائے گی تو اس طراں سب کو اس کی جی حضوری کرنی پڑے گی ماسی۔ اور پھر کشور زور پکڑے گی تو اپنی ماں کو بھی زور آور بنائے گی نا تو پھر تجھے بھی اپنی دیورانی کے آگے پیچھے پھرنا پڑے گا ماسی۔"

"رقیہ کے آگے پیچھے پھرتی میری جتی۔ اس کی اوقات کیا ہے جو مجھ پہ حکم چلائے۔ گت پٹ کے ہتھ میں نا دے دوں۔"

"جب سب کا ایکا ہو جاتا ہے تاں تیری اکیلی کی گت پٹی ہے ٹل کر سب نے۔ بتا رہی ہوں۔ سوچ ماسی سوچ۔ کسی طراں کشور کا تڑا دے رشتہ اور کسی سے کرا دے حیات کا جو تیری مان کے چلے۔ میرا مطلب کوئی ایسی جو تیرے شریکوں میں سے نہ ہو۔"

سنہری نے حمیدہ کو سوچ ڈال دی تھی وہ جانتی تھی اسے رقیہ اور اس کے ٹبر سے کتنی نفرت ہے۔ بس اسی نفرت کو مہمیز کرنا تھا۔ اب اس سوچ پہ حمیدہ کیسے عمل کرتی یہ وہ جانے لیکن اگر ایسا ہو جاتا تو اگلا قدم سنہری نے سوچ رکھا تھا پر پہلے ایسا ہونا لازمی تھا۔

☆☆☆

شام ڈھلے سب صحن میں جمع ہو چکے تھے۔ دلوں میں کتنی ہی نفرتیں اور کدورتیں سہی لیکن یہ شام کی چائے ایک ساتھ پینا واجب تھا حویلی والوں پر۔ اسی بیٹھک میں لڑائی بھی ہو جاتی من مٹاؤ بھی ہو جاتا اور زمینوں کے رولے بھی نبٹا لیے جاتے۔

شہاب الدین تہبند کرتے میں سر پر اونچے شملے والی پگ پہنے بڑی سی چوڑے پایوں والی چارپائی پہ براجمان تھے۔ قریب تازہ حقہ بھی رکھا ہوا تھا۔ آج اس محفل کا حصہ قاسم بھی تھا اور ایسا بہت کم ہوا کرتا تھا۔ شہاب الدین کے قریب کرسیوں پر چوہدری آفتاب اور انور چوہدری دونوں بیٹھے کسی گمبھیر معاملے پہ بات چیت کر رہے تھے جسے شہاب الدین بظاہر غیر دلچسپی سے لیکن درحقیقت پوری دلجمعی سے سن رہے تھے۔

ایک طرف حویلی کی چاروں خواتین اور سنہری براجمان تھیں اور حیات کی شادی کے حوالے سے بات چیت چل رہی تھی۔ تینوں لڑکیاں پیڑھیاں قریب ہی ڈالے سر جوڑے بیٹھی تھیں اور دھیما دھیما کشور کو چھیڑا جا رہا تھا جس کی گلال رنگت دیکھ دیکھ کر سنہری کا دماغ شل ہونے کو آ چکا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ان میں نہیں بیٹھی تھی اور باقی خواتین نے مروتاً اسے بڑوں میں بیٹھنے سے نہیں ٹوکا تاکہ کہیں حمیدہ برا نا منا جائے۔ رابی کی زبان بند نہیں ہوئی تھی وہ مسلسل باقی دونوں کا دھیان اس کی جانب کروائے ہوئے تھی۔

"دیکھو..... دیکھو ذرا کشور آپا..... اس باندری کی نظریں دیکھو ذرا۔ مسلسل بس ہمارے بھائیوں کو تاڑنے میں لگی ہوئی ہے۔ باری باری ایسے جائزہ لے رہی ہے سب کا کہ لگتا ہے جیسے کسی ایک کو اپنے لیے چن لیتا ہو۔"

وہ کینہ توز نگاہیں سنہری پہ گاڑے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ ساتھ ہی خانم کی گود میں رکھی کیریوں کی پلیٹ سے ایک پھانک پکڑ کر کترنے لگی۔

"ہمم۔ واقعی اس کی تو نظریں ہی نہیں ہٹ رہیں آپا۔!" خانم نے بھی حصہ لیا۔ ساتھ مٹھی اسی چبانے کی وجہ سے آنکھ بھی میچ رکھی تھی۔

"تم دونوں نا کم از کم یہاں بیٹھی یہ سب نا کرو۔ وہ اگر وہاں دیکھ رہی ہے تو تم دونوں اس کو دیکھ رہی ہو۔ حساب برابر۔" کشور نے دونوں کو گھرکا۔ اسے ہمیشہ کی طرح ڈر تھا کہ ان کی باتیں کسی کے کانوں تک نا پہنچیں۔

"ایویں حساب برابر۔ ہم اسے دیکھ رہے ہیں اور وہ لڑکوں کو۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھنا پسند ہی کب کرتی ہے آپا۔ اللہ جانے صبح مائی جی کی طرف جانے کے لیے کیوں چل پڑتی ہے اور اس وقت اتنی میٹھی

www.pklibrary.com

بنے گی جیسے روح افزا کا شربت ہو۔" رابی نے لفظ لفظ چباڈالا تھا۔اس طرح وہ سنہری کو چبانا پسند کرتی۔

خانم اس کی بات سن کر کھلکھلائی۔خواتین نے چہرے اس طرف موڑ کر نگاہوں سے تنبیہ کی۔مردوں کی موجودگی میں اس طرح ہنسنا معیوب لگتا تھا۔سنہری کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں سب کا جائزہ لیتی تھیں لیکن محسوس نہیں ہوتا تھا۔وہ اس جانب بھی نظریں گاڑے ہوئے تھی جہاں یہ تینوں تھیں اور اس طرف بھی جہاں قدسیہ پھپھو کے بیٹے اور حیات راؤ کے برابر قاسم بھی انتہائی تلخ تاثرات لیے بیٹھا تھا۔سنہری ان پانچوں کا اچھے سے جائزہ لے رہی تھی۔بلاشبہ قاسم بہت وجیہہ تھا اور پھپھو قدسیہ کے لڑکے بھی اچھے دکھتے تھے۔لیکن کچھ تھا جو حیات میں الگ تھا۔کچھ ایسا جو اس کی جانب کھینچتا تھا یا پھر سنہری کو ایسا محسوس ہوتا تھا۔

وہ ابھی بے دھیانی کی کیفیت میں بیٹھی ان ہی باتوں کو سوچ رہی تھی جب ایک طرف سے حسنات راؤ گھر کے آرام دہ کرتا شلوار میں تازہ دم سا یہاں آتا دکھائی دیا اور جیسے سارے میں چھا گیا۔اس کی شخصیت نے کوئی طلسم پھونک دیا تھا۔وہ پہلے آفتاب اور انور کی جانب گیا اور پوری گرم جوشی سے اپنے چاچا اور پھپھا سے بغل گیر ہوا۔اس کے بعد اس نے لڑکوں کا رخ کیا۔سب ہی لڑکے اس سے بے حد تپاک سے ملے سوائے قاسم کے۔اور حسنات کے لیے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

سب سے ملنے کے بعد وہ خواتین کی جانب بڑھا۔قدسیہ پھپھو اس کے قریب آتے ہی کھڑی ہو گئی تھیں۔کتنے مہینے بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ان کا بھتیجا پہلے سے زیادہ بجیلا ہو گیا تھا۔انہوں نے زیر لب ماشاء اللہ کہہ کر پیشانی چومی۔حمیدہ لیے دیے انداز میں ملیں لیکن قاسم کی نسبت بہتر ملی تھیں۔رقیہ نے بھی کندھے پہ پیار دے کر بڑی محبت سے حال احوال دریافت کیا۔حسنات خواتین سے مل کر سنہری کو مکمل نظر انداز کرتا کشور کی جانب آیا۔ساتھ بیٹھی رابی اور خانم نے فوراً پیڑھی چھوڑی تھی اور استقبالیہ مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔حیات راؤ ان دونوں سے کافی بڑا تھا اس لیے اس کی انسیت اور لگاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اب بھی دونوں سے بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح برتاؤ کرتا تھا۔جبکہ حسنات کا انداز پہلے کی نسبت بدل چکا تھا۔ایک ان دیکھا تکلف اور فاصلے پیدا ہو چکا تھا ان کے بیچ۔وہ پہلے سی بے تکلفی نہیں تھی لیکن اجنبیت بھی نہیں تھی۔

حسنات نے سب سے پہلے کشور کو سلام پیش کیا۔انداز میں قدرے شوخی تھی۔

"سلام بھر.....اوہ کشور آپا۔" وہ دانستہ بھر جائی کہتا رک گیا تھا۔کشور کے گال تپ سے گئے۔اس نے دھیمی آواز میں سلام کا جواب دیا۔دور بیٹھے حیات نے یہ منظر ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر دیکھا تھا۔

"اور تم دونوں کیسی ہو نوٹنکیو۔" وہ ان دونوں کی جانب متوجہ ہوا تو رابی کی باچھیں چر گئیں جبکہ خانم نے تھوڑا سا منہ پھلا لیا۔

"حسنات بھائی! ہم نوٹنکی کب سے ہو گئیں۔کیا آپ ہمیں اس نام سے یاد کرتے رہے ہیں۔"

خانم کے خفا چہرے کو حسنات نے غور سے دیکھا اور پھر ایک قدم پیچھے ہو کر اس کا سر سے پیر تک جائزہ لے کر ہنکارا بھرا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں حسنات بھائی۔" خانم اس کے یوں دیکھنے پہ خفیف سی ہوئی۔

جبکہ رابی بھی خانم کے پہلو سے نکل کر سامنے ہوئی اور اس کا بالکل حسنات والے انداز میں جائزہ لیا۔پھر حسنات اور رابی نے ایک دوسرے کو دیکھ کر زوردار ہنکارا بھرا جس سے خانم روہانسی ہوتی کشور کی جانب مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔کشور مسکرا کر کندھے اچکا گئی۔

"چھ ماہ بعد آیا ہوں میں لڑکی۔پورے چھ ماہ....." حسنات ایک ہاتھ پشت پہ باندھتا اور دوسرے سے اپنی ٹھوڑی کھجاتا بولا۔"اور تمہیں پتا ہے چھ ماہ بہت ہوتے ہیں کسی انسان کے اندر تغیر

www.pklibrary.com

لانے کے لیے۔"

"ہاں سچ کہا حسنات بھیا۔ بالکل سچ۔" رابی نے پہلے اس کی تائید کی اور پھر اس کی طرف گردن موڑ کر بولی۔ "ویسے تغیر کیا ہوتا ہے؟"

"ہونہہ۔ نکمیاں۔ ایک دم نکمیاں۔ کہاں بیٹھ کر پڑھتی ہو۔ دسویں کے بجائے چوتھی میں ہونا چاہیے..... تھا تم دونوں کو۔" حسنات نے تاسف سے سر جھٹکا۔ "تغیر کہتے ہیں ایک ایسی بلا کو جو جسم میں داخل ہو جائے تو پہلے انسان کو صحت مند بنا دیتی ہے۔ اس کے گال لال لال سے ہو جاتے ہیں۔ قد بھی کچھ۔ بس کچھ۔" ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں سے "کچھ" کا سائز بتایا۔ "لمبا سا ہو جاتا ہے۔ رنگ دہی جیسا سفید سفید سا دکھنے لگتا ہے۔ آنکھیں یہ موٹی موٹی اور گہری گہری ہو جاتی ہیں۔ اور پھر....." وہ پراسرار لہجے میں خانم کو دیکھتے ہوئے کہتا جا رہا تھا اور رابی اور خانم کا منہ کھلتا جا رہا تھا۔ حسنات کے چہرے پہ فکرمندی کے آثار تھے۔ رابی نے خانم کو سرتاپیر دوبارہ دیکھا اور فکرمندی سے بولی۔

"حسنات بھیا! اپنی خانم تو بالکل ایسی ہی ہے۔ اب اسے تغیر ہونے والا ہے؟"

"ہاں۔ بہت بڑا تغیر۔ بس اللہ رحم ہی کرے۔ کوئی بات نہیں خانم پری۔" وہ شروع سے اسے پری کہتا تھا۔ "دنیا میں ہر مرض کا علاج ہے۔ اس تغیر کا بھی ہے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

"حسنات بھیا اگر میرا تغیر ٹھیک نا ہوا تو۔" خانم کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی۔ اس کی سفید رنگت فق ہو رہی تھی۔ حسنات نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس اس کا علاج ہے پری۔ وہ ٹیکا یاد ہے جو پچھلی بار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔"

"وہی جو آپ نے نقل دین گوالے کی مج کو لگایا تھا۔" رابی کو جھٹ یاد آیا تھا۔

"ہاں وہی وہی۔ ٹھیک سمجھیں رابی گڑیا۔ وہی ٹیکا اس کا علاج ہے۔ سارا تغیر نکل جائے گا۔"

"نا نا..... میں نہیں لگواؤں گی وہ ٹیکا....." خانم سہم کر دونوں ہاتھوں سے اپنے بازو مسلنے لگی۔ "مجھے نہیں لگوانا۔ ابا سے کہوں گی حکیم جی سے دوائی لا دیں گے۔ ان کے پاس میرے تغیر کا علاج لازمی ہو گا حسنات بھیا۔ مجھے آپ کا ٹیکا نہیں لگوانا۔"

"سوچ لو۔ ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں۔ ابھی تو مدد کر دوں گا لیکن اگر مجھے انکار کرو گی تو ڈاکٹر بننے کے بعد منہ بھی نہیں لگاؤں گا خانم پری۔"

"مجھے نہیں لگوانا بس تو نہیں لگوانا۔ مرنے دیں مجھے اس تغیر میں۔"

"ایسے کیسے مرنے دوں پری تمہیں۔" وہ بے حد جذباتی انداز میں دو قدم آگے آتے ہوئے فکرمندی سے بولا تو خانم کو حوصلہ ہوا کہ اسے اس کی پروا ہے۔ وہ پرسکون سی مسکرا دی۔

"ٹیکا لگا کر ماروں گا نا۔" دوسرے ہی پل اس کی خوشی کافور کرتا وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔

اس کے ساتھ دبی دبی ہنسی کشور اور رابی کی بھی شامل تھی جبکہ خانم نے نم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے رخ موڑ لیا تھا۔ حسنات بغور اس کی آنکھوں کی نمی دیکھتا واپس لڑکوں کے ٹولے کی جانب چل دیا۔ یہ سارا منظر دیکھتے سنہری آگ پہ لوٹ گئی تھی۔ ایسی انسیت ایسا مذاق پیار بھلا خانم سے ہی کیوں۔ رابی اور کشور سے ہی کیوں۔ دور بیٹھے حسنات اور حیات دونوں کو وہ چلچلاتی تیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے قاسم کو دیکھا پھر قدسیہ پھپھو کے لڑکوں کو دیکھا اور نظریں دوبارہ حسنات اور حیات پہ آن ٹھہریں۔

"بس فیصلہ ہو گیا۔ پہلے حیات۔ نہ بنی بات تو پھر حسنات۔"

سنہری نے وہیں بیٹھے اپنے مستقبل کا تعین کر لیا تھا۔ اسے انہی دونوں میں سے کسی کا ساتھ چاہیے تھا اور بس۔ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی تقدیر کو سنہری حروف سے لکھنا چاہتی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

ناولٹ

آسیہ پری وش

حقیقی رشتوں کی ڈور

www.pklibrary.com

"اس کا رشتہ ماہین کے ساتھ طے ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی شادی بھی ہوگی۔"

"اس کی بھی ایک ہی ضد ہے کہ اس کی شادی صرف ناجیہ سے ہی ہوگی اگر کسی نے بھی نہیں اور شادی کے لیے اس پہ زبردستی کی تو وہ عین نکاح کے وقت غائب ہوجائے گا۔"

"اس طرح تو قرۃ العین کا رشتہ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔" ریاض نے بیٹے کی ضد کے آگے بے بسی سے اپنا خدشہ بیوی کے سامنے ظاہر کیا۔

"ظاہر ہے آپا بیٹی کا رشتہ ختم کرنے پہ بیٹے کا بھی توڑ ڈالیں گی۔ لیکن......" موقع ملتے ہی دل کی بات زبان پہ لانے سے پہلے میمونہ نے شوہر کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔ "مجھے قرۃ العین کے رشتے کے ٹوٹنے کی اتنی فکر نہیں ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ آپا نجمہ نے باتوں باتوں میں دو تین بار قرۃ العین کے لیے اپنے بیٹے زید کے لیے اشارہ دیا ہے۔ لیکن آپا کو زبان دے دینے کی وجہ سے میں چپ ہوجاتی تھی۔ ورنہ دیکھا جائے تو شجاع بہت زیادہ پڑھنے کے باوجود ابھی تک کہیں اچھی جاب نہ ملنے کی وجہ سے بیس پچیس ہزار کی معمولی سی پرائیویٹ جاب کررہا ہے۔ جبکہ زید کی ساٹھ ستر ہزار سے کم تنخواہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرۃ العین کے لیے شجاع سے زیادہ زید مناسب نہیں رہے گا؟" میمونہ نے اپنی رائے دے کر شوہر کی رائے لینی چاہی جس پہ وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"کیا بکواس کررہی ہو تم۔ ہر بات پہ صرف ایک بات بھاری ہے کہ یہ رشتے ٹوٹنے سے ہم بہن بھائی کے بیچ میں فاصلے آجائیں گے۔ لیکن کم عقل عورت تم بہن بھائی کی محبت کو کیا جانو۔ تمہارے پاس تو بہن بھائی جیسا کوئی نایاب رشتہ ہی نہیں ہے۔"

اس میں میمونہ کا تو کوئی قصور نہیں تھا کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی سو ریاض کا یہ طعنہ میمونہ کو اپنے دل پہ کسی کوڑے کی طرح لگا وہ بلبلا اٹھی۔ وہ جو بیٹے کی اس انوکھی ضد پہ پہلے اس سے بدگمان ہوکر کچھ متذبذب تھی اب بیٹے کے حق میں فیصلہ کروانے کے لیے میدان میں اتر آئی اور اندر کی ساری کڑواہٹ اندر ہی دبا کر آنکھوں میں زبردستی کی نمی لاتے ہوئے بظاہر ہمدردی اور جذبات سے بولی۔

"میں تو حسن کی اس ضد کی وجہ سے ایسا کہہ رہی تھی ورنہ میں کب آپ بہن بھائی کے بیچ میں کوئی دراڑ ڈالنا چاہتی ہوں لیکن اگر حسن نے ماہین کے ساتھ شادی کے وقت اپنی دھمکی پہ عمل کرڈالا تو بھی ہم لوگوں کو آپا کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے ہم حسن کی ضد کے سامنے کچھ نہیں کرسکتے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ابھی آپا کے سامنے یہ بات رکھی جائے تو اگر آپا کو اپنے بھائی کا احساس ہوگا تو وہ آپ کی مجبوری سمجھ کر قرۃ العین کا رشتہ بھی کبھی نہیں توڑیں گی۔" میمونہ نے بیٹے کا سارا بوجھ شوہر کی بڑی بہن پہ ڈال کر ان کے کندھے پہ بندوق رکھ کے ریاض کا نشانہ لینا چاہا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر حسن اور ماہین کا رشتہ ٹوٹا تو شجاع بھی قرۃ العین کے لیے بھی نہیں مانے گا یوں زید کے لیے راستہ صاف ہوجائے گا۔

بالآخر کچھ وقت کے ساتھ اپنے میٹھے اور ہمدردی بھرے لہجے میں وہ اپنے مقصد یعنی اپنے شوہر کو منانے میں کامیاب ہوئی۔

☆☆☆

"ریاض! یہ کیا کہہ رہے ہو؟" سامنے سر جھکائے بیٹھے بھائی اور بھاوج میں سے بھائی کی جھجکتے ہوئے کہی بات نے صفدر اور عالیہ کو سناٹے میں ڈال دیا۔

"آپا! کیا کروں۔ آج کل کی اولاد ماں باپ کو یونہی مجبور کردیتی ہے۔" عالیہ کی طرح ریاض کے لہجے میں بھی تکلیف تھی۔ جبکہ میمونہ نے پہلو بدلا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں بھی قرۃ العین سے

www.pklibrary.com

شادی سے انکار کرتا ہوں۔" آفس سے آکر لاؤنج کے دروازے پر رُک کر ان کی ساری باتیں سنتے شجاع کو دیکھ کر وہ چاروں بوکھلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہیں شجاع۔ ایسا مت کہو۔ کسی کی بھی بیٹی کا رشتہ ٹوٹنا اچھا فعل نہیں ہوتا۔" عالیہ حواس باختہ سی اس کی طرف بڑھی۔

"اور یہ جو ہماری بیٹی کا رشتہ توڑنے آئے ہیں تو کیا یہ اچھا فعل کرنے آئے ہیں؟" بیٹی کے لیے ماں کی تڑپ پہ شجاع نے تلخی سے آنسو پیتی ماں اور ماموں، ممی کو دیکھا۔

"ماموں! جب میں پچھلے دو سالوں سے ماں باپ کی خوشی، عزت اور زبان کی خاطر اپنے جذبات کو قرۃ العین کی امانت سمجھ کر ان کی حفاظت کر رہا ہوں تو آپ کے بیٹے نے کیوں نہیں کی؟" چٹانوں میں بھی دراڑیں ہوتی ہیں لیکن ان کا احساس صرف محسوس کرنے والے دل ہی کر سکتے ہیں۔

"شجاع بیٹا! حسن کے دل میں اپنے سوا اور کسی کے بھی جذبات کا احساس نہیں رہا۔ لیکن اس سب میں میری معصوم بیٹی کا کیا قصور ہے۔"

"نہیں ماموں۔ جس گھر میں میری پیاری چھوٹی بہن کے لیے جگہ نہیں ہے اس گھر کی بیٹی کے لیے میں اپنے دل میں کیسے جگہ بنا سکتا ہوں۔" اپنا اٹل فیصلہ سنا کر وہ جیسا آفس سے گھر آیا تھا ویسا ہی گھر سے باہر نکل گیا۔

(اگر آپا کو بھائی کی مجبوری کا احساس ہوگا تو وہ قرۃ العین کا رشتہ کبھی بھی نہیں توڑیں گی۔) میمونہ نے بیٹے کی غلطی سے نظریں ہٹوانے کے لیے اپنی ہی بات پہ جتاتی نظروں سے شوہر کو دیکھا تو ریاض ان جتاتی نظروں سے نظریں چراتے ہوئے امید بھری نظروں سے 'بے بسی سے نظریں چراتی بہن کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆

دونوں طرف سے رشتے ٹوٹنے کے بعد ان بہن بھائی کی آپس میں مثالی محبت کے بیچ میں صاف ظاہر ہوتی دراڑ پڑ گئی۔ جس نے جہاں حاسدوں کے دل میں سکون ڈال دیا تو وہیں پہ ان کو ان دونوں خاندانوں کے بیچ میں موجود رنجش اور بدگمانی کو ہوا دینے کا موقع بھی دے دیا۔

حسن اور قرۃ العین کی دھوم دھام سے ہوتی شادی میں بھی صفدر اور عالیہ نے اکیلے ہی شرکت کی اور ریاض، میمونہ اور ان کے چاروں بچوں کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھ کر وہ دونوں کھانا کھائے بغیر ہی اور ٹوٹے دل کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس بات نے بھی ان دونوں گھرانوں پہ نظر رکھے لوگوں کو ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر آگ لگانے میں بڑی مدد دی۔

"دیکھا آپ نے۔ کیسے آپا اور صفدر بھائی بغیر بچوں کے ہمارے گھر کی خوشیوں میں روکھے منہ سے کھڑے کھڑے آئے تھے۔" ناجیہ کو رخصت کروا کے کمرے میں چھوڑ آنے کے بعد میمونہ اپنے کمرے میں ریاض کے ساتھ بیٹھی ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولی۔ شادی میں آپا اور صفدر بھائی کا اکھڑا اکھڑا رویہ خود ریاض نے بھی محسوس کیا تھا اور ان کے خلاف ہوتی چہ میگوئیاں بھی انہوں نے سنی تھیں سو ان کا دل بھی بہن اور بھتیجی کی طرف سے مزید بُرا ہو گیا تھا۔

میمونہ کی بات پہ ریاض نے کچھ دیر سوچتی نظروں سے میمونہ کے کسی ان دیکھی آگ کی تپش سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا پھر والٹ سے چند ہزار نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ کچھ پیسے رکھ لو۔ ہمارے بچوں کی خوشیوں کو کسی کی بھی نظر بد سے بچانے کے لیے صدقہ دے دینا۔" میمونہ کو پیسے تھما کر وہ کسی انجانی مشقت سے تھکے وجود کے ساتھ واش روم کی طرف بڑھ گیا جبکہ شوہر کی اندرونی کیفیت سے بے خبر شوہر کی آج پہلی بار ڈھکے چھپے الفاظ میں بہن کے خلاف باتیں سن کر میمونہ کے اندر ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

بہت وقت سے ان بہن بھائی کے درمیان طے تھا کہ عید کے پہلے دن عالیہ بمع فیملی ریاض کے گھر آتی تھی اور تیسرے دن ریاض بمع فیملی عالیہ کے گھر جاتے۔ سو اس عید پہ بھی عالیہ نے ریاض کی طرف جانے کا پروگرام بنایا تھا جہاں جانے پر ہر دفعہ خوشی سے تیار ہوتے شجاع اور ماہین نے منہ بنا کر انکار کر دیا۔

صفدر اور عالیہ اکیلے ہی مٹھائی لے کر ریاض کے گھر عید ملنے آئے تھے۔ جہاں پہ ریاض اور میمونہ نے سپاٹ انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔ حسن، حسنین، نورالعین اور ناجیہ اپنی پھپھو اور پھپھا سے عید ملنے کے بعد اپنے بڑوں کے چہروں کے تاثرات دیکھ کر وہاں سے کھسک گئے تھے۔

ڈرائنگ روم میں موجود وہ چاروں نفوس ایک دوسرے کی خیر خیریت پوچھنے کے بعد چپ چاپ ایک دوسرے کا منہ اور دیواریں تکنے لگے۔ ایک دوسرے کے خلاف بغض اور بدگمانی نے ان کے اندر اتنی جگہ بنالی تھی کہ انہیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے اور سننے کے لیے کوئی نقطہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد کچھ کہنے کے لیے ذہن میں کوئی بات آتی تو سامنے والوں کے موڈ کے پیش نظر یا تو وہ ذہن میں ہی رہ جاتی یا پھر سرسری سا جملہ بن کر سرسری سا جواب پا کر خاموش ہو جاتی۔

ناجیہ اور نورالعین کی لائی سویوں اور دوسرے ریفریشمنٹ کی طرف تو کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اس تناؤ بھرے ماحول میں سے سب سے پہلے ریاض معذرت کرتے اٹھ گئے۔ ان کے پیچھے صفدر اور عالیہ بھی تھکے سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بچوں کو تو میں کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن آئندہ بے عزت ہونے کے لیے میں اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔" واپسی کے راستے میں صفدر نے خاموشی سے آنسو بہاتی عالیہ کو جتانا ضروری سمجھا۔

ایسے سلوک کے باوجود عالیہ نے عید کے تیسرے دن بھائی کا شدت سے لاحاصل انتظار کیا تھا۔

☆☆☆

"امی! یہ بہت اچھا موقع ہے جو صرف خوش قسمت لوگوں کو ہی ملتا ہے۔ جنید نے مجھے بہت بڑا آسرا دیا ہے۔ انگلینڈ پہنچتے ہی وہ مجھے بہت اچھی جگہ پہ جاب بھی دلوا دے گا۔ بس مجھے اپنے پاسپورٹ، ویزے اور کچھ دوسرے خرچ کے لیے پیسوں کا ہی انتظام کرنا پڑے گا۔" شجاع بڑے جوش سے مسلسل بول رہا تھا۔ جنید نے واقعی اسے بڑے اونچے اور سہانے خواب دکھائے تھے۔

"لیکن بیٹا انگلینڈ تو بہت دور ہے۔ ہم تمہارے بغیر کیسے رہ پائیں گے؟" ماں کو اپنے ممتا بھرے خدشات تھے۔ "اور ادھر تمہارا خیال کون رکھے گا؟" اپنے دل کی بات عالیہ کے منہ سے سن کر صفدر اور ماہین بھی تائید اً سر ہلانے لگے۔

"اوہو امی۔ آپ کو یاد ہے ناں کہ جنید بھی کیسا ماں باپ کا لاڈلا بیٹا تھا۔ وہ بھی تو وہاں آرام اور مزے سے رہ رہا ہے۔ آپ بے فکر رہیں وہاں پہ آپ کی طرح کا تو نہیں لیکن اپنا کم خیال تو میں بھی نہیں رکھوں گا۔" وہ ماں کے خدشات دور کر کے ان کو منانے کے لیے عالیہ کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ گیا اور جوش سے ان کی ٹانگیں اور پاؤں دبانے لگا۔ اس کی اس بچکانہ حرکت پہ عالیہ، صفدر اور ماہین تینوں بے ساختہ مسکرا پڑے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ جیسے میرے بیٹے کی خوشی۔" عالیہ نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"اوو! میری پیاری امی۔" عالیہ کی رضامندی ملتے ہی وہ اٹھ کر خوشی سے جھومنے لگا۔ شجاع کو بھنگڑا ڈالتے دیکھ کر وہ تینوں ہنسنے لگے۔

"لیکن امی وہاں گوری میمیں بھی ہوتی ہیں اور ہمارا بھائی تو ویسے ہی بہت ہینڈسم ہے۔ کہیں کوئی میم ہمارے بھائی کو نہ لے اڑے۔" بھائی کی بیانتہا خوشی اور جوش دیکھ کر ماہین نے شرارت سے عالیہ کو ایک

www.pklibrary.com

اور خدشہ یاد دلایا۔ ماں تو آخر ماں ہوتی ہے سو ماہین کی شرارت پہ ماں کو اپنی رضامندی کے فیصلے پہ کچھ ڈولتے دیکھ کر شجاع شرارت سے مسکراتی ماہین کو آنکھیں دکھاتے ہوئے عالیہ کی طرف بڑھا اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر ماہین سے بولا۔

"چڑیل! اس کی تم فکر ہی نہ کرو۔ شادی تو میں یہیں پاکستان میں اپنی پیاری ماں کی پسند سے ہی کروں گا۔"

اپنی چمکتی آنکھوں سے یقین دلاتے شجاع پہ عالیہ کو اتنا پیار آیا کہ اس نے دل میں سر ابھارتے سارے خدشات بھلا کر بے اختیار اس کی پیشانی پہ اپنی ممتا بھری مہر ثبت کر ڈالی۔ جس نے شجاع کی آنکھوں کی چمک کو دوگنا کر دیا۔ ویسے بھی وہ انگلینڈ جانے کے لیے اتنا پرجوش تھا کہ اگر اس کو زندگی بھی گروی رکھ کے جانے کو کہا جاتا تو بھی وہ بخوشی رضامند ہو جاتا۔

"بھائی! آپ باہر جا کر ہمیں بھول تو نہیں جائیں گے؟"

"ارے نہیں پگلی۔ میری اتنی جرات کہ میں اپنے اتنے پیارے رشتوں کو بھول جاؤں۔ بلکہ میں تو وہاں سے آپ سب لوگوں کے لیے بہت سارے تحفے اور پیسے بھیجوں گا۔ پھر تم اپنی امپورٹڈ چیزیں اپنی سہیلیوں کو دکھا دکھا کے جلانا۔" اس نے ماہین کے سر پہ پیار سے چپت لگائی۔

"ہاں۔ سب سے پہلے میں وہ ساری چیزیں لے کر ماموں کے گھر جاؤں گی۔" جوش میں بے ساختہ اس کے اندر کا حسد اس کے لبوں پہ آ گیا۔ جس پہ عالیہ کی بدلتی رنگت دیکھ کر کسی کے کچھ اور بولنے سے پہلے ہی صفدر نے بات بدل دی۔

"اب رقم کا سوچا جائے کہ اتنی رقم کا انتظام کیسے ہوگا؟" صفدر کی بات پہ شجاع اور ماہین ساری باتیں بھلا کر سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے تو عالیہ نے بھی ممنون نظروں سے شوہر کو دیکھ کر اس سنجیدہ اور اصل مسئلے کی طرف دھیان دیا۔

"ابی ابو۔ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ ایک ساتھ اتنی رقم کہاں سے لائی جائے؟" شجاع سنجیدگی سے بولا۔

"پانچ چھ لاکھ تو میرے پاس بینک میں پڑے ہوں گے۔"

"اور کچھ زیور میرے پاس بھی ہے۔"

"میرا خیال ہے ان ہی سے میرا کام ہو جائے گا۔ اگر نہیں بھی ہوا تو بھی میرے کچھ ایسے دوست ہیں جو مجھے قرضہ دے دیں گے۔" شجاع کی آنکھوں میں خوشی بھری چمک آ گئی۔ اسے اپنا روشن مستقبل دو قدم پہ دکھائی دینے لگا۔

لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ صفدر کے اکاؤنٹ میں پڑی رقم اور زیور سے ملے پیسے جب ان کے ہاتھ میں آئے تو انہی دنوں صفدر کو کسی کسی وقت سر چکرانے اور سر درد کی شکایت رہنے لگی۔ بات معمولی سی تھی لیکن اپنی تسلی کے لیے انہوں نے ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تو صفدر کو لاحق ایک ایسی بیماری کا انکشاف ہوا جس کے علاج پہ ان کا سارا پیسہ پانی کی طرح بہنے لگا۔ ہاتھ میں آئے اپنے روشن مستقبل کو یوں ہاتھ سے پھسلتا دیکھ کر شجاع کا دل سکڑتا جا رہا تھا تو باپ کی تکلیف بھی اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

"امی! یہ آپ کے فون کر رہی ہیں؟" شجاع جو ابھی ابھی ہاسپٹل سے تھکا ہوا آیا تھا۔ صفدر کی طبیعت پوچھنے کے بعد عالیہ کو موبائل پہ مصروف دیکھ کر جھنجلایا۔

"تمہارے ماموں کو صفدر کی بیماری کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی۔" تکلیف میں اپنوں کی طرف ہی زیادہ دھیان جاتا ہے۔

"کیوں امی۔ ابو کی بیماری کوئی خوشی کی خبر ہے جو ابو کی عیادت کرنے آنے کے لیے ان کو انویٹیشن دیا جائے؟" شجاع کی بات پہ وہ پھیکی پڑ گئیں۔

"تقریباً آدھا خاندان تو ہاسپٹل میں ابو کی طبیعت پوچھنے آ چکا ہے تو کیا ماموں والوں کو ابو کی

www.pklibrary.com

بیماری کی اطلاع نہیں ملی ہوگی؟" وہ جو آج ہی صفدر کے ایک ٹیسٹ کروانے پہ آٹھ ہزار دے کر آیا تھا عالیہ کی بات پہ سیخ پا ہو گیا تھا۔

شوہر کی طبیعت پوچھنے ابھی تک بھائی کو نہ آتے دیکھ کر عالیہ بھی اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اوپر سے خاندان والے جنہیں صفدر کی طبیعت سے زیادہ ریاض کے اپنے بہنوئی کی طبیعت پوچھنے نہ آنے پہ حیرت، افسوس اور دل جلی باتوں سے غرض تھی۔ ان کی باتیں دل میں بھائی کے خلاف مزید غبار جمع کروانے کا کام کر رہی تھیں۔

لیکن بہن بھائی کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے جو ہزار بدگمانیوں اور فاصلے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے تڑپتا ہے۔ سو وہ بھی بہن تھی جس نے اپنے اسی بھائی کو گود میں کھلا پلا کر بڑا کیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ماموں کو فون کرنے کی۔" شجاع اپنا فیصلہ عالیہ پہ لاگو کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے سے عالیہ نے بے بسی سے روتے ہوئے موبائل اپنی گود میں رکھ دیا۔

یہ اولاد بھی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ اپنی مرضی کی بات منوانے کے لیے ماں باپ کی خوشامد کرتی ہے اور جب ماں باپ اپنا کچھ کہنا چاہتے ہیں تو ان پہ اپنے فیصلے صادر کر دیتی ہے۔

☆☆☆

"سنا ہے صفدر بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔" دکان سے واپس آ کر ریاض نے فکرمندی سے میمونہ کو بتایا۔

"ہاں صرف سنا ہے بتایا تو نہیں گیا ہے۔" ریاض کی تشویش پہ میمونہ نے لاپروائی سے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں بتایا تو کیا ہوا۔ صفدر بھائی نے ہمیشہ میرا بڑے بھائی کی طرح خیال رکھا ہے اور آپا تو ہیں ہی میری بڑی بہن۔ وہ صفدر بھائی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں گی۔"

"ہاں تو انہیں پریشانی میں سب سے پہلے آپ کو ہی فون کرنا چاہیے تھا جبکہ انہوں نے سارے خاندان والوں کو تو بتا دیا لیکن بہن ہونے کے باوجود آپ کے خلاف دل میں کینہ اور بغض رکھنے کی وجہ سے آپ کو ہی نہیں بتایا۔" "پھر بھی آپ صفدر بھائی کی طبیعت پوچھنے جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں۔" میمونہ کی بات پہ ریاض تذبذب میں پڑ گئے۔

دوسرے دن وہ اکیلے ہی بہنوئی کی طبیعت پوچھنے ہاسپٹل چلے گئے۔ اس وقت صفدر کے ساتھ ماہین بیٹھی ہوئی تھی جس نے حیرت سے ماموں کو اندر کمرے میں آتے دیکھا اور پھر ہونٹ بھینچ لیے۔

صفدر تو نقاہت کی وجہ سے کچھ بول نہیں پا رہے تھے لیکن ماہین نے بھی روکھے انداز میں باپ کی بیماری اور اب تک کی کنڈیشن کے بارے میں انہیں بتایا تو ان سے بھی زیادہ دیر بیٹھا نہیں گیا۔ وہ غصے اور دکھی دل سے واپس آ گئے۔

شوہر کو آنکھوں پہ بازو رکھے اداسی سے لیٹے دیکھ کر میمونہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" انہوں نے میمونہ کے ہاتھ سے بازو چھڑوا کر کروٹ بدل لی۔

"صفدر بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں؟ تو چلیں انہیں دیکھ آتے ہیں۔" میمونہ شوہر کے دل کی ہر بات اور انداز سے واقف تھی اور ایک دوسرے کے ہر غم و خوشی میں شریک ان بہن بھائی کی آپس میں شدید محبت سے بھی انجان نہیں تھی۔

میمونہ کی بات پہ ریاض پھر سے کروٹ بدل کے اپنا رخ میمونہ کی طرف کر کے کچھ بتاتے یا نہ بتانے کی کیفیت میں میمونہ کو سوچتی نظروں سے دیکھتے رہے پھر ٹھنڈی سانس بھرتے اٹھ کر بیٹھ گئے اور درد سے پھٹتے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگے۔ "میں آج صفدر بھائی کی طبیعت پوچھنے ہاسپٹل گیا تھا۔ وہاں صفدر بھائی کے ساتھ ماہین بیٹھی ہوئی تھی۔" ریاض کے بنا بتائے ہاسپٹل چلے جانے پہ میمونہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

www.pklibrary.com

"پھر.....؟"

"صفدر بھائی کی طبیعت تو بہت خراب تھی لیکن ماہین نے مجھ سے سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔" دکھ سے چُور لہجے میں بولتے ان کی آنکھوں میں پھر سے پانی جمع ہونے لگا۔

"اب آپ روئیں تو نہیں سر بلکہ آپ کو تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ماہین کی اصلیت کھل کر آپ کے سامنے آگئی۔ ورنہ آپ تو حسن نہیں تو حسنین کے لیے ہی ماہین کا رشتہ مانگنے کو کہہ رہے تھے۔ سوچیں ذرا ایسی لڑکی اس گھر میں بہو بن کر آکر کیا کیا رنگ دکھاتی۔" ریاض کو جتانے کی شدید خواہش کو بمشکل دبانے کے باوجود وہ ریاض کی بھانجی کو نشانہ بنا گئی۔

میمونہ صحیح کہتی ہے اگر ایسی لڑکی اس گھر میں بہو بن کر آجاتی تو میرے بچوں کو تو بکھیر کے رکھ دیتی۔ میمونہ کی باتوں کے وہ دل سے قائل ہوئے۔

"چلیں، اب چھوڑیں ان باتوں کو۔ میں اور بچے تو آپ کے ساتھ ہیں ناں۔ آپ صرف ہمارے بارے میں اچھا اچھا سوچیں اور نیچے چل کر سب کے ساتھ بیٹھیں۔ نیچے قرۃ العین بھی اپنے گیلو کے ساتھ آئی بیٹھی ہے۔ اب جلدی سے اُٹھیں۔"

وہ خود بیڈ سے اُتر کر اس کے سر پہ کھڑی ہوگئی تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بیوی کی ہمدردی اور دل جوئی نے انہیں دل کو پہنچے اس شدید دکھ کو سہنے میں بڑا کام دکھایا تھا۔

"واقعی' میں ان بے مروت لوگوں کے لیے اپنوں کے ساتھ کی خوشیاں کیوں گنواؤں۔ بھاڑ میں جائیں وہ لوگ۔" بھانجی سے ملا دُکھ 'بدگمانی، غصے اور چڑ میں بدل گیا تھا۔

☆☆☆

"آج ہاسپٹل میں ابو کو دیکھنے ماموں آئے تھے۔" ماہین نے ہاسپٹل سے گھر آتے ہی ماں کو آج کی بریکنگ نیوز دی جسے ماہین کے طنزیہ انداز میں دینے کے باوجود عالیہ نے خوشی سے سنا۔

"آج ریاض آیا تھا؟"

"جی۔" جس طرح حسن اور قرۃ العین کی شادی کے بعد مامی سارے خاندان میں کہتی پھر رہی تھیں کہ ہمارے گھر کی خوشیوں میں آپا اور صفدر بھائی نے کھڑے کھڑے آکر اپنا فرض نبھایا ہے۔ اسی طرح ماموں بھی ہاسپٹل میں آکر کھڑے کھڑے ابو کی عیادت کا فرض نبھا گئے ہیں۔"

بھائی کے بارے میں مزید کچھ پوچھنے کے لیے عالیہ کا کھلا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ اور ماہین اپنی غلطی نظر نہ آنے کی وجہ سے سارا ملبہ ماموں پہ ڈال کر ماں کو شرمندہ کر کے اُٹھ گئی۔

عالیہ اچھی طرح جانتی تھی کہ حسن سے رشتہ ٹوٹنے پر اپنے اندر کی جلن نکالتے ہوئے ماہین کا رویہ باپ کی عیادت کو آئے اپنے ماموں کے ساتھ کیسا ہوگا لیکن ریاض نے بھی تو اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ منگنی ہوجانے کے بعد اس نے حسن کے ساتھ کے کتنے خواب دیکھ ڈالے ہوں گے وہ سب ایکدم سے ٹوٹنا کچھ کم تکلیف دہ تو نہیں ہے۔ ان دنوں وہ کتنی بکھری بکھری سی پھرتی تھی۔ اتنے انتظار کے بعد بھائی کے 'شوہر کی طبیعت پوچھنے آنے کی ساری خوشی آہستہ آہستہ زائل ہوتی جارہی تھی۔

اوپر سے رشتہ توڑنے کے بعد معافی مانگنے کے بجائے الٹا ہم پہ ہی باتیں کرنے لگے پھر بھی ہم ان کی خوشیوں میں شریک ہونے گئے تو بھی بجائے خوش ہونے کے ہمارے ہی خلاف زہر اگلنے لگے۔ اور وہ بھابھی کا سارے خاندان میں یہ ڈھنڈورا پیٹنا کہ ریاض نے اپنے بچوں کی خوشیوں کو حاسدین در پردہ آپا اور ان کی فیملی کی نظر بد سے بچانے کے لیے صدقہ دیا ہے۔ خاندان والوں کے ذریعے میمونہ کی ان تک پہنچائی اس بات نے تو ان سب کے اندر آگ لگادی تھی۔ حسن اور قرۃ العین کی شادی کے ایک سال بعد بھی ریاض اور میمونہ کی طرف سے لگایا یہ زخم ان کے اندر میں تازہ تھا۔

عالیہ کڑھتے ہوئے جتنا ماضی کو سوچتی جارہی تھی اتنا ہی اس کے اندر میں بھائی اور اس کی فیملی

www.pklibrary.com

کے لیے زہر بھرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"شکر ہے ابو۔ آپ گھر آ گئے۔" اس وقت صفدر کی پوری فیملی ساتھ بیٹھی صفدر کے ہاسپٹل سے گھر آنے کی خوشی منا رہی تھی۔

"ہاں اللہ کا کرم ہے۔ لیکن پیسے تو شاید سب ختم ہو گئے ہوں گے۔" وہ بیٹے کے سامنے چور سے لہجے میں بولے تو شجاع کے ہونٹوں پہ ایک زخمی مسکراہٹ آ گئی اور باقی سب کے بھی خوشی سے دمکتے چہرے بجھ گئے۔

"ابو! آپ صحت یاب ہو کر گھر آ گئے ہیں ہمارے لیے یہی بہت ہے۔" شجاع کی بات پہ سب کے چہرے کی کچھ رونق واپس آ گئی۔

"لیکن پھر بھی۔ وہ تمہارا باہر جانے کا پروگرام..... تمہارا روشن مستقبل....." سب کی تسلی دینے کے باوجود صفدر کی شرمندگی کم نہیں ہو رہی تھی جیسے بیمار ہونے میں ان کا ہی ہاتھ ہو۔

"وہ تو جنید اب بھی بلا رہا ہے۔"

شجاع نے بڑی بہن نورین کو وہ بات کرنے کا اشارہ کیا جو چند روز سے ان دونوں کے درمیان زیر بحث تھی۔ بھائی کا اشارہ سمجھ کر اس نے گلا کھنکارا اور کچھ بولنے سے پہلے الفاظ جوڑنے لگی۔ "اس مسئلے کے لیے میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ اگر امی ہامی بھر لیں تو شجاع کا روشن مستقبل اب بھی اس کے ہاتھ میں آ سکتا ہے۔"

"وہ کیا؟" نورین کی بات پہ صفدر اور عالیہ دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"امی..... اگر ماموں سے اپنا حصہ مانگ لے تو....."

"کیا؟" بیٹی کے نادر ذہن کی ایسی تجویز پہ عالیہ کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ صفدر بھی چپ ہو گئے۔ "ناممکن۔ میں ریاض سے اپنا حصہ نہیں مانگ سکتی۔"

"کیوں امی؟ آپ کیوں نہیں مانگ سکتیں؟"

ماں کے صاف انکار پہ ایک امید سے ماں کو دیکھتا شجاع ایکدم طیش میں آ گیا۔ نورین نے اسے خاموش رہنے کو کہا تو وہ غصے سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ جبکہ ماہین جو خاموشی سے بیٹھی ان چاروں کے درمیان شروع ہوتی بحث تجسس سے سن رہی تھی ماں کے صاف انکار پہ اس کی پیشانی پہ بھی شکنیں پڑ گئیں۔

"دیکھیں امی۔ اصولاً تو نانا کی ڈیتھ کے بعد ماموں کو خود ہی آپ کا حصہ آپ کو دے دینا چاہیے تھا لیکن اس وقت نہ آپ نے مانگا' نہ ماموں نے دیا۔ بلکہ اب تک حصہ لینے اور دینے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شجاع کے انگلینڈ جانے کا پروگرام بنا تو بھی ابو کی جمع پونجی اور آپ کے زیورات سے کام نکالنے کا سوچا گیا۔ لیکن اب جب وہ ساری جمع پونجی اور زیورات ابو کے علاج پہ ختم ہو گئے ہیں تو اب شجاع کیا کرے گا۔ اس کی چند ہزار کی معمولی سیلری اور ابو کی پینشن سے تو اب کبھی بھی آپ کے پاس پیسہ جمع نہیں ہو سکے گا۔ جبکہ ابھی آپ نے ماہین اور شجاع کی شادی بھی کرنی ہے اور خدانا خواستہ اگر ابو کی بیماری جیسی ہی کوئی دوسری آزمائش آن پڑی تو آپ لوگ کیا کریں گے؟" نورین نے سمجھ داری اور ٹھنڈے لہجے میں صفدر اور عالیہ کے سامنے اپنا موقف رکھا۔ بیٹے کے روشن مستقبل کے بجائے اپنے تاریک مستقبل کا آئینہ دیکھ کر صفدر اور عالیہ نے قفل ہوتے چہرے کے ساتھ اور شجاع اور ماہین نے ستائشی نظروں سے نورین کو دیکھا۔

"اسی لیے اب شجاع کا باہر جا کر کمانا بہت ضروری اور مجبوری ہو گیا ہے۔"

"تجویز تو بہت معقول ہے۔" مستقبل کے آئینے میں مزید کچھ دیر سوچتی نظروں سے دیکھنے کے بعد صفدر جھرجھری لے کر حال میں لوٹ آئے اور عالیہ سے نظریں چراتے بولے جو کہ ابھی تک پیلے پڑتے چہرے کے ساتھ بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔ میں ریاض سے حصہ نہیں مانگوں

گی۔"

"ابو! آپ ہی امی کو سمجھائیں۔" شجاع ملتجی انداز میں باپ سے مخاطب ہوا تو صفدر کچھ دیر عالیہ کو سوچتی نظروں سے دیکھتے رہے۔

"عالیہ! نورین ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب ہمیں شجاع کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل بھی دیکھنا ہوگا۔"

"نہیں۔ یہ غلط بات ہے۔" اپنے اندر ہوتی توڑ پھوڑ سے بے خبر ان چاروں اپنوں پہ عالیہ نے نم آنکھوں سے ایک بے بسی بھری نظر ڈالی۔ جبکہ وہ سب اس کے انکار کو بھائی سے حصہ مانگنے کی جھجک اور شرم سمجھ رہے تھے۔

"تمہیں بھائی سے اپنا حصہ مانگنا غلط بات کیوں لگ رہی ہے۔ یہ تمہارا حق ہے جو کہ اسے شرعی طور پہ تمہیں بہت پہلے ہی دے دینا چاہیے تھا۔ چلو پہلے تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑی لیکن اب تمہیں ضرورت ہے تو تمہیں اپنا حق مانگتے ہوئے نہ شرم آنی چاہیے اور نہ ہی ریاض کو دیتے ہوئے کوئی قباحت محسوس ہونی چاہیے۔" صفدر نے عالیہ کو مدبرانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے اس کی جھجک ختم کرنی چاہی۔ عالیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"پہلے ہی ہم بہن بھائی کے آپس میں تعلقات اتنے خراب ہیں۔ اس پہ میں ان سے حصہ مانگوں گی تو وہ میرے بارے میں۔ میں کیا سوچے گا......" وہ اپنے اندر کی بات کو الفاظ میں ڈھال نہیں پا رہی تھی۔

"اور وہ مجھے میرا حصہ دے گا بھی تو کہاں سے دے گا۔ وراثت میں تو صرف گھر اور دکان آیا ہے۔ وہ گھر جس میں وہ رہ رہے ہیں اور وہ کپڑوں کی دکان جو ان کے روزگار کا ذریعہ ہے۔"

"ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے صرف یہی دو چیزیں نہیں ہیں۔ حسن اور حسنین کی اتنی اچھی سیلری والی جابز ہیں اور ریاض کی دکان پہ بھی ہر وقت گاہکوں کی ریل پیل ہوتی ہے۔ وہاں سے بھی ان کی اچھی آمدنی ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ ان کے حالات ہم سے کئی گنا اچھے ہیں تو سوچو جب میرے پاس بینک بیلنس تھا تو کیا ان کے پاس نہیں ہوگا؟

وہ تمہارے حصے کی رقم ان پیسوں میں سے تمہیں دے دے۔ مجھے یقین ہے کہ ریاض اپنی دکان کی کمائی اور بیٹوں کی تنخواہوں سے یہ رقم جلد قنج کر لے گا۔ جبکہ میری پینشن سے اور شجاع یہاں پاکستان میں رہ کر کبھی بھی گھر کے حالات کو سنبھال نہیں پائے گا۔" صفدر کے سمجھانے پہ بھی عالیہ کا سر مسلسل روتے ہوئے نفی میں ہل رہا تھا۔

"ابھی سال بھر پہلے ہی اس نے حسن اور قرۃ العین کی شادی کی ہے۔" حسن اور قرۃ العین کی شادی کے ذکر نے سامنے بیٹھے شجاع اور ماہین کے منہ کا ذائقہ کڑوا کر دیا۔ "اور نور العین کی پڑھائی کا خرچا بھی تو ان کے اوپر ہے۔ نہیں...... میں ریاض سے اپنے حصے کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔" وہ اب بھی انکاری تھی۔

"تو ہم کون سا ان سے گن پوائنٹ پہ حصہ مانگ رہے ہیں۔ اگر وہ ابھی نہیں دے سکتے تو کوئی بات نہیں۔ یہ تو صرف شجاع کے انگلینڈ جانے کے لیے رقم کا بندوبست کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک آپشن ہے۔ یہ نہ ہو سکا تو ہم کچھ اور سوچیں گے۔" صفدر نے عالیہ کے مسلسل انکار اور سامنے بیٹھی تینوں اولادوں کے تنے ہوئے چہرے دیکھ کر اس بحث کو ابھی سمیٹا اور ساتھ بیٹھی عالیہ کے ہاتھ کو پیار سے تھپکنے لگا۔ "تم فکر مت کرو۔ میں ریاض کو مشکل میں نہیں ڈالوں گا۔" صفدر کی تسلی کے باوجود وہ پھر بھی بے بسی سے روئے جا رہی تھی۔

اس کے حصے کے مطالبے پہ ریاض کو بہت زیادہ دکھ ہوگا۔ اور یہ چھوٹا بھائی اسے بہت پیارا ہے۔ اس کے دکھ پہ وہ بھی تڑپے گی۔ یہ بات نہ وہ انہیں بتا پا رہی تھی اور نہ ہی وہ بن کہے اس کی بات کو سمجھ رہے تھے۔

☆☆☆

"ساری جمع جوڑ کے بعد بھی گھر یا دکان میں سے ایک چیز بیچنی پڑے گی۔" عالیہ کے اپنے حصے

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

کے مطالبے پہ ریاض کو جہاں بہت دکھ اور غصہ آیا تھا وہیں پہ وہ بہت پریشان بھی ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھا' بیوی اور بیٹوں سے اس مسئلے کو ڈسکس کر رہا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں آپا سے ایک دو سال کی مہلت لے لوں۔" ریاض نے سامنے بیٹھے فکرمند اور پریشان سے بیوی اور دونوں بیٹوں کو مشورہ طلب کرتی نظروں سے دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ان سے مہلت مانگنے کی۔ جب انہیں آپ کا سارا حال معلوم ہونے کے باوجود آپ سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ کا اور ہمارا خیال نہیں آیا تو آپ کو بھی ان کے سامنے اپنی مجبوریوں کا رونا رونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ریاض کی بات پہ میمونہ تڑخ کر بولی۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟ کہاں سے اتنی زیادہ رقم لائی جائے؟" ریاض پریشانی سے جھنجلا کر سر تھام کے بیٹھ گئے۔

"ابو! شجاع کو باہر جانے کے لیے ابھی رقم چاہیے۔ وہ آپ کو ایک دو سال کی مہلت کسی صورت نہیں دیں گے۔" حسن کی بات نے ان کے درمیان خاموشی پھیلا دی۔

"ابو! آپ یہ گھر بیچ دیں۔" گو کہ تھوڑی دیر پہلے خود ریاض نے دل میں پنپتے اس خدشے کا اظہار کیا تھا پھر بھی حسنین کے اس مشورے پہ اسے اپنی پوری دنیا اتھل پتھل ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ حسنین کو دیکھا جو اتنی بڑی بات کہہ دینے کے باوجود پرسکون سا بیٹھا تھا۔

"میں اپنے ماں باپ کا یہ گھر بیچ دوں؟" ریاض کی لرزتی آواز میں بے پناہ دکھ اور بے بسی تھی۔ وہ اپنے آشیانے کو پیار اور حسرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ دادا دادی کا گھر نہیں ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ گھر اور دکان آپ کا اور پھپھو کا ہے۔ پھپھو آپ سے گھر اور دکان میں سے اپنا حصہ طلب کر رہی ہیں۔ جو کہ پھپھو کو دینے سے آپ کبھی بھی انکاری نہیں ہو سکتے۔"

اس حقیقت پہ ریاض نے بوجھل دل کے ساتھ سر جھکا دیا۔

"اگر آپ اس کوشش میں ہیں کہ پھپھو کے شرعی حصے جتنی رقم اکٹھی کر کے انہیں دے دیں تو یہ ناممکن ہے۔

"کیوں کہ اتنی بڑی رقم ہمارے پاس نہیں ہے۔"

اور اتنا زیادہ قرضہ لینے کے آپ خلاف ہیں کہ ایک تو قرض کا بوجھ آپ کو جھکا دے گا دوسرا زندگی پہ بھی بھروسا نہیں ہے اور آپ قرض تلے مرنا نہیں چاہتے۔" اگلی بات کہنے سے پہلے حسنین نے ایک منٹ رک کر پرفکر سوچ میں ڈوبے ریاض کے چہرے پہ اپنی بات سے متفق ہونے یا نہ ہونے کے تاثرات دیکھنے چاہے۔ لیکن وہاں پہ صرف پریشانی اور دکھ تھا۔

"اب ایک ہی حل بچ جاتا ہے کہ گھر یا دکان میں سے ایک چیز بیچ دی جائے۔ دکان بیچنا سراسر غلط قدم ہوگا کیونکہ یہ ہماری اچھی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ گھر بیچنے کے بعد پھپھو کا آپ پہ شرعی قرض بھی اتر جائے گا اور آپ کے ہاتھ میں بھی کچھ رقم آ جائے گی جو کہ دکان میں لگا کر آپ اپنی آمدنی کو بڑھا بھی سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ گھر بیچ کر ہم کہاں جائیں گے؟" حسنین کی بات دکھ سے ہی سہی لیکن ان کے دل کو لگی تھی۔

"ابھی ہم کرائے کے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔ کچھ وقت کٹھن گزرے گا لیکن آپ کے دکان کی آمدنی، حسن بھائی اور میری تنخواہوں کو جوڑ کر ہم جلد ہی اپنا گھر خریدنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" حسنین کے پرعزم دعوے اور امید نے ان سب کی آنکھوں میں چمک پیدا

www.pklibrary.com

کردی۔

"لیکن آپ گھر بیچنے کا ذکر آپا والوں سے نہیں کریں گے۔ جب انہیں ہمارا احساس نہیں ہوا تو ہمیں بھی انہیں کچھ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اثبات میں سر ہلانے لگا۔

پھر بغیر کسی سے مشورے اور علم میں لائے بالا ہی بالا گھر کا سودا کر کے عالیہ کے حصے کی رقم اس کے ہاتھ میں رکھ کر وہ لوگ اچھے مستقبل کی امید اور خوابوں کے ساتھ کرائے کے مکان میں شفٹ ہوگئے۔

عالیہ کو جب پتا چلا تو اسے بہت دکھ کے ساتھ ساتھ شرمندگی نے بھی گھیر لیا۔ وہ بھائی سے معافی مانگنے کے لیے بھائی کے پاس آئی تو ریاض نے پتھریلے دل اور چہرے کے ساتھ بہن سے اپنا ہر تعلق ختم کردیا۔ عالیہ مایوس اور نامراد ہوکر روتی روتی واپس آگئی۔

☆☆☆

"نہیں میمونہ۔ وہ لوگ تو خاندان میں سب سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ریاض نے ہمارے حق پہ اتنے سال قبضہ جما کے اتنا کچھ کمالیا ہے۔ اب اگر ضرورت پڑنے پہ ہم نے اپنا شرعی حق مانگ لیا تو سب کی نظروں میں ہمیں نیچا اور برا دکھانے کے لیے انہوں نے یہ کرائے کے مکان میں شفٹ ہوجانے کا ڈرامہ رچایا ہے۔"

"ریاض! آپ سن رہے ہیں۔ آپا ہمارے خلاف کیا کیا باتیں کرتی پھر رہی ہیں۔" پورے خاندان اور آس پڑوس کی خبریں رکھتی بوا سکینہ کی باتوں پہ پیچ وتاب کھاتی میمونہ نے اپنی انگارہ ہوتی آنکھوں سے کچھ دور موڑھے پہ خاموش بیٹھے ریاض کو دیکھا۔

"ایک تو انہوں نے ہمیں گھر سے دربدر کردیا اوپر سے انہیں ہمارا دربدر ہونا ڈھونگ لگ رہا ہے۔" میمونہ کی دل کی جلن پہ ریاض نے ٹھنڈی سانس بھری اور خود کو منتظر نگاہوں سے دیکھتی بوا سکینہ سے بولے تو ان کے الفاظ سخت اور پُرتپش تھے۔

"بوا آپ بھی جا کر ان کو بتا دیجیے کہ ہمیں کسی کو بھی نیچا دکھانے کے لیے کوئی ڈرامہ رچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمارے پاس آپا کے حصے جتنی رقم جمع ہوجاتی تو ہم کبھی بھی بغیر توں کی طرح اپنے بڑوں کا بنایا گیا آشیانہ نہ بیچتے اور نہ ہی بکواتے۔" ریاض کے ان الفاظ نے میمونہ کے اندر جلتی آگ پہ پانی ڈال کر اسے ٹھنڈا کردیا۔

"ہاں۔ کہتے تو تم بالکل ٹھیک ہو۔" بوا نے ان دونوں کو ہمدردی سے دیکھا۔

☆☆☆

"ریاض تو کہہ رہا تھا کہ تم نے بیٹے کی خاطر بھائی کو مجبور کر کے اپنے بڑوں کے بسائے آشیانے کو بکوا کے بڑی بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے۔"

"کیوں بوا۔ اس میں بے غیرتی کا کیا کام ہے۔ امی نے ریاض صاحب سے اپنا حق مانگا تھا۔ اور گھر بیچنے کا فیصلہ بھی ان کا اپنا تھا۔" عالیہ کے ساتھ بیٹھی ماہین نے تنک کر ماں کی طرف سے بوا کو جواب دیا۔ بیٹی کے منہ سے اپنے ماموں کا نام سن کر عالیہ نے تڑپ کر ماہین کو دیکھا جس کو اپنے اندر کی آگ کے نزدیک ماں کی تڑپ نظر ہی نہیں آرہی تھی۔

جب دلوں سے رشتوں کا تقدس ہی ختم ہوجائے تو رشتہ داروں کو نام سے پکارنے میں کیا قباحت ہے۔

"اور نہیں تو کیا۔ میں نے بھی یہی بات ریاض اور میمونہ سے کہی تھی کہ انہوں نے اپنا حصہ مانگ کے کوئی جرم نہیں کیا۔ اپنا حق لیا ہے۔ لیکن میمونہ تو اتنے غصے میں تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کیا بولتی جارہی ہے۔ اس نے تو یہ بھی کہا کہ ایک تو ہم نے ماہین کا رشتہ نہیں لیا ہے اور دوسرا ہمارے بچوں کو خوش اور پھلتے پھولتے دیکھ کر حسد کے مارے انہوں نے ہم کو دربدر کر کے بدلہ لیا ہے۔" لوہا گرم دیکھ کر بوا سکینہ نے مزید چوٹ ماری جو کہ سیدھی

www.pklibrary.com

ماہین کے دل پہ جا کر لگی۔ وہ بلبلا اٹھی۔

"کیوں؟ میں کیا حسن کے لیے مر رہی تھی یا حسن کے انکار کے بعد میں لولی لنگڑی ہوگئی ہوں جو کہیں اور میری شادی نہیں ہو سکے گی جو ہم اس بات کے لیے ان سے بدلہ لیں گے؟" غصے سے بوا کو جواب دیتے اس کے ذہن میں کوئی بات کوندے کی طرح لپکی تو اس کے ہونٹوں اور چہرے پہ تمسخر اڑاتی مسکراہٹ آ گئی۔

"بوا! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ شجاع بھائی کے باہر جانے کے بعد قرۃ العین کی شادی شجاع بھائی سے نہ ہونے پہ اب ہاتھ ملتے ہوئے ہمارے خلاف یہ باتیں پھیلا رہے ہوں؟" ایک ادائے بے نیازی سے ماہین کی کہی بات نے بوا کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔

"ہاں۔ یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔"

ایسی دوسری بہت سی باتوں نے ان دونوں گھرانوں کے بیچ کے اختلافات کو ہوا دے کر مزید بڑھا دیا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ بیچ کے لوگ ان دونوں گھرانوں کے ایک دوسرے کے خلاف بیانات ایک دوسرے تک بالکل درست پہنچاتے لیکن اس انداز بیاں کا کیا کیا جائے جو بات کو سنوارنے اور بگاڑنے کا اصل موجب ہوتا ہے۔

☆☆☆

گھر بیچ کر کرائے کے مکان میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے جو انہوں نے دعوے کیے تھے کہ ریاض کے دکان کی آمدنی اور دونوں بیٹوں کی کمائی کو جوڑ کر وہ جلد ہی اپنا چھوٹا سا گھر خرید لیں گے تو روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی اور ہر مہینے گھر کے کرائے نے ان کے ہر دعوے، امید اور خواب کو مٹی چٹا ڈالی تھی۔ وہ اکثر کڑھتے ہوئے سوچتے اور کہتے رہتے کہ عالیہ اور اس کا خاندان خود تو آرام سے اپنے گھر میں بیٹھا ہے جبکہ ہمیں کرائے کے گھر میں در بدر کر دیا ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

زہرہ' عالیہ کے محلے کی ہر دلعزیز خاتون تھیں۔ ان کے اچھے اخلاق اور ملنسار طبیعت کی وجہ سے پورا محلہ ان کا گرویدہ تھا۔ کچھ وقت سے وہ شدید بیمار تھیں۔ ایک طرح سے پیرالائز ہو کر چارپائی کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ پھر بھی ان کے انتقال کی خبر سن کر عالیہ کو شدید دھچکا پہنچا۔ وہ اسی وقت زہرہ کے گھر کی طرف دوڑ پڑیں جہاں پہ ان کی دو بیٹیوں اور بہو کے علاوہ کچھ رشتہ دار عورتیں ان کی چارپائی کے گرد بیٹھے ہوئے رو رہی تھیں۔ ہنستی مسکراتی زہرہ کو' کھلی آنکھوں میں عجیب سا تاثر سموئے بے جان وجود میں دیکھ کر جہاں اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا وہیں پہ ہی زہرہ کی کھلی آنکھوں اور ان میں جمے عجیب سے تاثر نے اسے الجھن میں بھی ڈال دیا۔

"سیما! اپنی ماں کی آنکھیں تو بند کر دو۔" عالیہ کی بات پہ روتی ہوئی سیما نے ماں کی کھلی آنکھوں کو حسرت سے دیکھا۔ "خالہ! اماں کی آنکھیں بہت دفعہ بند کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کسی کے انتظار میں دروازے کو تکتی یہ آنکھیں بند ہی نہیں ہو رہی ہیں۔" وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگی۔

"کیا مطلب؟" عالیہ نے ناسمجھی سے سیما کو دیکھا۔ لیکن وہ جواب دینے کے قابل ہی نہیں تھی۔ اس لیے زہرہ کی بہو کرن کو جواب طلب نظروں سے دیکھا۔ جس نے ساس کی آنکھوں کو دکھ سے دیکھا۔

"دراصل خالہ' اماں کا اپنے بھائی سے کسی خاندانی تنازعے پہ جھگڑا چل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے دونوں گھرانوں کا آپس میں ملنا جلنا، کھانا پینا سب بند تھا۔ کچھ وقت سے اماں کی حالت تو آپ خود دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایک طرح سے مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

اماں کو شاید اپنی موت کا پتا چل گیا تھا۔ تب ہی انہوں نے سارے اختلافات ایک طرف رکھ کر اپنی

www.pklibrary.com

شدید بیماری کی اطلاع ماموں تک پہنچا کے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ سمیع خود جا کر ماموں کو اماں کی طبیعت بتا کر انہیں اماں کی شدید خواہش کا بھی بتا آیا تھا۔ لیکن ماموں نہیں آئے مگر اماں کو ہر گھڑی ان کا انتظار رہتا تھا۔ اسی انتظار میں اماں کی آنکھیں دروازے میں لگی رہتی تھیں اور اسی حالت میں اماں دنیا سے بھی چلی گئیں۔ لیکن یہ بے چین آنکھیں پھر بھی اپنے بھائی کی راہ تک رہی ہیں جو کہ بہن کی موت کی اطلاع ملنے کے بعد بھی ابھی تک نہیں آئے۔ پتا نہیں ان کا دل اتنا پتھر کیسے ہو گیا ہے کہ اپنا انتظار کرتی بہن کی موت نے بھی ان کا دل نرم نہیں کیا ہے۔" زہرہ کے بے جان جسم کی کھلی آنکھوں میں بچینی سے چکراتے انتظار نے عالیہ کے دل کو سہما کر جکڑ لیا۔ وہ گرتے پڑتے اپنے بے جان ہوتے جسم کو گھسیٹتے ہوئے گھر آ کر چارپائی پر نڈھال سی گر گئی۔

"کیا ہوا امی؟" عالیہ کی حالت دیکھ کر ماہین گھبرا کر ماں کے پاس آئی جس کا جسم سردی نہ ہونے کے باوجود ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔

"مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ مجھے کمبل اوڑھاؤ۔"

ماہین جلدی سے کمبل نکال کر عالیہ کے اوپر ڈال کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور پریشانی سے ان کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مسلتے ہوئے انہیں گرمائش پہنچانے لگی۔

حقیقی رشتوں کی ڈور اتنی کچی نہیں ہوتی کہ ذرا سے کھینچنے سے وہ ٹوٹ جائے۔ چاہے جتنی بھی انا لاتعلقی اختیار کی جائے' ہمارے اندر میں اس اپنے کی پیاس اور تڑپ ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ کمبل اوڑھے سامنے لگے آئینے میں دکھائی دیتے عکس میں اپنی آنکھوں میں بھائی کے لیے بھٹکتی بے چینی کو دیکھتے ہوئے عالیہ' زہرہ کی آنکھوں میں چھپے اسرار کو صحیح معنوں میں پا چکی تھی۔

☆☆☆

شجاع کے انگلینڈ جانے کے بعد کچھ وقت تو گھر کے مالی حالات خراب رہے تھے۔ صفدر کی پینشن اور شجاع کی تنخواہ سے جو گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے وہ صرف صفدر کی پینشن پہ چلنے لگے تھے۔ لیکن جب شجاع پیسے بھیجنے لگا تو گھر میں مالی آسودگی تو آ گئی تھی مگر کھویا ہوا سکون ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں مل رہا تھا۔ آج وہی سکون پانے کے لیے عالیہ بھائی کے در پہ کھڑی تھی۔

دروازہ ریاض نے ہی کھولا تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور بالوں کے ساتھ ریاض بہت بوڑھا اور کمزور لگ رہا تھا۔ تین سال اتنے بڑے تو نہیں ہوتے؟ عالیہ نے تین سالوں میں وقت سے پہلے ہی بھائی پہ آ جانے والے بڑھاپے اور کمزوری کو دل پہ محسوس کیا۔

غیر متوقع طور پہ عالیہ کو سامنے دیکھ کر ریاض بھی چپ ہو گیا اور بہن کے چہرے پہ مالی آسودگی کے آثار دیکھ کر اس نے اپنی حیرت پہ قابو پا کر اپنے چہرے اور جذبات کو پتھر کرتے انہیں اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ عالیہ بھی چپ چاپ اندر آ گئی۔ ان کے پیچھے ریاض گھر سے باہر نکلنے لگا تو عالیہ کی آواز پہ اس کے باہر نکلتے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔

"ریاض! میں تم سے ہی ایک بات کرنے آئی ہوں۔"

ریاض کے گھر کے ڈرائنگ روم میں ہر طرف پھیلی بے ترتیبی دیکھ کر عالیہ کو بے اختیار ان کے ذاتی گھر کا کھلا کھلا اور نفاست سے سجا ڈرائنگ روم یاد آ گیا۔ اسے پھر سے اپنا حصہ مانگنے کے دکھ نے ستایا۔

دونوں بہن بھائی آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ریاض سپاٹ اور اکڑا اکڑا سا بیٹھا عالیہ کو دیکھ رہا تھا تو عالیہ کندھے اور سر جھکائے اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی جبکہ میمونہ اکھڑے اکھڑے تیور لیے ریاض کے ساتھ

www.pklibrary.com

بیٹھی ہوئی تھی۔

"کل ہماری پڑوسن زہرہ کا انتقال ہوگیا ہے۔" عالیہ کی غیر متوقع بات کی شروعات نے ہی ان دونوں کو چونکا دیا۔ وہ دونوں بھی زہرہ سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کے اچھے اخلاق اور ملنسار طبیعت کی وجہ سے اس کی عزت بھی کرتے تھے۔

"اس کے انتقال کا سن کر میں اس کے گھر گئی تو اس بے جان وجود والی زہرہ کی آنکھیں ابھی زندہ تھیں اور کسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ پوچھنے پہ پتا چلا کہ اس کا اپنے بھائی سے کوئی خاندانی تنازعہ چل رہا تھا جس کی بنا پہ وہ ایک دوسرے سے سخت ناراض تھے۔ لیکن مرنے سے پہلے اس کی آنکھیں بھائی کی راہ تک رہی تھیں اور مرنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں سے یہ انتظار ختم نہیں ہو رہا تھا۔"

عالیہ کسی خاص احساس کو دل پہ محسوس کرتے ہوئے خاموش ہوگئی۔ ریاض اور میمونہ دونوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ریاض..... میں نہیں چاہتی کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں بھی اپنے بھائی کی راہ تکتی رہیں۔" عالیہ کی بھرائی آواز اور بات پہ ریاض نے تڑپ کے بے چینی سے بڑی بہن کو دیکھا جس کے انداز نشست میں کوئی فرق نہیں آیا تھا بس آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرتے اس کی جھولی میں دھرے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔ "موت کا کیا بھروسہ۔ اس پل سانس آرہی ہے۔۔۔" عالیہ نے ٹھہر کر تھکا تھکا سا ایک گہرا سانس لیا۔ "تو کیا پتا اگلے پل سانس ہی رُک جائے۔ اس برحق موت کے بعد ہم کبھی بھی لوٹ کر نہیں آسکتے۔ موت کے بعد نہ معافی لی جاسکتی ہے اور نہ ہی دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد تو ہمیں اپنے اعمال کے ساتھ صرف اللہ کے سامنے ہی حاضر ہونا پڑتا ہے۔

اسی لیے..... اپنے رب کے حضور جواب دہ ہونے سے پہلے ہی میں اپنی زندگی میں ہی زندہ لوگوں سے ہی معافی مانگنے آئی ہوں۔"

عالیہ نے آنسوؤں سے تر چہرہ اُٹھا کر ریاض کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے۔ جس کے عالیہ کی بات سنتے سنتے اکڑے اور تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے تھے۔ بڑی بہن کے جڑے ہاتھ دیکھ کر اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ میمونہ بھی اس کے اُٹھتے ہی خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"قصور تمہارا یا میرا جس کا بھی تھا۔ بس..... اب سب اختلافات کو ایک طرف رکھ کر..... مجھے میرا بھائی چاہیے۔ مجھے اپنے میکے کا مان چاہیے۔" عالیہ نے روتے ہوئے التجا کی۔

عالیہ کے جڑے ہاتھوں اور التجا پہ ریاض نے اپنی جلتی آنکھوں کو زور سے میچا اور جب آنکھوں کو کھولا تو وہ آنسوؤں سے لبالب بھری سرخ تھیں۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے روتی ہوئی بڑی بہن کی طرف بڑھا اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کی گود میں سر رکھ دیا۔

"آپا..... میں بھی بہت تھک گیا ہوں۔"

مرد ہونے کے باوجود اس نے اپنے آنسو بڑی بہن کی جھولی میں ہی گرے اس کے آنسوؤں میں جذب ہونے کے لیے تو عالیہ نے بھی کھل کر روتے ہوئے اپنی گود میں رکھے بھائی کے سر پہ منہ رکھ دیا۔

میمونہ ان دونوں بہن بھائی کے آنسوؤں سے ساری بدگمانیاں، رنجشیں اور اختلافات ڈھلتے دیکھ کر روتی آنکھوں سے مسکرادی۔ کیونکہ بہن سے سارے رشتے توڑنے کے بعد اکثر اکیلے میں روتے دکھائی دیتے شوہر کی زندگی میں پیدا ہوجانے والے بظاہر نہ دکھائی دیتے خلا کو اس کی بھرپور توجہ اور محبت بھی نہیں بھر سکی تھی۔

☆☆

www.pklibrary.com

شعاع عمیر

القرآن

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ، اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔ (سورۃ البقرہ: آیت، 188)

تین اشخاص

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں، ان کا دشمن ہوں گا۔ (۱) وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد کرے مگر پھر اس کی خلاف ورزی کرے۔ (۲) وہ شخص جو کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے۔ (۳) وہ شخص جو کسی مزدور سے اجرت پر اس سے پورا کام کرائے اور پھر اس کی مزدوری اس کو نہ دے۔ (صحیح بخاری)

خلفاء راشدین کے اقوال

1۔ علم بغیر عمل کے بے کار ہے اور عمل بغیر علم بیمار ہے (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

2۔ عالم کی لغزش گویا عالم کی لغزش ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

3۔ بعض اوقات جرم معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

4۔ جانور میں خواہش اور فرشتے میں عقل ہوتی ہے۔ مگر انسان میں دونوں ہوتی ہیں۔ اگر وہ عقل دبالے تو جانور اور اگر خواہش دبالے تو فرشتہ۔ (حضرت علی المرتضیٰؓ)

اقصیٰ شہزاد..... تلہ گنگ

گفتگو کا فن

ایک دن خلیفہ مامون الرشید سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے آ کر سرکاری افسر کے مظالم بیان کرتے ہوئے تبادلے کی خواہش کی۔

امیر المومنین کو اس درخواست پر بڑا تعجب ہوا کہنے لگے: ''اس سے اچھا انصاف پسند اور انتظامی معاملات کا ماہر تو آج تک کوئی میری نظر سے گزرا ہی نہیں۔''

یہ سنتے ہی ان لوگوں میں سے کوئی بول اٹھا۔

''ہمارے نزدیک تو سب سے زیادہ عادل اور رعیت کے معاملات کو سمجھنے والا اور بہتر بتانے والا تو آپ کا وجود گرامی ہے لیکن جیسا کہ امیر المومنین نے بیان کیا اگر امیر واقعہ یہی ہے تو ایسے آدمی کو بجائے ایک جگہ پر مستقل کر دینے کے یہ زیادہ اچھا ہوتا کہ ساری قلمرو میں تھوڑے تھوڑے دنوں پہنچتا رہے تاکہ امیر المومنین کی جملہ رعایا برابر کا فیض اٹھا سکے۔ کم از کم اگر یہی اصول طے ہو جائے تو بھی ہمیں امید ہے کہ زندگی بھر میں ہمارا حصہ تین سال سے زیادہ جیسا کہ اب تک اس کو ہمارے رہتے ہوئے گزر چکا ہے، نہ لگ سکے گا۔''

مقرر کے ان الفاظ پر امیر المومنین ہنسنے لگے اور فوراً اس حاکم کو وہاں سے تبدیل کر دیا۔

ثناشہزاد..... کراچی

قیمتی موتی

☆ تم نے دنیا دیکھی ہے اور بہت سی کتابیں پڑھی ہیں لیکن یہ مجھ سے سن لو کہ سانپ اپنی کھال بدل سکتا ہے اپنی ذات نہیں۔ (خوشونت سنگھ)

☆ اگر آپ حق پر ہیں، تو آپ کا اپنا موقف ہونا چاہیے، ہجوم سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں (دوستوفسکی)

☆ اگر آپ تیس برس میں طاقت ور اور چالیس برس میں عقل مند نہیں بنے تو آپ کبھی طاقت ور اور عقل مند بننے کی امید نہ رکھیں۔ (ڈاکٹر چارنر)

سونیا رباتی..... قاضیاں محلہ بالا

حاصل زندگی

میں نے پچاس سال سے زیادہ بڑی کامیابی کے

www.pklibrary.com

ساتھ حکومت کی، رعایا مجھ سے محبت کرتی تھی، دشمن خوف زدہ تھے، دنیا کی کوئی نعمت نہ تھی جو میری حد اختیار سے باہر ہو۔ ان حالات میں رہ کر ایک مرتبہ میں نے ان دنوں کا شمار کیا جن میں مجھے کامل اطمینان اور دلی خوشی حاصل رہی، تو ان کی تعداد چودہ دن سے زیادہ نہ نکلی، اے فرزند عزیز اس دنیا پر اعتبار نہ کرنا۔ (عبدالرحمن ثالث، خلیفہ قرطبہ)

نویدہ.....لاہور

حفظ ماتقدم

ایک بزرگ آپریشن ٹیبل پہ لیٹے تھے بڑا اور کٹھن آپریشن ہونے والا تھا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر ان کا داماد تھا۔ جب ڈاکٹر داماد آپریشن تھیٹر میں آیا تو بزرگ نے بڑے پیار سے داماد کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔

"بیٹا! میں جانتا ہوں تم مجھے کچھ ہونے نہیں دوگے پر اگر کچھ انہونی ہوگئی تو تمہاری ساس تمہارے ساتھ ہی رہے گی، اس بات کا خیال رکھنا۔"

عشونور.....جلال پور بھٹیاں

زندہ تہذیب

سلطان ناصرالدین سرکاری خزانے سے صرف اسی قدر لیتا تھا جو ایک عامی کا حصہ ہوسکتا تھا۔ کلام مجید کی کتابت سے بسر کرتا تھا۔ گھر میں ملازمہ تک نہ تھی ایک مرتبہ بیگم نے شکایت کی کہ روٹی پکانے میں میرے ہاتھ جھلستے ہیں کوئی خادمہ رکھ دیجیے۔ اس نے جواب دیا کہ کلام مجید کی کتابت سے اتنا کہاں ملتا ہے جو ملازمہ کے لیے کافی ہوسکے۔ اس طرح ایک مرتبہ عید کا چاند دیکھنے کے بعد جب رعایا خوشیاں منا رہی تھی۔ شاہی محل سے رونے کی آواز آئی۔ شہنشاہ نے حرم میں جا کر دریافت کیا، تو بیگم نے کہا کل عید کے لیے لوگ اپنے بچوں کے نئے کپڑے بنا رہے ہیں۔ ان بچوں کے پاس کپڑے نہیں، اس لیے رو رہے ہیں۔"

ناصرالدین تسلی دے کر باہر آ گیا۔

فوزیہ ثمر بٹ.....گجرات

ہیں کواکب کچھ

☆1906ء میں اس نے سول سروس کا امتحان پاس کرلیا۔ اس کے سب سے کم نمبر اقتصادیات میں تھے۔ جانتے ہیں آپ یہ کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ پروفیسر جان مینارڈ کینیس کا۔ جو لارڈ کینیس کے نام سے معروف ہیں۔ اور جن کے بغیر جدید معاشیات نامکمل اور تشنہ ہے۔ کم نمبروں کی توضیح لارڈ کینیس نے یہ کی تھی۔ "غالباً ممتحن مجھ سے کم جانتے ہیں۔"

وکالت

وکیل نے پہلے سوال سے گواہ پر جرح کا آغاز کیا۔ "ہاں تو ڈاکٹر صاحب کیا آپ نے پوسٹ مارٹم کرنے سے پہلے نبض چیک کی تھی؟"

"نہیں" گواہ نے ایک حرفی جواب دیا۔

وکیل: "کیا آپ نے بلڈ پریشر چیک کیا تھا؟"

گواہ: "جی نہیں۔"

وکیل: "کیا آپ نے اچھی طرح تسلی کرلی تھی کہ "باڈی" سانس نہیں لے رہی؟"

وکیل کے طنزیہ انداز پر گواہ نے بے نیازی سے اسے دیکھا اور جواب دیا۔ "نہیں۔"

وکیل نے مشکوک انداز میں پوچھا۔ "تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مریض زندہ ہو اور آپ نے اس کا پوسٹ مارٹم شروع کردیا ہو؟"

گواہ نے اس الزام کو سرے سے نہیں لیا اور پھر سے وہی جواب دہرایا۔

"نہیں۔"

وکیل نے تلملاتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ یہ بات یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ پیشنٹ مردہ ہی تھا۔ جبکہ نہ تو نبض چیک کی، نہ سانس اور نہ بلڈ پریشر۔

گواہ نے گہری سانس لی جیسے خود کو نارمل کر رہا ہو اس کے بعد گویا ہوا: "کیونکہ اس کا دماغ میز پر شیشے کے جار میں پڑا تھا۔"

"وکیل کچھ دیر خاموش ہوا اور پھر بولا۔ بہرحال ہوسکتا ہے پیشنٹ تب بھی زندہ ہو۔"

"گواہ نے زچ ہو کر اسے دیکھا اور وکیل سے مخاطب ہوا۔ ہاں ہوسکتا ہے وہ اب بھی زندہ ہو اور کسی جگہ وکالت کی پریکٹس کر رہا ہو۔"

لائبہ ملک.....حیدرآباد

www.pklibrary.com

جویریہ فیصل کی ڈائری میں تحریر
کرشن بہاری کی غزل

زندگی سے بڑی سزا ہی نہیں
اور کیا جُرم ہے پتا ہی نہیں

اتنے حصوں میں بٹ گیا ہوں میں
میرے حصے میں کچھ بچا ہی نہیں

زندگی ۔ موت تیری منزل ہے
دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں

جس کے کارن فساد ہوتے ہیں
اس کا کوئی اتا پتا ہی نہیں

زندگی اب بتا کہاں جائیں
زہر بازار میں ملا ہی نہیں

سچ گھٹے ، یا بڑھے تو سچ نہ رہے
جھوٹ کی کوئی انتہا ہی نہیں

دھن کے ہاتھوں بکے ہیں سب قانون
اب کسی جُرم کی سزا ہی نہیں

چاہے سونے کے فریم میں جڑ دو
آئینہ جھوٹ بولتا ہی نہیں

لائبہ ملک کی ڈائری میں تحریر
حسن رضوی کی نظم

کبھی کتابوں میں پھول رکھنا کبھی درختوں پہ نام لکھنا
ہمیں بھی یاد ہے آج تک وہ نظر سے حرف سلام لکھنا

وہ چاند چہرے وہ بہکی باتیں، سلگتے دن تھے مہکتی راتیں
وہ چھوٹے چھوٹے سے کاغذوں پر محبتوں کے پیام لکھنا
گلاب چہروں سے دل لگانا وہ چپکے چپکے نظر ملانا
وہ آرزوؤں کے خواب بُنتا وہ قصۂ ناتمام لکھنا

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

مرے نگر کی حسین فضاؤں کہیں جوان کا نشان پاؤ
تو پوچھنا یہ کہاں بسے وہ کہاں ہے ان کا قیام لکھنا

کھلی فضاؤں میں سانس لینا عبث ہے اب تو گھٹن ہے ایسی
کہ چاروں جانب شجر کھڑے ہیں صلیب صورت تمام لکھنا

گئی رُتوں میں حسن ہمارا بس ایک ہی تو یہ مشغلہ تھا
کسی کے چہرے کو صبح کہنا کسی کی زلفوں کو شام لکھنا

فوزیہ ثمر بٹ کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی نظم

ہم نے سب شعر میں سنوارے تھے
ہم سے جتنے سخن تمہارے تھے

رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

تیرے قول و قرار سے پہلے
اپنے کچھ اور بھی سہارے تھے

جب وہ لعل و گہر حساب کیے
جو ترے غم نے دل پہ وارے تھے

میرے دامن میں آ گرے سارے
جتنے طشت فلک میں تارے تھے

عمر جاوید کی دُعا کرتے
فیض اتنے وہ کب ہمارے تھے

pklibrary.com

www.pklibrary.com

کچھ موتی چنے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ادارہ

آغا خنجر

ایک تقریر انہوں نے ایک پبلک جلسے میں کی۔ جس میں سامعین کو آگاہ کرتے ہوئے کہا "حضرات! کیا آپ جانتے ہیں ہمارے ملک میں پچھلے سال پانچ کروڑ سات لاکھ لٹر شراب پی گئی...... تین ارب اٹھانوے کروڑ پچاس لاکھ سگریٹ پیے گئے۔ چالیس لاکھ ٹن چائے نوش کی گئی۔ سات ارب اسی کروڑ انڈے کھائے گئے۔ ان اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہے کہ قوم کا اخلاق تباہ ہو چکا ہے۔ اخلاق؟ کہاں ہے اخلاق؟ ہر طرف بداخلاقی کا دور دورہ ہے اب ذرا جرائم کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمایے۔ پانچ لاکھ سات ہزار چوری اور ڈاکے کی وارداتیں۔ چھیاسی ہزار نو سو ننانوے اغوا۔ ایک لاکھ تین ہزار دو سو قتل! کہاں ہیں اخلاق کے دعوے دار اور ثنا خواں؟ کیا یہی تمدن ہے جس کا ذکر کرتے وقت ان کی گردنیں اکڑ جاتی ہیں حالانکہ شرم سے سر جھک جانا چاہیے!"

ہم نے جب ان تقریروں کا تجزیہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ آغا صاحب والی بات پیدا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ وہ واقعی امام فن ہیں۔ انہوں نے عوام کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں سامعین فرسودہ اشعار پسند کرتے ہیں۔ سستی خطابت پر سر دھنتے ہیں اور فرضی اعداد و شمار پر فوراً ایمان لے آتے ہیں۔ ان تینوں خوبیوں کو پیدا کرنے کے لیے ریاض کی ضرورت ہوتی ہے۔ آغا صاحب نے بجا فرمایا۔ ریاض کے بغیر کسی فن پر عبور حاصل کرنا ناممکن ہے۔

(کنہیا لال کپور ۔۔۔۔۔ نئے شگوفے)

عشو نور ۔۔۔۔۔ جلال پور

سکون

مجھے معلوم ہے آپ کو مسرت اور سکون کی تلاش ہے لیکن سکون تلاش سے کس طرح مل سکتا ہے۔ سکون اور آسانی تو صرف ان کو ملتی جو آسانیاں تقسیم کرتے ہیں، جو مسرتیں بکھیرتے پھرتے ہیں۔ اگر آپ کو سکون کی تلاش ہے تو لوگوں میں سکون تقسیم کرو، تمہارے بورے بھرنے لگیں گے۔ طلب بند کر دو۔ یہ صرف دولت دینے سے بڑھتی ہے۔ احمقوں کی طرح بکھیرنے پھرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ سائیں کے طریق نرالے ہیں۔ سکون کے دروازے پر بھکاری کی طرح کبھی نہ جانا، بادشاہ کی طرح جانا۔ جھومتے جھامتے، دیتے بکھیرتے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بھکاریوں پر ہر دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بھکاری کون ہوتا ہے وہ جو مانگے، صدا دے، جو تقاضا کرے اور شہنشاہ کون ہوتا ہے۔ جو دے، عطا کرے، لٹاتا جائے۔ بس جس راہ سے بھی گزرو بادشاہوں کی طرح گزرو، شہنشاہوں کی طرح گزرو...... دیتے جاؤ دیتے جاؤ غرض و غایت کے بغیر، شرط شرائط کے بغیر۔

(اشفاق احمد زاویہ 3 محبت کی حقیقت)

نجید زہرہ ۔۔۔۔۔ فتح جنگ

ادراک

ہر شخص کو اس بات کا صحیح ادراک ہے کہ دوسروں کا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ مگر وہ اس احساس سے عاری کہ خود کو کس طرح برتاؤ کرنا ہے۔

(پاؤلو کوئیلو ۔۔۔۔۔ الکیمسٹ)

اقصیٰ شہزاد ۔۔۔۔۔ تلہ گنگ

☆☆

www.pklibrary.com

دراز پلکیں غزال آنکھیں

سجنا، سنورنا اور اچھا دکھنا ہر خاتون کی خواہش ہوتی ہے۔ خوب صورت آنکھیں رکھنے کی خواہش ہر کسی میں پائی جاتی ہے لیکن یہ خواہش خواتین میں زیادہ شدید ہوتی ہے اس لیے وہ میک اپ کے ذریعے انہیں خوب سے خوب تر بنانے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔

لمبی گھنی پلکیں آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ پلکیں گھنی ہوں یا ہلکی مسکارا دونوں کے لیے ضروری ہے۔

اکثر خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ ان کی آنکھوں کو حسین دکھانے میں سب سے اہم کردار آئی شیڈوز یا آئی لائنر کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یہ خواتین مسکارا نہیں خریدتیں اور نہ ہی پلکوں پر استعمال کرتی ہیں۔

اکثر خواتین گھروں میں ہی میک اپ کرتی ہیں۔ لیکن ان کا میک اپ اس طرح خوب صورت نہیں لگتا۔ جس طرح ایک بیوٹی پارلر سے کروایا جانے والا میک خوب صورت نہیں لگتا ہے۔ اس کے پیچھے وجہ یہ ہوتی ہے کہ پارلر میں میک اپ کرتے وقت نقلی پلکوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پلکوں کو خواب ناک دکھانے کے لیے ان پر والیوم مسکارے کے کئی کوٹ لگائے جاتے ہیں تاکہ خواتین کی پلکیں بھاری لگیں۔

یہاں ہم آپ کو مسکارا لگانے کے بارے میں بتایا جارہا ہے۔ جس سے آپ کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوب صورت نظر آئیں گی۔

سب سے پہلے آنکھوں کو صاف کریں۔ اس کے بعد کسی بھی اچھی کمپنی کا پرائمر خریدیں۔ اس پرائمر کو آنکھوں کی اوپر والی جلد، آنکھوں کے نیچے، آئی بروکی ہڈی تک کے حصے پر اچھی طرح لگائیں۔

گر آنکھوں کے نیچے حلقے ہیں یا آنکھوں کے اردگرد موجود جلد کی رنگت خراب ہے تو پھر کنسیلر کا استعمال کریں۔ کنسیلر لگا کر ان حلقوں اور رنگت کو یکساں اور ہموار کریں۔

اس کے بعد جلد کا ہم رنگ آئی شیڈو لیں یا کوئی بھی ہلکے رنگ کا آئی بیس کچھ لے کر اسے آنکھوں کے اوپر لگالیں۔ اچھی طرح اس کی بلینڈنگ کریں۔ اس کام کیلئے کریمی آئی شیڈو کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ جلد کے ہم رنگ کلر استعمال کرنے کی وجہ سے آنکھیں روشن اور چمکدار سی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

اس کے بعد آئی ابرو کی ہڈی پر جہاں ہائی لائٹر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس جگہ پر آپ کوئی بھی اچھا سا ہائی لائٹر لگائیں، کوشش کریں کہ جلد کی رنگت سے ایک رنگ ہلکا ہائی لائٹر لگائیں۔ چمکدار ہائی لائٹر آپ کی آنکھوں کو روشن اور بڑھا دکھانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ آنکھوں کے بیرونی کناروں پر گہرے براؤن یا چاکلیٹی آئی شیڈو کا استعمال کریں۔ کناروں پر "وی" کے انداز میں یہ شیڈو لگائیں اور اسے آنکھ کے اندر تک لے کر آئیں اور برش کی مدد سے بلینڈ کرلیں۔ اس طرح ایسا لگے گا کہ جیسے آپ نے اسموکی آئی میک اپ کیا ہوا ہے۔ آنکھوں پر آئی شیڈوز لگانے کے بعد سب سے اہم مرحلہ آنکھوں کے اندرونی کناروں کو چمکدار دکھانا ہے۔ اندرونی کناروں پر سنہری رنگ کی پنسل کی مدد سے شیڈو لگائیں اور اسے برش کی مدد سے بلینڈ کرلیں۔ اس طرح آنکھوں کا اندرونی کنارا خوب صورت سا لگے گا۔ اب آجائیں اس ہفتے کی بیوٹی کلاس کی سب سے اہم پروڈکٹ یعنی مسکارے کی طرف، کوشش کریں کہ ایسا مسکارا منتخب کریں جس پر "سوپر والیوم" لکھا ہوا ہو۔ اس طرح کا مسکارا لگانے سے نقلی پلکیں لگانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ اگر کوئی اہم فنکشن ہے اور آپ نے نقلی پلکیں لگائی ہیں تو پلکیں لگانے کے بعد کوئی بھی مسکارا لگالیں۔ اگر نقلی پلکیں نہیں لگائیں تو کوشش کریں کہ "سوپر والیوم" مسکارا لگائیں۔ پہلے ایک کوٹ اوپر والی پلکوں پر لگائیں اور پھر اسے سوکھنے دیں، اس کے بعد نیچے والی پلکوں پر مسکارا لگائیں، جب سوکھ جائے تو پھر اوپر والی پلکوں پر مسکارا لگالیں۔ مسکارا برش کا استعمال کرتے ہوئے اسے کرل کرلیں تاکہ پلکیں خم دار محسوس ہوں۔ مارکیٹ میں ایسے مسکارے دستیاب ہیں جس کے ایک طرف سفید رنگ کا مسکارا ہوتا ہے اور دوسری طرف کالے رنگ کا مسکارا موجود ہوتا ہے۔ ایکسپرٹ کا کہنا ہے کہ پہلے سفید رنگ کے مسکارے کا ایک کوٹ لگائیں اور جب وہ سوکھ جائے تو کالے رنگ کا مسکارا لگائیں، اس طرح پلکیں خوب صورت نظر آئیں گی۔ اس طرح پلکوں پر لگائے جانے والے اس مسکارے کی وجہ سے آنکھیں کھلی کھلی اور روشن نظر آئیں گی۔

☆☆

www.pklibrary.com

"کرن" کا دسترخوان

چکن بریڈ پیٹیز

اجزاء:

مایونیز	ایک کپ
چکن	ایک پاؤ
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچ
انڈہ	دو عدد
گاجر	آدھا کپ
ہری مرچ	پانچ عدد
ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
کٹی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
بریڈ کرمز	ایک کپ
بریڈ سلائس	بیس سلائس
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	فرائی کے لیے

ترکیب: پیلی میں چکن، لہسن ادرک پیسٹ، نمک، کالی مرچ اور لیمن جوس شامل کر کے اچھی طرح ڈھک کر پکائیں یہاں تک کہ چکن کا پانی خشک ہوجائے۔ کمیچر ٹھنڈے ہونے پر ہڈی الگ کر کے گوشت کو باریک کاٹ لیں۔ اب ایک باؤل میں کٹی ہوئی چکن، گاجر، ہری مرچ، ہرا دھنیا، گرم مسالا پاؤڈر اور مایونیز شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔ لیجیے چکن فلنگ تیار ہے۔ گول ڈھکن کی مدد سے بریڈ سلائس کا گول حصہ نکال لیں پھر اس گول حصہ پر چکن فلنگ ڈالیں اور بریڈ سلائس کا دوسرا حصہ اوپر رکھ کر سلائس کے کناروں کو انگلی سے گیلا کر کے آپس میں چپکا دیں۔ لیجیے پیٹیز تیار ہیں۔ پیٹیز کو انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمز سے کوٹنگ کر لیں اور فرائی پین میں آئل گرم کر کے پیٹیز کو ڈیپ فرائی کر لیں۔ لیجیے مزیدار چکن بریڈ پیٹیز تیار ہیں۔

ڈریگن رول

اجزاء:

مایونیز	ایک کپ
رول پٹی	بیس عدد
چکن	ڈھائی سو گرام
گاجر	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
بند گوبھی	ایک عدد
نوڈلز	ایک کپ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
میدہ	آدھا کپ
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
کٹی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	فرائی کے لیے

ترکیب: چکن اور ادرک لہسن پیسٹ اور نمک لگا کر ہلکی آنچ پر ڈھک کر پکائیں یہاں تک کہ چکن اچھی طرح گل جائے۔ چکن کا پانی خشک ہوجائے تو علیحدہ باؤل میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں اور ہڈی سے گوشت علیحدہ کر کے ریشہ بنا لیں۔ گاجر، شملہ مرچ اور بند گوبھی کو لمبی شکل میں باریک کاٹ کر ایک پتیلی میں ڈالیں اور پانی شامل کر کے تیز آنچ پر پکائیں یہاں تک کہ پانی خشک ہوجائے۔ سبزیاں ٹھنڈی ہوجائیں تو اس میں ریشہ کی ہوئی چکن، کٹی لال مرچ، نمک اور مایونیز شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔ لیجیے فلنگ تیار ہے۔ ایک رول پٹی پر درمیان میں چکن فلنگ رکھیں اور کنارے فولڈ کر کے رول بنا لیں۔ پٹی کے کناروں کو میدہ سے تیار پیسٹ کی مدد سے چپکا لیں۔ اسی طریقے سے باقی رول بھی تیار کر لیں۔ ابلی ہوئے نوڈلز کو کاٹ کر چھوٹا کر لیں اور اوپر سے کارن فلور چھڑک دیں۔ چکن رول کو پہلے میدے کے پیسٹ میں ڈپ کریں پھر نوڈلز کے اوپر رول کریں تاکہ نوڈلز اچھی طرح چپک جائیں۔ چکن رول کو درمیانی آنچ پر ڈیپ فرائی کر لیں۔ لیجیے مزیدار ڈریگن رول تیار ہیں۔

www.pklibrary.com

☆ ہیضہ یا قے کی شکایت ہو رہی ہے تو چاول ابالنے کے بعد بچ جانے والا نمکین پانی پئیں۔ ٹھنڈا کر کے دن بھر پیتے رہیں۔

☆ آدھے سر کا درد ہو تو ایلو ویرا جیل کو ہاتھوں اور چہرے پر مل لیں۔

☆ خشک جلد یا خارش کی صورت میں کسی کپڑے میں دلیے کو بھر کر نلکے کے ساتھ اس طرح لٹکائیں کہ پانی اس سے گزر کر باتھ ٹب میں گرے اور پھر اس سے نہائیں۔

☆ لیموں کے عرق میں روئی ڈبو کر آئیں اور کیل مہاسوں پر دبا کر رکھ لیں اور کچھ دیر بعد ٹھنڈے پانی سے منہ دھو لیں۔

☆ چار پانچ دن کچا پیاز کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔

☆ دودھ جیسی نزلے سے نجات کا آخری حل ہے۔ قبض کی شکایت، سر درد حافظہ و نظر کی کمزوری اور عینک سے نجات کے لیے اکسیر ہے۔ دودھ جیسی خون کی کمی پورا کرتی ہے۔ عصر کے وقت ایک جیسی گرم دودھ میں ڈبو کر کھائیں اور ادویات سے بے نیاز ہو جائیں (شوگر کے مریض شیرہ کے بغیر والی جلیبیاں استعمال کریں)

☆ لیموں پیلیا کے مریضوں کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ یہ جگر کے خلیات کو کسی بھی نقصان سے محفوظ رکھتا ہے اس کی سنچ بین بنا کر پئیں۔

☆ گھٹنوں کے درد کے لیے کچے کالے چنے کے گیارہ دانے رات کو گرم پانی میں بھگوئیں اور صبح نہار منہ کھالیں اور یہی پانی پی لیں، چند دن میں ان شاء اللہ گھٹنوں کا درد کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

☆ اگر تیز بخار ہو تو بکری اک دودھ ہاتھ پاؤں اور سر پر ملنے سے بخار اتر جائے گا۔

☆ ایک تولہ سونف (تقریباً بارہ گرام) اور سات عدد لونگ دو کلو پانی میں ڈال کر چولہے پر خوب جوش دیجیے جب 250 گرام پانی رہ جائے تو بارہ گرام مصری ڈال کر چائے کی طرح نوش فرمایئے۔ دو تین بار کے استعمال سے نزلہ وزکام دور ہو جائے گا۔

☆ دہکتے ہوئے کوئلوں پر پسی ہوئی ہلدی ڈال کر دھونی سے ناک کھل جاتی ہے۔

☆ معدہ میں زخم کے لیے دو ہفتہ تک دن میں تیز مرتبہ بند گوبھی کا رس ایک ایک گلاس پی لیجیے۔ بند گوبھی کا سالن بھی کھایئے۔

☆ ہائی بلڈ پریشر کے لیے سات عدد کالی مرچ اور سات عدد نیم کی کونپلیں (یعنی نیم کے درخت کی ابتدائی چھوٹی چھوٹی پتیاں) روزانہ کھایئے یا نیم کے پتوں کا ایک چمچہ رس روزانہ صبح پی لیجیے روزانہ لہسن کے تین جوے چھیل کر نگل لیا کریں۔

☆ منہ کے چھالوں کے لیے پاؤ بھر گرم پانی کے اندر ایک لیموں نچوڑ کر اس سے کلیاں کیجیے۔ انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر روئی کی پھریری سے کلیاں کیجیے۔

☆ ذیابیطس نہ ہونے کے باوجود بار بار پیشاب آ رہا ہو تو "ارڑ کی دال" چند گھنٹے بھگو کر نرم کر کے پیس کر حسب ضرورت شکر ڈال کر اسی گھی میں بھون لیجیے۔ یہ حلوہ مناسب مقدار میں سات دن تک روزانہ تین بار کھایئے۔

☆ سردی کی وجہ سے زیادہ پیشاب آتا ہو تو باریک پسی دار چینی دو ماشہ دودھ کے ساتھ استعمال کیجیے۔

☆ بچوں کو پیٹ کے درد میں پیاز کو اک میں سینک کر پانی نچوڑ لیجیے اور تین گرام پلا دیجیے۔

☆ محیض کے درد سے نجات کے لیے 25 گرام گڑ اور گاجر کے بیج 15 گرام دو گلاس پانی میں ابالیے جب آدھا گلاس رہ جائے تو چھان کر پی لیجیے۔ یا ٹھنڈے پانی میں دو یا تین لیموں کا رس ڈالیں اور پی لیں۔

☆☆

www.pklibrary.com

مُدیرہ کرن

نامے میرے نام

ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

عرصے بعد تشریف لائی ہوں سب مجھے دل کی گہرائیوں سے ویلکم کرو۔

"مقابل ہے آئینہ" مہوش صدیق کے جوابات اچھے لگے۔ (تاش گھر) بہت اچھے طریقے سے بند ہو رہا ہے۔ تاش کے پتوں سے گھر تعمیر ہوتے دیکھ ہی لیں گے ایمل رضا کے سنگ۔ مجھے لگتا تھا کہ صندل ارشادی بابا اور آمنہ کی بیٹی ہے، اب بھی لگتا ہے۔ (رشتے الفت کے) حنا خالد کا افسانہ سبق آموز تھا۔ (شام سے پہلے) نگہت سیما کا مکمل ناول ٹاپ پر رہا۔ زارا کے ساتھ ہم نے بھی بہت آنسو بہائے۔ نگہت سیما جی ویلڈن۔ (سپنوں گھر) بھی اچھا جا رہا ہے۔ فاطمہ کی جدوجہد جاری ہے۔ امید ہے جلدی ڈاکٹر بن کے عباد کے سنگ چلی جائے گی۔ بھکارن مجھے ایسا لگتا ہے فاطمہ کی بہن ہو جیسے۔ ماہم اور زین کا افسانہ (اوور رٹیڈ) اچھا تھا۔ پتا نہیں مائیں کیسے اپنی بچیوں کی جھوٹی تعریفیں کر لیتی۔ (دامن سحاب) مہوش افتخار کی تو میں بہت بڑی فین ہوں۔ ان کا لکھا ہر لفظ مجھے بہت پسند ہے۔ جرار کے رویے میں تبدیلی خوش آئند ہے۔ حیا اور جرار کی جوڑی ہی اچھی ہے۔ (گنوا کر دل و جاں ہم) اف ام طیفور جی! اتنے کردار۔ مجھے تو سب کے رشتے ہی یاد نہیں رہتے کہ کون کس کا کیا لگتا ہے اب تو حیات راؤ کے بھائی بھی تشریف لے آئے ہیں۔ مجھے لگتا سنہری کی شادی حسنات سے ہوتی ہے اور کشور کی حیات سے۔ باقی ناول بہت اچھا ہے آپ کا (شہر تمنا کی آخر آرزو) عورت اپنے گھر ہی ہر اس منٹ کا شکار ہونے لگے تو کہاں جائے۔ وہاج کے ساتھ جوڑی اچھی رہی۔ شہوار جیسے گدھ کے لیے تو کڑی سزا ہونی چاہیے تھی (خواب زار) زظرف علیم کا افسانہ تو سوسو تھا مگر خود ان کا نام بہت یونیک لگا۔ "زخرف" کیا معنی ہیں اس کے؟ (بے اولاد) فرحت نے اچھا سبق دیا اگر کوئی سمجھے تو۔ بس اولاد نہ ہو تو عامل کے پاس جانے لگو، عجیب لوگ ہیں اللہ سے مانگنے کی بجائے باباؤں سے مانگتے ہیں۔ (نامے میرے نام) نئے آنے والوں کو خوش آمدید۔ ساجدہ جاوید جی میں ہر وقت آپ کو یاد کرتی ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں اور آئی لو یو آئی مس یو (اب خوش) دعائے امید میں حاضر ہوں اور خط بھی حاضر ہے۔ سونیا ربانی، زرینہ خانم، فوزیہ ثمر، کا تبصرہ اچھا لگا۔ اقصیٰ شہزاد اب میں آ گئی ہوں غائب نہیں ہوتی۔ آپ سناؤ کیسی ہو اور کیا کرتی رہتی ہو سارا دن؟ ماہ رخ خوش آمدید "کرن کتاب" کا سرورق اچھا تھا۔ میرے بال لمبے بہت ہیں مگر پتلے ہیں۔ گھنے کرنے کا کوئی طریقہ بتائیں پلیز۔ ہم اپنی زندگی سے لطف نہیں اٹھاتے یار (گزرے پل جو سوچوں تو) فرخندہ خالد کے ساتھ ہم نے بھی ان کے بچپن کی سیر کر لی۔ ویلڈن (کرن کا دسترخوان) پلیز سبزی بنانے کی ترکیب دیں جیسے آلو مٹر، آلو گوبھی، بند گوبھی، ان سبزیوں کو پکانے کی بھی ترکیب دیا کریں ناں۔ آتی تو سب کو ہوں گی بنانے مگر ریسپی سے اچھی بنتی ہے۔ (صحت) انزائٹی بھی ہو جاتی ہے۔ پھر سر کے بال نوچنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا بندہ۔ پورا رسالہ پڑھ لیا۔ دو دن میں ہی۔ اب اکتوبر کے شمارے کا انتظار ہے۔

ماریہ! زخرف قرآن کی ایک صورت کا نام بھی ہے۔ اس کے معنی ہیں سونا، سامان زینت، انتہائی حسن و دلکشی۔ ان شاء اللہ اب سبزیاں پکانے کی ترکیب بھی بتائیں گے۔ اور بال گھنے کرنے کے نوٹکے بھی دیں گے۔

ثنا شہزاد...... کراچی

السلام علیکم! کرن پڑھنے والی تمام قاری بہنوں کو میرا اسلام۔ کیسی ہیں آپ سب امید کرتی ہوں اللہ پاک کے فضل و کرم سے سب بہنیں ٹھیک ہوں گی۔ تو لیجیے جناب پورے ایک سال بعد کرن کی محفل میں حاضر ہوئی ہوں۔ اب آتے ہیں سب کے جوابوں

www.pklibrary.com

کی طرف جو میں نے دیے ہیں۔

اکتوبر میں فائزہ نے پوچھا کیسی ہو تو پیاری سی فائزہ میں ٹھیک ہوں الحمدللہ، آپ بتائیں آپ کیسی ہیں۔ سونیا آپ کو اتنے ٹائم بعد کرن کی محفل میں دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ فرزانہ امین آپ نے کہا ثنا شہزاد میری فیورٹ ہیں تو سچ کہوں آپ بھی میری فیورٹ ہیں۔ آپ کا تبصرہ بہت اچھا لگتا ہے۔

(نومبر) سحر کو ''کچھ موتی چنے ہیں'' میں میرا انتخاب پسند آیا اس کے لیے بہت شکریہ پیاری۔ فوزیہ آپ نے پوچھا کہ میں کیسی ہوں تو میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔ سوری میری پیاری بہن آپ کو برتھ ڈے وش نہیں کر سکی۔ اب کر دیتی ہوں۔ جنم دن بہت بہت مبارک ہو اچھی لڑکی۔ ہمیشہ خوش رہو۔ نوشی مغل آپ نے کہا کہ آپ بالکل ہماری فین نہیں اے سی بن گئی ہیں۔ بہت خوب پیاری ہنس مکھ لڑکی۔ فرزانہ امین 19 اکتوبر بروز 12 ربیع الاول کو آپ کی تائی آپ کو اچانک چھوڑ کے چلی گئیں۔ اللہ پاک ان کی بے حساب مغفرت فرمائیں۔ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ نگہت آنٹی کو کرن کی محفل میں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ یہ میری بہت فکر کرتی ہیں۔ میں فیس بک پر نظر نہیں آتی ہوں تو سب سے میرا پوچھتی ہیں۔ صائمہ ریاض آپ کے تبصرے پسند کرتے ہیں تو آپ کے لکھے افسانے پسند کیوں نہیں کریں گے؟ آپ لکھیں۔

دسمبر میں فرزانہ آپ نے کہا کہ ثنا شہزاد حاضری لگوائیں تو جناب میں آ گئی حاضری لگوانے۔ کوثر نسیم آپ نے کہا ثنا شہزاد مس یو تو جناب آئی مس یو ٹو۔ اقصیٰ شہزاد آپ نے میری بھتیجی کی مبارکباد دی۔ بہت شکریہ پیاری۔ جنوری میں نوشی نے کہا حاضری لگوانے آئیں رکشے کا کرایہ مجھ سے لے لیں۔ تو پیاری نوشی ہم بغیر کرائے کے آ گئے۔ عشو نور آپ نے کہا مس یو اتنا سارا تو پیاری عشو مس یو ٹو اتنا سارا۔ اقصیٰ میں غائب ہوئی تھی مگر آپ سب کی محبت مجھے واپس کھینچ لائی۔ وردہ شہزادی آپ کی ثنا آپی آ گئیں۔ بھتیجی کی مبارکباد دی آپ نے۔ خیر مبارک آپ کو بھی۔ آپ بھی منہا کی پھپھو ہیں۔ فوزیہ آپ نے بھی بھتیجی کی مبارکباد دی بہت شکریہ۔ فروری میں ماریہ آپ نے بھی مبارکباد دی بہت شکریہ۔ سب کی مبارکباد وصول کی جناب۔ اقصیٰ پیاری تھکو نہیں بلا بلا کے میں آ گئی ہوں۔

مئی میں فوزیہ آپ نے کہا میاں جی والا سین تو نہیں ہوا جناب تو ایسا نہیں ہے ''کرن'' پڑھ ضرور رہی تھی تبصرہ نہیں کر پا رہی تھی۔ میں کیلی گرافی پینٹنگ کورس میں مصروف تھی۔ جولائی میں نوشی آپ کے بابا کے ایکسیڈنٹ کا پڑھا اب کیسے ہیں آپ کے بابا۔

اگست میں نوشی آپ کی منگنی کی خبر پڑھی۔ بہت بہت مبارک ہو پیاری۔ اللہ پاک آپ کے نصیب اچھے کرے۔ آپ ہمیشہ ہنسی مسکراتی رہیں آمین ثم آمین۔

ستمبر میں ساجدہ جاوید آپ نے پوچھا کیسی ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں۔ دعائے امید تھوڑا سا راستہ چل کر ہم آپ سے ملنے آ گئے۔ کیسی ہیں آپ۔ اقصیٰ اکتوبر میں آپ کی سالگرہ ہے۔ جنم دن بہت بہت مبارک ہو، پیاری دوست۔ اور اب میں آ گئی ہوں آپ کی تشویش ختم کرنے۔ ماہ رخ پانچ اگست کو آپ کی بھی سالگرہ تھی۔ ہیپی برتھ ڈے پیاری۔ آپ تینوں کے لیے سالگرہ کا چھوٹا سا تحفہ ماہ رخ، اقصیٰ، فوزیہ

خدا کرے کہ یہ دن بار بار آتا رہے
اور اپنے ساتھ خوشیوں کا خزانہ لاتا رہے

ثنا! اتنے عرصے بعد اس محفل میں شریک ہوئیں۔ بہت اچھا لگا۔ باقی قارئین بہنیں آپ خود ثنا سے سوال جواب کر لیں۔ ثنا آپ سے مخاطب ہیں۔

عشو نور...... جلال پور بھٹیاں

ٹائٹل پر بیٹھی آپی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ سجائے لش پش کر رہی تھیں۔ اداریہ پڑھا مہنگائی نے تو ناکوں ناک چنے چبوا دیے۔ (نوشی تم میرے راز نہ فاش کیا کرو) ہی ہی ہی۔ ''مقابل ہے آئینہ'' مہوش کی لوڈشیڈنگ والی بات سے تو میں بھی اتفاق کرتی ہوں۔ مل کر اچھا لگا آپ سے۔ ''سپاس گزار'' مجھے

pklibrary.com

www.pklibrary.com

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ رطابہ آخر ہے کیا چیز۔ ارے بہنیں ایسی ہوتی ہیں کیا......! ارے کسی سے تو بنا کے رکھو آپ۔ "اوور نیڈ" میری ماما نے میری تعریف کبھی کی ہی نہیں کیونکہ میں کام کرتی نہیں بگاڑتی ہوں (ہاہاہا)۔ "بے اولاد" اف اللہ شگفتہ باجی اگر آپ پیر کی دی ہوئی پڑیاں نہیں کھاتی تھیں تو اب تو بتا دیتیں ساسو ماں کو وہ ایسے ڈھونگی پیر کی تعریف کروائیں گی محلے میں۔ "تاش گھر" جہاں تک مجھے لگ رہا ہے کہ صندل اور میرزاد بستامی کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور شاید وہ کچھ کروا نہ دے (آئی مین کڈنیپ) "خواب زار" دیکھا فرخ بھائی آپ کے دل میں لائبہ کے لیے فیلنگز تھی نا۔ اسی لیے ہی تو رشتہ دوالوں کے لائبہ سے کیے گئے سوالات آپ کو اچھے نہیں لگے۔ "کانٹے" بھی اچھا افسانہ تھا۔ "رشتے الفت کے" سامعہ کی نسبت سنیعہ مجھے سمجھدار اور کھنز لگی۔ "دامن سحاب" مہوش آپی اس میں میری ہم نام لڑکی ڈال کر آپ نے بہت اچھا کیا (ہاہاہا) نوشی تو بہت ہنسی۔ میں ویسے بھی بہت اچھی جاسوس ہوں (ہاہاہا) "شہر تمنا کی آخری آرزو" واؤ یار کیا کہانی تھی۔ امیزنگ۔ مزا آ گیا پڑھ کر۔ میر شہوار درفتے منہ تے ہور کج نیں (شرم کر شرم) تو یہ وجہ تھی واشلہ کے انکار کی۔ "کرن کرن خوشبو" میں سے رزق، روشن چراغ اور حرام حلال اچھے لگے (او مطلیل کہ دل تے وجے ٹھاہ کر کے) "یادوں کے دریچے سے" سونو کی غزل اور ماہی (ماہ رخ) کی نظم نے میدان اور مطلب صفحہ مار لیا (ہی ہی)۔ "موتی چنے ہیں" میں ہم کو (ارے بھئی مجھے اور نوشی کو) کچھ سمجھ نہ آئی اس لیے اگنور مار کے گزر گئیں ہم۔

"نامے ہمارے نام" لائبہ ملک تم نے یاد کیا اور میں حاضر بالکل جن کی طرح (ہاہاہا) لائبہ ملک اک شعر آپ کے لیے (اہم مم م) تو عرض کیا ہے بلکہ کرنے لگی ہوں مدیرہ آپو۔ ڈونٹ کنگ کرینگ (ہاہاہا)

یاد کرتے ہی لبوں کو ہنسی چھو جائے
اک ایسا خوب صورت خیال ہو تم

ساجدہ جاوید جی بوتیاں بوتیاں (بہت بہت) مبارکاں لعل گڑیا کی۔ مدیرہ آپی یہ دعائے امید کوئی اور نہیں اپنی نوشی ہی ہے مجھے تو دعائے امید نام بہت پیارا لگا۔ سونیا آپی رائٹر جی جی آیاں نوں میں واری تے خوش جاواں تسی کرن وچ، حاضری دینے کے چار چن چن لا دتے (بچی بھئی) فوزیہ ثمر آپی تو اڈی کی میرے نال دشمنی چلدی پئی اے؟ میرا کیوں ذکر نئی کردے تسی؟ میں روپھینا (دکھی بوتھی) ماہ رخ ہائے میں واری کسی نے تو آپی بولا (دلی خوشی) ہاہاہا۔ جی جی ماہی آپ ہمیں جو مرضی بولیں ہم اف تک نہ کہیں۔ ہم تینوں کی طرف سے آپ کو تئی منی پپی برتھ ڈے۔

ج: عشور نور! خط کے انداز سے تو لگتا ہے کہ دعائے امید عشور نور اور نوشی ایک ہی لڑکی کے تین نام ہیں۔

دعائے امید...... جلال پور بھٹیاں

ماڈل کے براؤن کلر کے لینز بالکل میرے لینز کی طرح ہیں جو کہ آج کل میں عینک ٹوٹ جانے کے سبب لگالی ہوں۔ ماڈل بھی پیاری تھی۔ "مقابل ہے آئینہ" نئی لڑکی سے مل کر اچھا لگا۔ "تاش گھر" واہ آپی آج تو آپ نے بہت سے رازوں سے کپڑا (پردہ) فاش فاش کر دیا (ہاہاہا) "رشتے الفت کے" (ہائے مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر لڑکا شادی کے بعد اپنی ماں کے فرائض اور ذمہ داری کیوں نہیں پوری کرتا۔ "کانٹے" Wonderful سبق آموز کہانی۔ "بے اولاد" استغفراللہ واقعی آج کل اکثر عورتیں ایسے ہی کرتی ہیں۔ میری بہنوں کیوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانی ہو۔

"خواب زار" داد دینی پڑے گی آپ کو اپنے دل کی دو لائنز کہنا چاہتی ہوں پلیز کاٹنا نہیں۔ "چھوڑنے والے چھوڑ ہی جاتے ہیں کوئی نہیں مرتا کسی کے بغیر۔ میری ماما کی دعا میرے ساتھ ہے۔ اب تک جو میرے ساتھ ہو چکا شاید وہ ہی میرے حق میں بہتر ہو۔"

"اوور رینڈ" آپس کی بات ہے آج کل کی

www.pklibrary.com

مائیں اپنے بچوں کو کسی نہ کسی لڑکی کی مثال ضرور دیتی ہیں۔ مجال ہے جو میری ماما نے آج تک کسی کے سامنے میری تعریف کی ہو۔ (ہی ہی ہی) اچھی کہانی تھی۔ ''دامن سحاب'' مزے کی بات بتاؤں کہانی میں عاشی کا نام آیا تو میں بھاگ کے عشو کے گھر گئی اور اس سے پوچھا کہ تم نے کب سے دائیوں والا کام شروع کرلیا (ہاہاہا) جب اس کو ساری بات سمجھ میں آئی تو میں آگے آگے اور وہ رسالہ پکڑے میرے پیچھے پیچھے (ہاہاہا) جاسوسی چھوڑ دی اور وہ عائشہ مطلب عشو نور ہی ہوگی (ہاہاہا) بچاؤ مینوں عشو کے وار سے۔ ''سپاس گزار'' نی کڑیوں اک راز دی گل دساں میں تو انوں؟ کان قریب کرو رسالے کے ارے لائبہ تم بھی نزدیک کرو جلدی سے (ہی ہی ہی) یہ تاں سوئیل عباد اور فاطمہ جس کا نام آئینور ہے ان دونوں کا ماضی آپس میں جڑا ہوا ہے۔ ''تنوا کر دل وجان ہم'' یہ ناول تو دلچسپ موڑ لیے جارہا ہے داور ویرے (بھائی) تو اڈا ویاہ دا چاء (ارمان) جلد اتر جاوے گا۔ فرسی کہندا اب پچھتاوے کیا ہوت جب پڑھ لیے نکاح کے دو بول (ہاہاہا) اب اس سے پہلے کہ آپو یا بھائی میرے تبصرے کو کٹ کٹ کردیں تو چلتے ہیں ''کرن کرن خوشبو'' میں جہاں احادیث نبوی اور لائبہ ملک کے حرام حلال (سوفٹی) اچھے لگے۔ ''یادوں کے دریچے'' سے ماہ رخ بلند کی نظم واؤ سوئیٹ بہت بہت بہت اچھی لگی۔ ''فرخندہ خالد'' آنی آپ کو ہمیں اپنے ننھیال گاؤں کی سیر ہی کروائیں اور مفت اچ بنا کرائے توں۔ گاؤں کا ماحول واقعی خوش گوار سا لگا۔ اب بات ہو جائے چلبلی سے گروپ یعنی ''نامے میرے نام'' کی لائبہ ملک دیکھا دل کو دل سے راہ ہوتی ہے میں نے یاد کیا اور تم حاضر۔ میرے خواب میں آنا جیجو کا نام بتاؤں گی بمع تصویر (ہی ہی ہی) ساجدہ جاوید، زرینہ آپی سونیا ربانی اور اقصیٰ شہزاد (وعلیکم السلام) کے تبصرے اچھے لگے۔ اقصیٰ شہزاد سالگرہ مبارک یہ تو ناانصافی ہوئی ناں کے کیک نامی چیز تک نہ لے کر آئیں تم محفل میں ویٹس ناٹ فیئر۔ نشاء جی تھینک یو میری جان زندگی کے کٹھن راستے میں میرا ساتھ دینے کے لیے اور کچھ لوگوں کے چہروں پر سے نقاب اتارنے کے لیے ورنہ میں تو شاید...... ارے ارے فوزی آپی! آپ کو بھلا میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ آپو رس گلہ میں کھاتی نہیں اور سوچا چلو آپی کے نام کی چینی بھی پھانک لوں (ہاہاہا) تے فرتاں چینی کے بجائے نمک کی چیچ (بے دھیانی میں) پھانک لی (ہاہاہا) آمنہ شہزادو میری طرف سے سالگرہ مبارک۔ اس کے بعد ماہ رخ جی جی بالکل آپ مجھے آپی بول سکتی ہیں آپ آج بلکہ ابھی سے ہی میری چھوٹی بہن بن گئیں۔

ج۔ دعائے امید...... ''رشتے الفت کے'' کہانی میں لڑکا ماں کا فرماں بردار تھا بدلا نہیں تھا۔ اس نے گھر بدلنے کے بجائے اس گھر کو رینویٹ کر والیا۔ زندگی میں سکھ دکھ آتے رہتے ہیں اللہ ہمارے لیے کچھ اور فیصلہ کرتا ہے اور ہم کچھ اور طے کیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ دعا ہے کہ بس آخر میں جو کچھ ہوا اچھا ہو۔

سنجیدہ زہرہ...... فتح جنگ

کرن اگست 2023 کا شمارہ بہت پسند آیا۔ افسانہ ''ایک تعریفی جملہ'' بہت اچھا لگا۔ ناول ''من مست ملنگ'' بھی زبردست کہانی تھی۔ اس میں سجاول کا کردار مجھے بہت کمال تھا۔ کہانی پہ گرفت بھی مضبوط رہی۔ ''رُجھم یارش'' کی کہانی بھی ٹھیک تھی مزید اچھی ہوسکتی تھی۔ افسانہ ''نقل'' بھی اچھا موضوع لیے ہوئے تھا۔ ''سپاس گزار'' ایک دل چسپ کہانی ہے جو واضح ہوگئی ہے۔ اس کے تمام کردار بہت خوب صورت ہیں۔ پڑھ کر مزا آتا ہے۔ ''تاش گھر'' تھوڑی آہستہ چل رہی ہے۔ رفتار تیز ہونی چاہیے۔ آدھے سے زیادہ کردار تو مر چکے ہیں نئے نئے کردار سامنے آرہے ہیں۔ مستقل سلسلے سب ہی اچھے ہوتے ہیں۔ خطوط پڑھنا مجھے پسند

www.pklibrary.com

ہے۔اس لیے اس خط کو جگہ دینا ضرور۔

ج۔ سنجیدہ! تاے میرے نام کی محفل میں خوش آمدید۔ ''تاش گھر'' کی کہانی ماضی اور حال کی کہانی ہے اس لیے آپ کو کردار زیادہ لگ رہے ہیں۔

طوبیٰ......نوشہرہ

میرا نام طوبیٰ ہے اور میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ میرا تعلق نوشہرہ سے ہے لیکن میں تعلیم کی غرض سے قائداعظم یونیورسٹی کے ہوسٹل میں مقیم ہوں۔

آج کل ''سپاس گزار پڑھ'' رہی ہوں۔ اکٹھی ہی تمام اقساط پڑھ ڈالی ہیں۔ میری روم میٹ نے بولا کہ پڑھ کر دیکھو تا کہ تم جو اپنی زندگی پہ رونا دھونا کرتی ہو وہ کم ہو جائے۔ دراصل میں بہت محنت کر کے اس مقام تک پہنچی ہوں۔ اپنے شہر میں ہوتی تھی تو میں کپڑے سلائی کا کام کر کے اپنی پڑھائی کا خرچا نکالتی تھی۔ میرے ابو میرے بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ امی کی دادا نے دوسری شادی کروادی اور میں ادھر دادا کے گھر رہ گئی۔ تایا جی نے آٹھویں تک تو پڑھایا پھر بولا پڑھ کر کیا کرو گی کچھ کام سیکھ لو، وہ کام آئے گا۔ میں نے سلائی سیکھی لیکن پڑھنے کا مجھے شوق تھا۔ اسی لیے میں نے سلائی کا کام بھی کیا اور کما کر پڑھائی کا خرچا بھی اٹھایا۔ اب میں وظیفے پہ یہاں یونیورسٹی سے بی ایس کر رہی ہوں لیکن یہ سفر بہت مشکل سے کٹا ہے وہ میں ہی جانتی ہوں۔

''سپاس گزار'' پڑھا تو دل سے ہائے نکلی کہ اتنے پیارے الفاظ یہ آپی کدھر سے لائی ہے۔ کوئی اتنا پیارا بھی لکھ سکتا۔ یقین کرو کہ میں روتی جاتی اور پڑھتی جاتی۔ مجھے لگتا کہ یہ فاطمہ تو میں ہی ہوں بہت ہی دلچسپ ناول ہے۔ بس اسی ایک کہانی نے دل اتنا تڑپا دیا کہ ہوا میں خط لکھوں۔

ج۔ طوبیٰ! ہم ڈائجسٹ میں تو کسی رائٹر کا نمبر شائع نہیں کر سکتے۔ رائٹر آپ سے رابطہ کیسے کریں گی۔ آپ نے کوئی اپنا کانٹیکٹ نمبر تو لکھا ہی نہیں۔

فرحت جبین......سہام

خوش حال خان کے بارے میں تو فیس بک پر آتا تھا کہ یہ احسن خان کا بھانجا ہے۔ لیکن انٹرویو میں کوئی ذکر نہ ملا۔

''تاش گھر'' میں رحبانی اور بستام، افف، صفحات کچھ زیادہ دے دیا کریں تا کہ کہانی تیز چلے۔ لٹک سی گئی ہے۔ ''رشتے الفت کے'' اچھا افسانہ تھا۔ مجھے اختتام ہمیشہ چونکانے والے پسند آتے ہیں۔ اخیر تک تجسس رہتا ہے کہ کیا ہوگا۔ اچھا انجام تھا۔

''شام سے پہلے'' کی زارا اور طاہرہ بہت پیاری کہانی۔ نیل گروں کی گلی کی ایک اور داستان بے حد خوب صورت لگی۔ جب نجو مرتا ہے۔ یقین کریں آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے کہ یا خدایا اتنا پیارا بندہ بھی چلا گیا۔ لیکن آخر میں طاہر نے جیسے زارا کے دکھوں کا مداوا کیا وہ بہت خوب صورت لگا۔ 'سپاس گزار' تو کیا ہی خوب صورت کہانی ہے۔ رحابہ کی تو گردن مروڑ دوں دل کرتا ہے۔ فاطمہ تم کتنی میٹھی ہو لڑکی۔ اف شمشاد کے ساتھ والے سین نے تو بہت ہنسایا۔ ڈائیلاگز بہت مزے کے تھے۔ سموئیل بہت باوقار اور مخلص بندہ ہے۔ بہت منجھا کردار لگتا ہے۔ کہانی کی روانی، رفتار، جملہ اور کردار سازی قابل داد ہے۔ ڈھیروں نیک تمنائیں ہیں اتنی حوصلہ افزائی دینے والی کہانی لکھنے پر۔ سلسلے وار میں سب سے مزے دار 'گنوا کر دل و جاں' میں مجھے تانی پیاری بہت پسند ہیں۔ بہت ہی کمال ہے یہ سین پڑھ کر زمن کا کردار بھی اچھا لگتا ہے۔ باقی افسانے اچھے تھے۔ عنبرین جی کے ناول کی بات کی جائے تو واہ، خوب لکھا۔ شہوار پڑھ کر میں الجھی لڑکی ہے۔ مجھے شروع سے ہی پتا تھا کہ واثلہ شہوار کی وجہ سے ہی انکار کرتی ہوگی۔ اس کی حرکات ہی مشکوک تھیں۔ وہاج نے بہت اچھا فیصلہ لیا۔ اچھی کہانی تھی۔

ج: فرحت! کہانیاں کسی نئے موضوع پر لکھی جائیں تو اچھی لگتی ہیں۔ یا کم از کم انداز ہی ذرا سا تبدیل کر دیا جائے۔ مذہبی تبلیغ یا پا نصیحتیں جو ڈائریکٹ دی جائیں تو کہانی پڑھنے میں مزا نہیں آتا۔

☆☆